مشکلات ومصائب سے حفاظت کے لئے صدقہ وخیرات کی ترغیب
اور سود جیسی حرام چیز سے دنیا وآخرت کی تباہی سے بچنے کیلئے مفید کتاب

صدقہ کی برکات
اور سود کی تباہ کاریاں

صدقہ واجبہ... نافلہ اور دیگر خیرات وصدقات کی اقسام..... صدقہ اور سود میں فرق
سود کے دنیوی واُخروی نقصانات...... صدقہ.... زکوٰۃ اور سود کے متعلق جدید مسائل
صدقہ کے ذریعے آخرت کے بنک بیلنس میں نیکیوں کا اضافہ
زندگی میں صدقہ کی برکات اور سود کے ذریعے مال میں اضافہ کے باوجود
سود کی نحوست اور تباہ کاری کے عبرت انگیز واقعات
عہد رسالت اور خیر القرون میں سخاوت اور صدقہ کی برکات کے واقعات
جن کے تناظر میں مال کے متعلق اسلامی مزاج سمجھا جا سکتا ہے

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

مشکلات ومصائب سے حفاظت کے لئے صدقہ وخیرات کی ترغیب
اور سود جیسی حرام چیز سے دنیا وآخرت کی تباہی سے بچنے کیلئے مفید کتاب

صدقہ کی برکات
اور سود کی تباہ کاریاں

صدقہ واجب... نافلہ
اور دیگر خیرات وصدقات کی اقسام
صدقہ اور سود میں فرق
سود کے دنیوی واخروی نقصانات
صدقہ... زکوٰۃ اور سود کے متعلق جدید مسائل
صدقہ کے ذریعے آخرت کے بینک بیلنس میں
نیکیوں کا اضافہ
زندگی میں صدقہ کی برکات اور سود کے ذریعے
مال میں اضافہ کے باوجود... سود کی نحوست اور تباہ
کاری کے واقعات
عہد رسالت ودرخیر القرون میں سخاوت اور صدقہ
کے حیرت انگیز واقعات جن کے تناظر میں مال
کے متعلق اسلامی مزاج سمجھا جاسکتا ہے۔

مرتب
محمد اسحٰق ملتانی
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
[061-4540513-4519240

صدقہ کی برکات
اور سود کی تباہ کاریاں

تاریخ اشاعت .... ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس کام کے لئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

[illegible]
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — 119-121 HALLIWELL ROAD
ISLAMIC BOOKS CENTRE — BOLTON BL1 3NE U.K

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ تو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے لیکن اس کے
علاوہ دیگر مصارف خیر میں وقتاً فوقتاً صدقات نافلہ اور خیرات کی
صورت میں خرچ کرتے رہنا اہم عبادات میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ کیفیت
تھی کہ اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر صدقات وخیرات کا اہتمام کرتے اور اپنے پاس
مال جمع ہونے کو یوں مضر سمجھتے کہ دنیا کی کثرت کو دیکھ کر روتے کہ کہیں اخروی نعمتوں میں
سے کمی کر کے ہمیں دنیا میں یہ نعمت نہ دیدی گئی ہو۔ اگر چہ مال جمع رکھنا بعض حالات میں
مستحسن ہی نہیں بلکہ واجب کے درجہ میں ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت کے
ستارے ہیں ان کی سیرت میں جہاں مالدار صحابہ کا ذکر ملتا ہے وہاں مفلس حضرات کا
تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اسلام نے مال کی بنیاد جمع پر نہیں بلکہ تقسیم پر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے
صدقہ کی صورت میں اگر چہ مال کم ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن خیر و برکت کے اعتبار سے
بڑھ جانا مشاہدہ میں ہے اسی طرح سود کی رقم سے مال بظاہر زیادہ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے
لیکن انہی برائی اور نحوست کی وجہ سے اس کی تباہ کاریاں بھی عیاں ہیں۔

امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ساری
زندگی دو آدمیوں کی تلاش رہی لیکن وہ مجھے نہ مل سکے۔ ایک تو وہ شخص جس نے صدقہ کیا ہو
اور مفلس ہو گیا ہو اور دوسرا وہ شخص جس نے ظلم کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ رہا ہو یعنی
ایسا ممکن ہی نہیں کہ صدقہ کرنے والا مفلس ہو گیا ہو یا ظلم کرنے والا سزا سے بچ گیا ہو۔

ہر نیکی صدقہ اور اپنے اہل وعیال عزیز واقارب پر خرچ کرنا صدقہ ہے اور خود

اپنے اوپر خرچ کرنے پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے بلکہ حدیث شریف میں ایسے عزیز کو صدقہ دینے پر زیادہ اجر وثواب بتایا گیا ہے جو دل میں کینہ رکھے۔

سبحان اللہ! شریعت کی تعلیمات میں کس طرح نفس کی اصلاح کا اہتمام کیا گیا ہے۔ صدقہ کی اس نیکی سے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ اس عزیز کا کینہ ختم ہو جائے۔

صدقہ وخیرات میں مستحق وغیر مستحق کے بارہ میں یہ واقعہ پیش نظر رکھئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ گاڑی میں جا رہا تھا راستہ میں ایک فقیر کچھ مانگنے لگا۔ حضرت والد صاحب نے حسب وسعت اسے کچھ دیدیا میں نے والد صاحب سے عرض کیا کہ ایسے فقیر پیشہ ور ہوتے ہیں جو مستحق نہیں ہوتے لیکن اپنی عادت اور پیشہ کی وجہ سے گداگری کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو کچھ دیدینا کیسا ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ارے میاں! یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں دے رکھی ہیں کیا ہم ان نعمتوں کے مستحق ہیں یا نہیں؟

مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں بلا استحقاق اتنی نعمتیں دے رکھی ہیں تو ہمیں بھی حسب وسعت خرچ کرنے میں مستحق یا غیر مستحق کی بحث میں زیادہ نہیں الجھنا چاہیے۔

ایک مسلمان کیلئے دنیا کی زندگی سے زیادہ قابل فکر آخرت کی زندگی ہے اس لیے قدم قدم پر ہر مسلمان کی سوچ کو دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ صدقہ وخیرات کے ذریعے بندہ آخرت کا بینک بیلنس بناتا ہے اور دنیا میں جو کچھ خرچ کرتا ہے وہی اصل پونجی ہے جو آخرت کے بینک میں جمع ہو جاتی ہے اور روز محشر جبکہ آدمی ایک ایک نیکی کا ضرورت مند ہوگا ایسے میں اپنے ہاتھ سے دیا صدقہ یا اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔

الغرض ہر حال میں صدقہ وخیرات حسب استطاعت کرتے رہنا چاہیے اور عہد رسالت اور خیر القرون سے تا ہنوز اسلاف میں اس کا کیسا ذوق وشوق تھا اس کا اندازہ کتاب میں درج واقعات سے ہوگا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں مال کو بُرا سمجھا جاتا تھا لیکن آج کل مال مومن کی ڈھال ہے اگر یہ مال ہمارے پاس نہ ہوتے تو بادشاہ اور حکام ہم کو اپنا رومال بناڈالتے یعنی ذلیل وخوار بنادیتے۔

اس لیے مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اگر خرچ کرنے کا جوش ہو تو اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور فضول خرچی سے بچو۔

ہمارے اسلاف میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ جیسے حضرات جہاں دینداری میں کمال رکھتے تھے وہاں اپنے زمانہ کے مشہور مالداروں میں شمار ہوتے تھے۔

آج کل علم الاقتصادیات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے جس کا مدار سود پر رکھا گیا ہے حالانکہ سود حرام ہے اسلام لوگوں کو غریب بنانے کیلئے نہیں بلکہ اس کے اصول کے مطابق عمل کرنے سے لوگ غنی اور مالدار ہو گئے۔

سود سے مال میں زیادتی کے باوجود بے برکتی اور نحوست آدمی کو کس طرح مفلس بنادیتی ہے؟ نیز سود اور صدقہ میں کیا فرق ہے؟ اور سود کی تباہ کاریاں کیسے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں؟ اس بارہ میں معلومات کتاب ہذا میں دیدی گئی ہیں تاکہ صدقہ کی برکات کیساتھ تصویر کا دوسرا رُخ یعنی سود کی تباہ کاریاں بھی عیاں ہو جائیں آج ہر شخص نہ چاہتے ہوئے بھی سود کے اثرات میں مبتلا ہے لیکن توفیق خداوندی سے سود کی دلدل سے آج بھی بچا جا سکتا ہے کہ اہل علم نے موجودہ دور کی ضروریات کے مطابق سود کا متبادل نظام نہ صرف بتادیا ہے بلکہ اپنی نگرانی میں رائج بھی فرمادیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدقہ وخیرات کی برکات سے نوازیں اور سود جیسی
صریح حرام چیز سے بچنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

دارالسلام .... محمد اسحٰق غفرلہٗ .... ربیع الاول ۱۴۳۱ھ بمطابق مارچ ۲۰۱۰ء

موت سے پہلے صدقہ خیرات کرلو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ. (سورۃ المنافقون)

اس آیت میں اہل ایمان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ
دیکھو! مال جوڑ کر اور جمع کر کے رکھنے کیلئے نہیں بلکہ یہ نیک کاموں میں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہے۔
اس طرح خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرلو ورنہ موت سر پر آ پہنچے گی تو پھر پچھتاؤ گے کہ کیوں ہم نے اللہ کے راستے میں مال خرچ نہ کیا۔
اس وقت بخیل تمنا کرے گا

کہ اے میرے پروردگار! چند روز اور میری موت کو مؤخر کر دیجئے کہ میں خوب صدقہ خیرات کرلے اور نیک بن کر حاضر ہوں۔
لیکن وقت مقررہ میں تاخیر و تعجیل کیسی؟

(از درس قرآن پارہ ۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مثالی صدقہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھے ایک مرتبہ لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ والی آیت یاد آئی تو میں نے ان تمام چیزوں میں غور کیا جو اللہ نے مجھے دے رکھی تھیں (کہ ان میں سے کون سی چیز مجھے سب سے زیادہ پیاری لگتی ہے) تو مجھے اپنی رومی باندی مرجانہ سے کوئی چیز زیادہ پیاری نظر نہ آئی۔ اس لئے میں نے کہا یہ مرجانہ اللہ کے لئے آزاد ہے (آزاد کرنے کے بعد بھی دل میں اس سے تعلق باقی رہا جس کی وجہ سے میں یہ کہتا ہوں) کہ اللہ کو دینے کے بعد چیز کو واپس لینا لازم نہ آتا تو میں اس سے ضرور شادی کر لیتا۔ (اخرجہ البزار)

حضرت ابن عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں اپنے مال میں سے کوئی چیز زیادہ پسند آنے لگتی تو اسے فوراً اللہ کے نام پر خرچ کر دیتے اور یوں اللہ کا قرب حاصل کر لیتے اور ان کے غلام بھی ان کی اس عادت شریفہ سے واقف ہو گئے تھے۔ چنانچہ بعض دفعہ ان کے غلام نیک اعمال میں خوب زور دکھاتے اور ہر وقت مسجد میں اعمال میں لگے رہتے۔ جب حضرت ابن عمرؓ ان کو اس اچھی حالت پر دیکھتے تو ان کو آزاد کر دیتے۔

اس پر ان کے ساتھی ان سے کہتے اے ابو عبدالرحمن اللہ کی قسم! یہ لوگ تو اس طرح آپ کو دھوکہ دے جاتے ہیں (انہیں مسجد سے اور مسجد والے اعمال سے دلی لگاؤ کوئی نہیں ہے صرف آپ کو دکھانے کے لئے یہ کرتے ہیں تاکہ آپ خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیں) تو یہ جواب دیتے کہ ہمیں جو اللہ کے اعمال میں لگ کر دھوکہ دے گا ہم اللہ کے لئے اس سے دھوکہ کھا جائیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء)

حلال مال سے دیا ہوا
صدقہ
اللہ تعالیٰ کی نظر میں

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقہ میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا ہے اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہی ایک کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔

سُود.... اللہ اور رسُول سے اعلان جنگ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ. فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ.

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو۔ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو.... تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

(سورۂ بقرہ: ۲۷۹-۲۷۸)

تین اہم باتیں

حدیث شریف میں ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"تین باتیں ایسی ہیں جن (کی صداقت وحقانیت) پر میں قسم کھا سکتا ہوں۔

1- یہ کہ بندہ کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے (یعنی صدقہ و خیرات کرنے) کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔

2- یہ کہ جس بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ بندہ اس ظلم وزیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں۔

3- یہ کہ جس بندے نے اپنے نفس پر سوال کا دروازہ کھولا (یعنی ضرورت وحاجت کی وجہ سے نہیں بلکہ مال و دولت جمع کرنے اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کیلئے لوگوں سے مانگنا شروع کیا) تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

(یعنی اسکو طرح طرح کے احتیاج وافلاس میں مبتلا کر دیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ بے شرم ہو کر مانگتا ہی رہتا ہے")

(ترمذی شریف)

صدقہ و خیرات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خیرات کیا کرو کہ صدقہ تم کو دوزخ کی آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہے۔ (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم سے پہلے کسی شخص کی روح سے فرشتوں نے ملاقات کی تو فرشتوں نے دریافت کیا تو نے کوئی بھلائی کی؟

اس نے کہا نہیں

انہوں نے کہا یاد کر تو لوگوں کو ادھار سودا دیا کرتا تھا اور تو نے اپنے کارندوں سے کہا تھا کہ تنگ دست کو مہلت دیدیا کرو اور مالدار سے درگزر کیا کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بھی درگزر کرو۔ (بخاری)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین باتیں گناہوں کو مٹا دینے والی ہیں

کھانا کھلانا..... سلام پھیلانا..... اور جب لوگ سوئے پڑے ہوں اس وقت نماز پڑھنا۔ (حاکم)

فہرست عنوانات

باب اول

باب چہارم

☆☆☆☆☆☆☆

باب اول

اسلام کا اہم رکن اور صدقہ واجبہ

زکوٰۃ

مال کے بارہ میں اسلامی فلسفہ

مال کمانے اور خرچ کرنے کی حدود

زہد وقناعت کے واقعات

زکوٰۃ کی اہمیت وفضیلت

ادائیگی زکوٰۃ اور اس کے مصارف

اہم مسائل اور برکات زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت

تمام دنیا اور اس کی نعمتیں اللہ کی نظر میں قطعاً بے وقعت اور بے حیثیت ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ دنیا کی نعمتیں کفار کو پوری فراوانی سے مرحمت فرماتا ہے اور ان کا کفر و شرک ان نعمتوں کے حصول میں مانع نہیں بنتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ فرماتا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ تو راستہ میں بکری کا ایک مردار بچہ نظر پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا خیال ہے اس بچہ کے گھر والوں نے اسے بے حیثیت سمجھ کر یہاں پھینک دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تائید فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس بکری کے بچے کے اپنے گھر والوں کی نظر میں ذلیل ہونے سے زیادہ بے حیثیت اور بے وقعت ہے۔

اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

بے شک دنیا خود بھی قابل لعنت ہے اور اس میں جو چیزیں ہیں وہ بھی قابل لعنت ہیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقہ اعمال کے اور سوائے عالم یا متعلم کے۔

یعنی دنیا میں رہ کر اگر انسان اللہ سے غافل اور آخرت سے بے پرواہ ہو جائے تو یہ دنیا کی پوری زندگی اور اس کی ساری نعمتیں انسان کو لعنت کے طوق میں مبتلا کرنے والی ہیں۔ لہٰذا دنیا سے بس اتنا ہی تعلق رہنا چاہئے جتنی اس کی ضرورت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کی زندگی کا مقابلہ اس طرح کرو کہ ایک طرف

تو محض ایک انگلی میں لگا ہوا پانی کا قطرہ ہو اور دوسری طرف پورے کا پورا سمندر ہو جس کی اتھاہ کا کوئی اندازہ نہیں۔ تو یہ قطرہ پوری دنیا کی زندگی ہے جو نہایت محدود ہے اور یہ سمندر کی مثال پوری آخرت ہے جو لامحدود اور لازوال ہے۔ (ترمذی)

اس لئے دنیا میں جتنے دن رہنا ہے اتنی فکر یہاں کے بارے میں کی جائے اور آخرت میں جتنے دن رہنا ہے اتنی وہاں کی فکر کرنی لازم ہے۔

کافروں کی دنیوی شان وشوکت دیکھ کر پریشان نہ ہوں

عام طور پر دنیا میں کفار کی شان وشوکت' مال ودولت اور ظاہری عیش وآرام دیکھ کر لوگ ان کی حرص کرنے میں پڑ جاتے ہیں یا دل تنگ ہوتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی دوڑ میں شامل ہونے کیلئے حلال وحرام میں تمیز ختم کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل کے نام نہاد دانشوروں کا حال ہے تو ان کی تنبیہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

آپ کو دھوکا نہ دے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا' یہ فائدہ ہے تھوڑا سا' پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

دنیا اور اس کی سب چمک دمک محض عارضی ہے۔ انسان کی زندگی میں اگر کوئی نعمت میسر آ جائے تو کوئی ضمانت نہیں کہ وہ آخری دم تک باقی بھی رہے' اس لئے کہ دنیا تغیر پذیر ہے' مال' صحت' عزت اور عافیت کے اعتبار سے لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا دنیا کی بڑی سے بڑی کہی جانے والی نعمت بھی ناپائیدار ہے اور اس سے انتفاع کا سلسلہ یقیناً ختم ہو جانے والا ہے اگر زندگی میں ختم نہ ہوا تو مرنے کے بعد یقیناً ہو جائے گا۔ مرنے کے بعد نہ بیوی رہے گی۔ نہ مال رہے گا نہ جائیداد اور کھیتی باڑی ساتھ ہو گی۔ ان سب اشیاء کا ساتھ چھوٹ جائے گا۔ اس لئے قرآن وحدیث میں انسانوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ دنیا کی زیب وزینت کو مقصود نہ بنائیں بلکہ اس کے مقابلہ میں آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کی جدوجہد اور فکر کرنی چاہئے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا۔

فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے ٗ جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی ٗ یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگانی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا ٗ آپ فرما دیجئے: کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر؟ پرہیزگاروں کیلئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں ٗ جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ٗ ہمیشہ رہیں گے ان میں ٗ اور عورتیں ہیں ستھری اور رضا مندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو قائم اور باقی رکھنے کیلئے گو کہ ان اشیاء کی محبت لوگوں کے دلوں میں راسخ فرمادی ہے کیونکہ اگر ان چیزوں سے لوگوں کو دلی تعلق نہ ہوگا۔ تو دنیا کی آبادی اور شادابی کے اسباب کیسے فراہم ہوں گے؟ مال کے حصول کیلئے جدوجہد کون کرے گا؟ صنعت و حرفت اور کاشتکاری کے شعبے کیسے فروغ پائیں گے؟ لہٰذا ان دنیوی اسباب سے لوگوں کا تعلق نظام قدرت کے عین مطابق ہے مگر اس تعلق کے دو پہلو ہیں۔ ایک پسندیدہ ہے اور دوسرا ناپسند ہے۔ یعنی اگر عورتوں سے تعلق حرام کاری کی طرف رغبت کی وجہ سے ہے تو ناپسند ہے اور اگر عفت و عصمت کے تحفظ اور صالح اولاد کے حصول کیلئے اپنی منکوحہ عورتوں سے تعلق ہے تو یہ عین عبادت ہے۔ اسی طرح مال میں انہماک اگر تکبر و غرور اور فخر و مباہات اور دوسروں پر ظلم و جبر کے ساتھ ہے تو یہ بدترین غلطی ہے لیکن اگر صدقہ خیرات کے شوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے مقصد سے حلال کاروبار میں وقت لگاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے برا نہیں کہا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا سے وہ تعلق جو انسان کو آخرت سے قطعاً غافل کردے وہ ممنوع ہے اور اگر تعلق بقدر ضرورت اور برائے ضرورت ہو اور اس کی وجہ سے انسان آخرت سے غفلت نہ برتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اختیار نہ کرے تو اس میں حرج نہیں۔ لہٰذا انسان کو کبھی بھی دنیا کے اندر اپنے کو ایسا منہمک نہیں کرنا چاہئے کہ آخرت اس کی نظر سے اوجھل ہو جائے اور بس دنیا اور اس کی لذتوں میں مدہوش ہو کر رہ جائے۔

دنیا میں اشتغال کس حد تک؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں سب

سے زیادہ خطرہ زمین کی ان برکتوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ تم پر ظاہر فرمادے گا۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ زمین کی برکتوں سے کیا مراد ہے؟

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت ہے' یہ سن کر ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا خیر کا نتیجہ مصیبت کی شکل میں نکلتا ہے؟ (یعنی بظاہر مال تو نعمت ہے پھر اس کے ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطرہ کا اظہار کیوں فرمارہے ہیں؟)

اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوگئے حتیٰ کہ ہمیں یہ خیال ہوا کہ شاید آپ پر وحی کا نزول ہوگا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیشانی مبارک سے پسینہ صاف فرمارہے ہیں (جو اس بات کی دلیل تھی کہ آپ پر اس وقت وحی کا نزول ہوا ہے) اس کے بعد آپ نے سوچا کہ سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ تو وہ شخص سامنے آیا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سائل کے سامنے آنے پر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا (کہ اس کی بدولت علمی افادہ کا موقع فراہم ہوگا) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خیر سے تو خیر ہی برآمد ہوتی ہے (تاہم) یہ مال دل کش اور میٹھا ذائقہ دار ہے۔ (جیسے) سینچائی کی نالی سے اگنے والا سبزہ (بے حساب کھانے والے جانور کو) ہیضہ کی وجہ سے ہلاک کردیتا ہے یا ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ سوائے اس جانور کے جو ہریالی گھاس کو کھا کر پیٹ بھرنے کے بعد سورج کی دھوپ میں بیٹھ کر جگالی کرتا ہے اور لید اور پیشاب سے فراغت کے بعد پھر واپس آکر گھاس چرتا ہے (تو وہ ہیضہ سے محفوظ رہتا ہے اور ہلاک نہیں ہوتا تو اس طرح) اس مال میں بڑی مٹھاس ہے۔ جو اس کو صحیح طریقہ سے حاصل کرکے صحیح جگہ خرچ کرے تو اس کیلئے یہ بہترین مددگار ہے اور جو اسے غلط طریقہ پر کمائے تو وہ اس جانور کے مانند ہوکر ہلاک ہوگا جو برابر کھاتا رہتا ہے اور اس کی بھوک کبھی ختم نہیں ہوتی (بالآخر وہ ہیضہ سے ہلاک ہوجاتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے دنیا میں اشتغال کی

اصل حد معلوم ہوگئی کہ دنیا سے صرف بقدر ضرورت اور برائے ضرورت ہی فائدہ اٹھانا مفید ہے۔ اس میں ایسا اشتغال کہ بس آدمی ۹۹ ہی کی چکر میں ہر وقت مبتلا رہے اور آخرت کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہ انتہائی خطرناک اور وبال جان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا۔

جو شخص حلال طریقہ سے' سوال سے بچنے' گھر والوں کی ضروریات پورا کرنے اور اپنے پڑوسیوں پر مہربانی کرنے کی غرض سے دنیا طلب کرے تو وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور جو شخص فخر ومباہات اور نام وری کے لئے دنیا کمائے تو وہ اللہ کے دربار میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ہم دنیا سے تعلق اس کی حد کے اندر رکھیں اور اس سے تجاوز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

دنیا سے تعلق آخرت کیلئے مضر ہے

دنیا سے تعلق اور اس کی لذتوں میں انہماک بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور بہت سے لوگ بس دنیوی لذتوں ہی کو اپنا مقصود بنالیتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ دنیا میں یہ وقتی لذتیں آخرت کی دائمی زندگی کی دائمی نعمتوں میں کمی اور نقصان کا سبب ہیں جو در حقیقت عظیم ترین نقصان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جو شخص اپنی دنیا میں جی لگائے وہ اپنی آخرت کا نقصان کرے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت رکھے (اور اس کے بارے میں فکر مند رہے) تو وہ صرف اپنی دنیا کا (وقتی) نقصان کرے گا۔ لہٰذا باقی رہنے والی آخرت کی زندگی کو دنیا کی فانی زندگی پر ترجیح دیا کرو۔

دنیا کی میٹھی چیز آخرت میں کڑواہٹ کا سبب ہے اور دنیا کی کڑوی زندگی آخرت میں مٹھاس کا سبب ہے۔

چنانچہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو دنیا میں نہایت عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی گزارتے ہیں لیکن یہی پر تعیش غفلت والی زندگی ان کیلئے آخرت میں سخت ترین عذاب کا سبب بن جائے گی اور اسی طرح کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کی زندگی دنیا میں نہایت

تنگی اور ترشی کے ساتھ گزرتی ہے لیکن ان آزمائشوں پر صبر کی بدولت ان کا مقام آخرت میں اس قدر بلند ہو جائے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہمیشہ آخرت بنانے کی فکر لازم ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر جائے تو تین باتیں اس کو چیٹ جاتی ہیں۔ (۱) ایسی بدبختی جس کی مصیبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ (۲) ایسی حرص جس سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا (۳) اور ایسی خواہش جو کبھی شرمندہ تکمیل نہیں ہوتی۔ پس دنیا (کسی کیلئے) طلب گار ہے اور (کوئی) اس کا طلب گار ہے۔ لہٰذا جو شخص دنیا کے پیچھے پڑتا ہے تو آخرت اس کا پیچھا پکڑ لیتی ہے تا آنکہ اس کی موت آجاتی ہے اور (اس کے برعکس) جو آخرت کا طلب گار ہوتا ہے تو دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے تا آنکہ وہ اپنے مقدر کا رزق حاصل کر لیتا ہے۔ (رواہ الطبرانی)

دنیا سے بے رغبتی موجب سکون ہے

دنیا میں رہ کر دنیا میں مدہوش نہ رہنا انسان کیلئے سب سے بڑا سکون کا ذریعہ ہے۔ ایسا شخص ظاہری طور پر کتنا ہی خستہ حال کیوں نہ ہو مگر اسے اندرونی طور پر وہ قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے جو بڑے بڑے سرمایہ داروں کو بھی میسر نہیں آتا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ دنیا سے بے رغبتی دل اور بدن دونوں کیلئے راحت بخش ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی دولت سکون اور عافیت ہے اگر سکون نہ ہو تو سب دولتیں بے کار ہیں اور یہ سکون جبھی مل سکتا ہے جب ہم دنیا سے صرف بقدر ضرورت اور برائے ضرورت تعلق رکھیں اور اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار رہ کر اس کی رضا پر راضی رہیں۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا دین پر سب سے زیادہ مددگار صفت دنیا سے بے رغبتی ہے کیونکہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے وہ خالص رضائے خداوندی کیلئے عمل کرتا ہے اور جو شخص اخلاص سے عمل کرے اس کو اللہ تعالیٰ اجر وثواب سے سرفراز فرماتا ہے۔ (کتاب الزہد)

یہ صفت زہد انسانوں کو لوگوں کا محبوب بنا دیتی ہے اور ایسے شخص کو ہی قبولیت عند اللہ اور عند الناس کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

قناعت دائمی دولت ہے

کثرت کی فکر کے بجائے عطاء خداوندی پر راضی رہنا قناعت کہلاتا ہے اور جس شخص کو قناعت کی دولت نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں مگن رہتا ہے۔ پھر وہ کبھی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ دوسرے کی حرص کرتا ہے ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے۔

(جس شخص کو تین صفات حاصل ہو گئیں) وہ فلاح پا گیا۔

ا۔ جو اسلام سے مشرف ہو۔

۲۔ جسے بقدر ضرورت روزی ملتی ہو۔

۳۔ اور اللہ نے اسے اپنے دیئے ہوئے رزق پر قناعت سے نواز دیا ہو۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تم قناعت کو اختیار کرو اس لئے کہ قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

آدمی سب سے زیادہ اپنی اولاد کی روزی کے بارے میں فکر مند رہتا ہے اور اس کیلئے پہلے ہی سے انتظام کر کے جاتا ہے۔ دعائیں کرتا ہے محنت اور جدوجہد کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کے متعلق فکر فرمائی۔ بلا شبہ اگر آپ یہ دعا فرما دیتے کہ آپ کے خاندان کا ہر فرد دنیا کی ہر دولت سے بے حساب نوازا جائے تو یقیناً وہ دعا شرف قبولیت حاصل کر جاتی لیکن آپ نے اپنے اہل خاندان کیلئے کثرت مال و دولت کی دعا نہیں فرمائی بلکہ آپ نے فرمایا:۔

اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل خاندان کی روزی قوت (برابر سرابر) مقرر فرما دے۔

یعنی نہ اتنی کم ہو کہ مخلوق کے سامنے ذلت کا باعث ہو اور نہ اتنی زیادہ ہو کہ آخرت سے غافل کر دے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: قیامت کے روز مالدار اور غریب سب کو یہی حسرت ہوگی کہ انہیں دنیا میں بس برابر سرابر روزی ملی ہوتی۔ (الترغیب)

دنیا کی محبت... دل کا مرض

دل کے روحانی امراض بہت زیادہ ہیں جن کا اثر پوری انسانی زندگی پر پڑتا ہے۔ان میں چند امراض نہایت خطرناک ہیں۔ان میں سے ہر ایک 'صرف ایک مرض نہیں بلکہ سینکڑوں امراض کے وجود میں آنے کا سبب ہے اس لئے ہر وہ مومن جو اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کی صفت سے متصف ہونا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو بالخصوص درج ذیل بنیادی امراض سے محفوظ رکھے۔

۱۔دنیا کی محبت۔۲۔بغض وعداوت۔۳۔آخرت سے غفلت۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ امراض سے دل کو پاک کر لیا جائے تو ان شاء اللہ روحانی اعتبار سے قلب پوری طرح صحت یاب ہوگا۔اور پورا جسم انسانی اطاعت خداوندی کے جذبہ سے سرشار اور گناہوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

دنیا کی محبت

دنیا کی محبت انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

''فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے' اور گھوڑے نشان لگائے اور مویشی کھیتی۔'' (آل عمران:۱۴)

اور یہ محبت ضروری بھی ہے۔اس کے بغیر نظام کائنات برقرار نہیں رہ سکتا لیکن اگر یہ محبت اتنی زیادہ بڑھ جائے کہ انسان اپنے مقصد تخلیق سے غافل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور بندوں کے حقوق کو پس پشت ڈال دے تو پھر یہ محبت خطرناک قلبی اور روحانی مرض میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسانی بدن کے لئے ''شوگر'' ایک خاص مقدار میں ہونی ضروری ہے۔اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔لیکن یہی شوگر جب حد سے زیادہ پیدا ہونے

لگتی ہے تو ایسے لاعلاج مرض میں تبدیل ہو جاتی ہے جو جسم کی رگوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب دنیا کی محبت حد سے متجاوز ہو جاتی ہے تو وہ تمام گناہوں کی جڑ اور بنیاد بن جاتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کے مراسیل میں یہ جملہ مشہور ہے۔

''دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے۔'' (فیض القدیر)

علامہ مناویؒ (شارح جامع صغیر للسیوطیؒ) لکھتے ہیں کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی بنیاد بنی ہے۔ مثلاً پرانی سرکش قوموں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اسی لئے انکار کیا کہ وہ لذتوں میں مبتلا تھے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے سے ان کی لذتوں اور شہوتوں کی تکمیل میں خلل آتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے داعیوں کی مخالفت پر اُتر آئے۔ اسی طرح ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اسی لئے انکار کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو اپنی ریاست اور بڑائی میں رکاوٹ سمجھتا تھا' یہی معاملہ نمرود' فرعون' ہامان وغیرہ کا تھا کہ یہ لوگ حب جاہ کے نشہ میں بدمست ہو کر انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن بن گئے۔ (فیض القدیر)

یہ دنیا کی محبت بڑے بڑے روحانی امراض کو جنم دیتی ہے۔ ان میں ایک بڑی بیماری ''حرص وطمع'' ہے۔

حرص

جب آدمی پر دنیا کی محبت کا نشہ چڑھتا ہے تو وہ حرص کا مریض بن جاتا ہے۔ یعنی اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہو جائے مگر پھر بھی وہ'' **ھل من مزید**'' کا طلبگار رہتا ہے اور دولت کی کوئی مقدار بھی اس کے لئے سکون اور قناعت کا باعث نہیں بن پاتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اگر آدمی کو سونے سے بھری ہوئی ایک پوری وادی بھی دے دی جائے تو وہ دوسری وادی کا طلبگار ہوگا اور اگر دوسری وادی بھی دے دی جائے تو تیسری وادی کا طلبگار ہوگا۔ اور آدمی کا پیٹ تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے (یعنی مرنے کے بعد ہی ان تمناؤں کا سلسلہ ختم ہوگا) اور جو توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔'' (بخاری شریف)

اور ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آدمی بڑا ہو جاتا ہے اور ساتھ میں اس کی دو خواہشیں بھی بڑھتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے لمبی عمر کی تمنا۔'' (بخاری شریف)

نیز ایک ضعیف حدیث میں مضمون آیا ہے کہ:

''دو شخصوں کی بھوک نہیں مٹتی ایک علم کا دھنی کہ اسے کسی علم پر قناعت نہیں ہوتی' دوسرے مال کا بھوکا کہ اسے کتنا ہی مل جائے مگر وہ زیادتی ہی کی فکر میں رہتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

حریص شخص کو کبھی بھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ مال کی مدہوشی میں اس کی راتوں میں نیندیں اڑ جاتی ہیں اور دن کا سکون جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ مال و دولت اصل مقصود نہیں بلکہ دلی اطمینان ہی اصل میں مطلوب ہے۔ یہ اگر تھوڑے سے مال کے ساتھ بھی نصیب ہو تو آدمی غنی ہے۔ اور اگر مال کی بہتات کے ساتھ دلی سکون میسر نہ ہو تو وہ غنی کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''زیادہ اسباب اور سامان ہونے کا نام غنی نہیں ہے بلکہ اصل غنی دل کی غنی اور مطمئن ہونا ہے۔'' (بخاری شریف)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حرص کا روگ ایسا خطرناک ہے کہ انسانی زندگی کی روح ہی ختم کر دیتا ہے بلکہ خود انسانی اقدار کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس بیماری کا علاج ضروری ہے۔

حرص کا ایک مجرّب علاج

حرص کے مرض کو ختم کرنے کے لئے ان احادیث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن میں دنیا کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت ہے۔'' (مسلم شریف عن ابی ہریرہؓ)

یعنی مومن کو دنیا میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے ایک قیدی قید خانے میں رہتا ہے کہ قید خانہ کی کوئی چیز اسے اچھی نہیں لگتی بلکہ وہ ہر قیمت پر قید سے باہر آنے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح مومن کی دنیا میں رہتے ہوئے یہاں کی چیزوں سے لو لگانے اور اس کی حرص و

طمع کی بجائے آخرت میں جانے کا سامان اور اسباب فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جو اپنی دنیا سے لگاؤ رکھے گا وہ اپنی آخرت کا نقصان کرے گا اور جو اپنی آخرت پسند کرے گا وہ اپنی دنیا گنوائے گا۔ لہٰذا فنا ہونے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح دو۔'' (مشکوٰۃ شریف)

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں سمندر کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا عقل مندی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس چند روزہ زندگی کیلئے حرص کر کے اپنی آخرت کو برباد نہ کیا جائے۔

اسی طرح حرص کو ختم کرنے کے لئے یہ یقین بھی بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو رزق پہلے سے متعین کر دیا ہے وہ ہمیں بہر حال مل کر رہے گا۔ اور ہماری موت اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک کہ ہم اپنے لئے مقدر کے ہر ہر لقمے کو حاصل نہ کر لیں۔ متعدد احادیث میں اس سلسلہ میں مضامین وارد ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں حرص کو ختم کر کے قناعت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نہایت پر تاثیر نسخہ تجویز فرمایا ہے جو درج ذیل ارشاد گرامی میں موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

''جب تم میں سے کسی شخص کی نظر کسی ایسے آدمی پر پڑے جسے مال یا صحت و تندرستی میں اس پر فضیلت حاصل ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے سے نیچے درجے کے آدمی پر نظر کرے۔'' (بخاری شریف)

یعنی عموماً مال میں حرص کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ آدمی ہمیشہ اوپر والوں کی طرف نظر کرتا ہے۔ مثلاً تین کروڑ والا ہے تو چار کروڑ والے پر نظر کرے گا۔ چار والا ہے تو پانچ والے پر نظر کرے گا اس طرح کسی بھی حد پر اسے قناعت نصیب نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آدمی اپنے سے نیچے والوں کو دیکھنے لگے تو شکر کا جذبہ بھی عطا ہوتا ہے۔ اور حرص کا اصل سبب بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کوشش کرنی چاہیے کہ اس مرض کا ہمارے دل سے خاتمہ ہو اور آخرت کے فوائد کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

آدمی کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر (بالفرض) آدمی کے پاس مال ودولت سے بھری ہوئی دو وادیاں بھی ہوں تب بھی وہ تیسری وادی کی تلاش میں رہے گا۔ آدمی کے پیٹ کو (قبر کی) مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ (بری حرص سے) جس بندہ کی توبہ کو چاہتا ہے قبول کر لیتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ انسان کی حرص وطمع کی درازی کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی حد پر پہنچ کر اس کو سیری حاصل نہیں ہوتی اور جب تک وہ قبر میں جا کر نہیں لیٹ جاتا اس وقت تک اس کی حرص وطمع کا خاتمہ نہیں ہوتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے، روز ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کے پاس لاکھ روپے ہیں وہ دو لاکھ بنانے کے چکر میں ہیں اور جن کے پاس کروڑ روپے ہیں وہ دو کروڑ بنانے کی فکر میں ہیں جن کے پاس ایک کوٹھی اور ایک کار ہے وہ دو کوٹھیاں اور دو کاروں کی دھن میں ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک شخص کا دلچسپ قصہ لکھا ہے جس سے مذکورہ حدیث شریف کی تشریح بھی ہو جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ ذیشان کی صداقت کا ظہور بھی ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ "میں نے ایک سوداگر کو دیکھا جو اپنے پاس ڈیڑھ سو اونٹ سامان کے رکھتا تھا، اور چالیس غلام اور خدمت گار، ایک رات وہ مجھے جزیرۂ کیش میں اپنے چھوٹے سے کمرے میں لے گیا، رات بھر نہ خود سویا اور نہ مجھے سونے دیا، بہکی بہکی باتیں کرتا رہا کہ میرا فلاں ڈھیر (سامان) ترکستان میں ہے اور فلاں پونجی ہندوستان میں...... اور یہ فلاں زمین کی دستاویز ہے اور فلاں چیز کا فلاں آدمی ضامن ہے اور کبھی کہتا کہ اسکندریہ کا ارادہ رکھتا ہوں کہ وہاں کی آب وہوا اچھی ہے، پھر کہتا نہیں کیونکہ دریا مغرب میں طغیانی ہے۔ پھر کہتا: اے سعدی ایک دوسرا سفر درپیش ہے اگر وہ بھی کر لیا جائے تو باقی تمام عمر کے لئے گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ اور قناعت کر لوں گا۔ میں نے کہا وہ کونسا سفر ہے؟ اس سوداگر نے کہا کہ ایرانی گندھک چین لے جاؤں گا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہاں وہ بڑی قیمت رکھتی ہے اور وہاں سے چینی پیالے روم لے جاؤں گا۔ روم کا ریشم ہندوستان لے جاؤں گا اور ہندوستان کا لوہا

حلب میں لے جاؤں گا اور حلبی آئینے یمن لے جاؤں گا اور یمنی چادریں پارس میں لے جاؤں گا بس اس کے بعد سفر چھوڑ دوں گا اور ایک دکان پر بیٹھ جاؤں گا، انصاف کی بات ہے کہ اس سوداگر نے ایسی پاگل پن کی باتیں اس قدر کیں کہ اس سے زیادہ کہنے کی طاقت نہ رہی اس سوداگر نے مجھ سے کہا کہ سعدی تم بھی کچھ کہو جو تم نے دیکھا یا سنا ہو، میں نے کہا:

آں شنیدستی کہ در صحرائے غور   بارسالارے بیفتاد از ستور

گفت چشم تنگ دنیا دار را   یا قناعت پر کند یا خاک گور"

تو نے سنا ہے کہ غور کے جنگل میں گزشتہ سال ایک سردار گھوڑے سے گر پڑا اس نے کہا دنیا دار کی تنگ آنکھ کو یا قناعت بھر سکتی ہے یا قبر کی مٹی۔ (گلستان)

بخل کی مذمت

دنیا کی محبت سے جو امراض پھیلتے ہیں ان میں ایک مہلک مرض "بخل" ہے جو انسان کو بہت سے اعمال خیر سے روکنے کا سبب بنتا ہے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس امت کی سب سے پہلی صلاح کا سبب یقین اور زہد (کے اوصاف) تھے اور اس میں بگاڑ کی ابتداء بخل اور ہوس سے ہوگی۔" (الطبرانی فی الاوسط)

بخیل مال کی محبت میں ایسا مجبور ہو جاتا ہے کہ عقل کے تقاضے اور شرعی واضح حکم کے باوجود اسے خرچ کرنا بہت سخت ترین بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اس کیفیت کو درج ذیل حدیث میں اس طرح واضح فرمایا گیا:۔

"کنجوس آدمی اور صدقہ خیرات کرنے والے آدمی کی مثال ایسے دو شخصوں کی طرح ہے جو لوہے کی دو زرہیں پہنے ہوئے ہوں جس کی (تنگی کی) وجہ سے ان کے دونوں ہاتھ ان کے سینے اور گردن سے چمٹ گئے ہوں۔ پس جب صدقہ دینے والا صدقہ دینا شروع کرتا ہے تو اس کی زرہ کھلتی چلی جاتی ہے (اور انبساط کے ساتھ اپنا ارادہ پورا کرتا ہے) اور جب بخیل کچھ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کے سب اجزاء مل جاتے ہیں اور ہر ہر جوڑ اپنی جگہ پکڑ لیتا ہے (جس کی بناء پر بخیل کے لئے صدقہ کے ارادہ کو پورا کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے)" (مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف)

ضروری اور واجبی جگہوں پر خرچ کرنے میں بخل کرنا قرآن کریم میں کافروں اور منافقوں کا عمل بتایا گیا ہے۔ بالخصوص زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہ نکالنا بدترین عذاب کا موجب ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: ''اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتلایا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا' سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔'' (سورۃ التوبہ:۳۴)

دنیا کی محبت کا ایک عبرتناک واقعہ

دور نبوی میں ایک شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اس کے لئے مالی وسعت کی دُعا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا ''اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم حق ادا نہ کر سکو۔'' اس نے پھر وہی درخواست دُہرائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے ثعلبہ! کیا تو اللہ کے نبی کی حالت کی طرح اپنانے پر راضی نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہوں کہ سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں تو وہ چلنے پر تیار ہو جائیں (مگر مجھے یہ پسند نہیں)

یہ سن کر ثعلبہ بولا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے! اگر آپ نے اللہ سے دُعا کر دی اور مجھے اللہ نے مال دیدیا تو میں ضرور ہر حق دار کو اسکا حق ادا کرونگا' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ ثَعْلَبَۃَ مَالاً۔ (اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرما)

چنانچہ ثعلبہ نے کچھ بکریاں پال لیں تو ان میں کیڑے مکوڑوں کی طرح زیادتی ہوئی تا آنکہ مدینہ کی رہائش اس کے لئے تنگ پڑ گئی۔ چنانچہ وہ آبادی سے ہٹ کر قریب کی ایک وادی میں مقیم ہو گیا۔ اور صرف دن کی دو نمازیں ظہر اور عصر مسجد نبوی میں پڑھتا تھا۔ بقیہ نمازوں میں نہیں آتا تھا۔ پھر بکریاں اور زیادہ بڑھ گئیں کہ وہ وادی بھی تنگ پڑنے لگی تو وہ اور دور چلا گیا

کہ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ آیا کرتا تھا۔ تا آنکہ یہ معمول بھی چھوٹ گیا۔ اب جو قافلے راستے سے گذرتے تھے ان سے مدینہ کے حالات معلوم کرنے ہی پر اکتفا کرتا تھا۔

اسی دوران ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ ''ثعلبہ کہاں ہے؟'' تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے بکریاں پالی تھیں وہ اتنی بڑھیں کہ اس کے لئے مدینہ میں رہنا مشکل ہو گیا چنانچہ وہ دور چلا گیا ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: یَا وَیْحَ ثَعْلَبَۃَ۔ (ہائے ثعلبہ کی تباہی) پھر جب صدقات وصول کرنے کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ جہینہ اور بنوسلیم کے دو آدمیوں کو ثعلبہ اور ایک سلمی شخص کا صدقہ وصول کرنے بھیجا وہ دونوں سفیر پہلے ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر پڑھ کر سنائی۔

وہ بولا: یہ تو جزیہ (ٹیکس) ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیا ہے؟ اور اب تم جاؤ دوسرے لوگوں سے نمٹ کر میرے پاس آنا۔ وہ دونوں اس کے بعد سلمی شخص کے پاس گئے۔ اس نے بطیب خاطر جو حق بنتا تھا وہ بہتر انداز میں عطا کیا پھر اور لوگوں سے صدقات وصول کر کے واپسی میں پھر وہ ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے اب بھی انہیں ٹیکس کہہ کر ٹال دیا اور کہا کہ جاؤ میں سوچوں گا۔ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ابھی روداد سنائی بھی نہ تھی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثعلبہ کے بارے میں یا ویح ثعلبہ (ثعلبہ پر افسوس ہے) فرمایا اور سلمی شخص کے لئے برکت کی دعا فرمائی چونکہ ثعلبہ نے صدقہ سے انکار کر کے اپنے اس وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی جو اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کیا تھا کہ میں مال کا حق ادا کروں گا۔ اس لئے اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

''اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہوں گے نیکی والوں میں۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا۔ اور پھر گئے ٹلا کر۔ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ' کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور

ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو۔" (التوبہ آیت: ۷۸)

جب یہ خبر ثعلبہ کو پہنچی تو وہ اپنا صدقہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اسے قبول کرنے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے' تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈال کر اظہار افسوس کرنے لگا' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرے عمل بد کی نحوست ہے' تو نے میری بات کیوں نہیں مانی؟ یہ سن کر وہ واپس چلا گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنا مال پیش کیا مگر ان سب حضرات نے یہ کہہ کر اس کا مال لینے سے انکار کر دیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں کیا تو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دیکھئے! مال کی محبت' حرص اور بخل نے اس شخص کو کیسا راندۂ درگاہ بنا دیا۔ اس لئے لازم ہے کہ جب کوئی شرعی مالی حق اپنے ذمہ میں واجب ہو جائے تو نہایت خوش دلی سے اسے ادا کیا جائے۔ اگر اس میں بخل ہوگا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس کا دل ایک مہلک روحانی بیماری میں مبتلا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بخل کرنے والوں کیلئے بھیانک سزا

اس دور میں زکوٰۃ کو ایک بڑا بوجھ سمجھا جانے لگا ہے۔ اسراف اور فضول خرچی تو عام ہے۔ ایک ایک تقریب پر لاکھوں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیئے جاتے ہیں لیکن حساب لگا کر زکوٰۃ نکالنا طبیعت پر بڑا شاق اور گراں گزرتا ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی مدرسہ کا سفیر یا مستحق فقیر کسی مالدار شخص کے دروازے پر پہنچ جائے تو اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ موڈ خراب ہو جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جلد سے جلد یہ سائل اس کے سامنے سے ہٹ جائے۔ کئی چکر کٹوانے کے بعد اگر کچھ زکوٰۃ کے نام پر رقم دی بھی جاتی ہے تو انداز ایسا ہوتا ہے گویا اس پر بڑا احسان کیا جا رہا ہو۔ یہ سب تنگ ظرفی اور آخرت سے غفلت کی علامتیں ہیں۔ اگر ایسے حضرات زکوٰۃ کے بارے میں شریعت کے تاکیدی احکام اور زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں رونگٹے کھڑے کر دینے والی وعیدیں پیش نظر رکھیں۔ (اور بہت سے خوش نصیب حضرات اس کا خیال رکھتے بھی ہیں) تو وہ نہ زکوٰۃ دینے سے جی چرائیں گے اور نہ زکوٰۃ لینے

والوں کو برا سمجھیں گے۔ اس وقت وعیدوں سے متعلق چند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی سونے اور چاندی کا مالک اس کا حق ادا نہ کرے گا (یعنی زکوۃ نہ دے گا) مگر یہ کہ قیامت کے دن اس کے لئے آگ کے پترے تیار کیے جائیں گے جنہیں جہنم کی آگ میں تپا کر اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب ایک پتر تپایا جائے گا تو اس کی جگہ دوبارہ لایا جائے گا ایسے دن میں جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال ہوگی (اور یہ عمل اس کے ساتھ برابر جاری رہے گا) یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلے کی کارروائی پوری ہو، پھر اسے معلوم ہوگا کہ اس کا ٹھکانا جنت ہے یا جہنم'' (رواہ مسلم)

یہ روایت طویل ہے اس میں آگے یہ ذکر ہے کہ اگر وہ اپنے مملوکہ مویشیوں اونٹ، گائے یا بکری کی زکوۃ نہ نکالے گا تو یہ جانور بڑے سے بڑے ہونے کی حالت میں اپنے مالک کو اپنے سینگوں، پیروں اور کھروں سے روند ڈالیں گے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال و دولت سے نوازے پھر وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو وہ مال اس کے سامنے قیامت کے دن ایک گنجے ناگ کی شکل میں لایا جائے گا۔ جس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو اس سانپ کے شدید زہریلے ہونے کی نشانی ہے) یہ سانپ اس مالدار کے گلے میں قیامت کے روز طوق بن جائے گا۔ پھر اس کا جبڑا پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔'' (رواہ البخاری)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ. الخ.

ترجمہ: اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ بہت بُرا ہے ان کے حق میں، طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال، جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کوئی بھی دن جس میں اللہ کے بندے صبح کرتے ہیں ایسا نہیں گذرتا کہ اس میں آسمان سے دو فرشتے نازل نہ ہوتے ہوں۔ ان میں سے ایک یہ دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ (نیک کام میں) خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ یہ دُعا کرتا ہے اے اللہ کنجوسی کرنے والے کو مالی نقصان سے دوچار فرما۔'' (بخاری شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالی حق ادا کرنے سے روگردانی خود مالی اعتبار سے بھی مفید نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر جی خوش ہو جائے گا کہ ہم نے اتنا مال بچالیا۔ مگر فرشتے کی مقبول بددُعا کے اثر سے جب مال کی بربادی لازم آئے گی تو یہ ساری خوشی سیکنڈوں میں کافور ہو جائے گی۔ یاد رکھیے مال کی حفاظت اور ترقی زکوٰۃ وصدقات کے روکنے میں نہیں بلکہ اس کی ادائیگی میں ہے جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ خرچ کرنے والے کے حق میں فرشتے تلافی کی دعا کرتے ہیں اور تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ حساب لگا کر ادا کردی جاتی ہے وہ مال آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے بھی واقعات ہیں کہ مال چوری ہو گیا۔ مگر پھر حیرت انگیز طریقے پر بلا کم وکاست دوبارہ دستیاب ہو گیا۔

ایک تاجر جو ماشاء اللہ پورے اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کی فرم سے کئی لاکھ روپے نقد چوری ہو گئے۔ بظاہر نقد روپیہ ملنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ انہیں منٹوں میں کہیں سے کہیں بھی پہنچایا جاسکتا ہے لیکن دو چار روز کے اندر ہی ان کی پوری رقم بحفاظت برآمد ہوگئی۔ یہ زکوٰۃ نکالنے کی برکت نہیں تو اور کیا ہے؟

الغرض مالی حقوق کی انجام دہی میں بخل سے کام لینا ایک بدترین روحانی مرض ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں: ''سخی شخص لوگوں کا سردار بن گیا اور بخیل شخص ذلیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں فقیروں کی روٹی مقرر کی ہے۔ کسی مالدار کی کنجوسی کے سبب ہی سے دنیا میں کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بارے میں مالداروں سے پوچھ گچھ کرے گا۔'' (الترغیب والترہیب للیافعی)

لہٰذا ہمیں اپنے اندر سے بخل اور کنجوسی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور سخاوت کی مبارک صفت سے متصف ہو کر دنیا اور آخرت کی برکتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

دنیا سے بچنے کی تاکید کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں نے ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھایا ہے تو مجھ سے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا کیا تم یہ چاہتی ہو کہ صرف پیٹ بھرنا ہی تمہارا مشغلہ ہو؟ ایک دن میں دو مرتبہ کھانا اسراف ہے اور اسراف والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں اس دنیا میں بس پیٹ بھرنے ہی کی فکر ہے؟ اور کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔ ایک دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ کھانا اسراف ہے اور اسراف والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتے۔ (اخرجہ البیہقی کذا فی الترغیب)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیوں رو رہی ہو؟ اگر تم مجھ سے (جنت میں) ملنا چاہتی ہو تو تمہیں دنیا کا اتنا سامان کافی ہونا چاہئے جتنا سوار کا زادِ سفر ہوتا ہے اور مالداروں سے میل جول نہ رکھنا۔ (عند ابن الاعرابی کذا فی الکنز)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن چربی والے گوشت کا ثرید کھایا پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مجھے ڈکار آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو جحیفہ! ہمارے سامنے ڈکار نہ لو کیونکہ جو دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھائیں گے انہیں قیامت کے دن زیادہ بھوک برداشت کرنی پڑے گی۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے آخری دم تک پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ جب دوپہر کو کھانا کھا لیتے تھے تو رات کو نہ کھاتے اور جب رات کو کھا لیتے تو دن کو نہ کھاتے۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت جعدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے پیٹ والا آدمی دیکھا تو آپ نے اس کے پیٹ میں انگلی مار کر فرمایا کہ اگر یہ کھانا اس پیٹ کے علاوہ کسی اور

(فقیر یا ضرورت مند) کے پیٹ میں ہوتا تو تمہارے لئے بہتر تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خواب دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیج کر اسے بلایا۔ چنانچہ اس نے حاضر خدمت ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سارا خواب سنایا۔ اس آدمی کا پیٹ بڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیٹ میں انگلی مار کر فرمایا اگر یہ کھانا اس پیٹ کے علاوہ کسی اور کے پیٹ میں ہوتا تو تمہارے لئے زیادہ بہتر تھا۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھا تو ان سے پوچھا یہ درہم کیا ہے؟ حضرت جابر نے کہا میں اس کا اپنے گھر والوں کے لئے گوشت خریدنا چاہتا ہوں ان کا گوشت کو بہت دل چاہ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا جس چیز کو تم لوگوں کا دل چاہے گا اسے تم ضرور خرید لو گے؟ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ والی آیت تم لوگوں سے کہاں چلی گئی۔ (اخرجہ سعید بن منصور)

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ کے سامنے گوشت رکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میرا گوشت کھانے کو دل چاہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا جس چیز کو دل چاہے گا کیا تم اسے ضرور کھاؤ گے؟ آدمی کے فضول خرچ ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا جس چیز کو دل چاہے وہ اسے ضرور کھائے۔ (اخرجہ عبدالرزاق واحمد فی الزہد)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک کوڑی کے پاس سے گزرے تو اس کے پاس رک گئے جب آپ نے محسوس کیا کہ آپ کے ساتھیوں کو اس کی گندگی سے ناگواری ہو رہی ہے تو فرمایا یہ ہے تمہاری وہ دنیا جس کا تم لالچ کرتے ہو یا فرمایا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت سلمہ بن کلثومؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق میں ایک اونچی عمارت بنائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اس کی اطلاع ملی تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا اے عویمر بن اُم عویمر! کیا تمہیں روم و فارس کی عمارتیں کافی نہیں ہیں کہ تم اور نئی عمارتیں بنانے لگ گئے ہو؟ اور اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابہ رضی اللہ عنہم (ہر کام سوچ سمجھ کر کیا کرو کیونکہ) تم دوسروں کے لئے نمونہ ہو (لوگ تمہیں جیسا کرتے ہوئے دیکھیں گے ویسا ہی کرنے لگ جائیں گے)۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حضرت راشد بن سعدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حمص میں دروازے پر ایک چھجہ بنایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ خط لکھا اے عویمر! روم والوں نے جو تعمیرات کی ہیں کیا وہ دنیا کی زیب و زینت کے لئے تمہیں کافی نہیں تھیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو دنیا کو اجاڑنے یعنی سادگی کا حکم دے رکھا ہے۔ (کنز العمال)

حضرت عبداللہ رومیؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ام طلق رضی اللہ عنہا کے گھر ان کی خدمت میں گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے گھر کی چھت نیچی ہے۔ میں نے کہا اے ام طلق! آپ کے گھر کی چھت بہت ہی نیچی ہے۔ انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو یہ خط لکھا کہ تم اپنی عمارتیں اونچی نہ بناؤ کیونکہ تمہارا سب سے برا دن وہ ہوگا جس دن تم لوگ اونچی عمارتیں بناؤ گے۔ (اخرجہ ابن سعد و البخاری)

حضرت سالم بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میرے والد کے زمانہ میں میری شادی ہوئی میرے والد نے لوگوں کو (کھانے کے لئے) بلایا اور ان میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا تھا۔ گھر والوں نے کمرے کی دیواروں پر سبز پردے لٹکا دیئے۔ حضرت ابوایوب تشریف لائے۔ انہوں نے اپنا سر جھکایا اور (غور سے) دیکھا تو کمرے پر پردے لٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے (میرے والد سے) فرمایا اے عبداللہ! تم لوگ دیواروں پر پردے لٹکاتے ہو؟ میرے والد نے شرمندہ ہو کر کہا اے ابوایوب! عورتیں ہم پر غالب آگئیں۔ حضرت ابوایوب نے فرمایا دوسروں کے بارے میں تو مجھے ڈر تھا کہ ان پر عورتیں غالب آجائیں گی لیکن تمہارے بارے میں مجھ یہ ڈر بالکل نہیں تھا کہ تم پر بھی غالب آجائیں گی۔ نہ میں تمہارے گھر میں داخل ہوں گا اور نہ تمہارا کھانا کھاؤں گا۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی کنز العمال)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے مرض الوفات میں گیا اور انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا سامنے سے آرہی ہے اگرچہ ابھی تک آئی نہیں ہے لیکن وہ بس آنے ہی والی ہے اور آپ لوگ

ریشم کے پردے اور دیباج کے تکیے بناؤ گے اور آذربائیجان کے بنے ہوئے اونی بستروں (جو کہ عمدہ شمار ہوتے ہیں) پر ایسے تکلیف محسوس کرو گے جیسے گویا کہ تم سعدان (بوٹی) کے کانٹوں پر ہو۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی ایک کو آگے کر کے بغیر جرم کے اس کی گردن کو اڑا دیا جائے یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ دنیا کی گہرائیوں میں تیر تا رہے۔ (عند ابی نعیم فی الحلیۃ)

حضرت علی بن رباحؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم لوگ اس چیز میں رغبت کرنے لگے ہو جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے رغبتی کیا کرتے تھے۔ تم دنیا میں رغبت کرنے لگ گئے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے رغبتی کیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! ان کی زندگی کی جو رات بھی ان پر آتی تھی اس میں ان پر قرضہ ان کے مال سے ہمیشہ زیادہ ہوا کرتا تھا۔ یہ سن کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرض لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (اخرجہ احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک نئی قمیص پہنی۔ میں اسے دیکھ کر خوش ہونے لگی وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا دیکھ رہی ہو؟ اس وقت اللہ تمہیں (نظر رحمت سے) نہیں دیکھ رہے ہیں میں نے کہا یہ کیوں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جب دنیا کی زینت کی وجہ سے بندہ میں عجب (خود کو اچھا سمجھنا) پیدا ہو جاتا ہے تو جب تک وہ بندہ وہ زینت چھوڑ نہیں دیتا اس وقت تک اس کا رب اس سے ناراض رہتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے وہ قمیص اتار کر اسی وقت صدقہ کر دی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شاید یہ صدقہ تمہارے اس عجب کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت حبیب بن حمزہؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو وہ جوان کنکھیوں سے ایک تکیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کا بیٹا کنکھیوں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ جب لوگوں نے ان کے بیٹے کو اس تکیہ سے اٹھایا تو اس تکیہ کے نیچے پانچ یا چھ دینار ملے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا اور وہ بار بار اِنَّا لِلّٰہ

وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن پڑھتے رہے اور فرمایا میرے خیال میں تو تمہاری کھال ان دیناروں کی سزا برداشت نہیں کر سکتی (کہ تم نے ان کو جمع کر کے رکھا اور خرچ نہ کیا)۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہ بن ابی ہذیلؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بنایا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا آؤ جو گھر میں نے بنایا ہے وہ دیکھ لو۔ چنانچہ حضرت عمار ان کے ساتھ گئے اور گھر کو دیکھ کر کہنے لگے آپ نے بڑا مضبوط گھر بنایا ہے اور بڑی لمبی اور دور کی امیدیں لگائی ہیں حالانکہ آپ جلدی ہی دنیا سے چلے جائیں گے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ کی دعوت دی گئی (وہ اس میں تشریف لے گئے) اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہاں انہوں نے رنگ برنگے کھانے دیکھے تو فرمایا کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دوپہر کو کھانا کھا لیا کرتے تھے تو رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب رات کو کھا لیا کرتے تھے تو دوپہر کو نہیں کھاتے تھے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے باپ' بیٹوں' بھائیوں' بیویوں' خاندانوں' مالوں' تجارتوں اور گھروں کے بارے میں کس طرح اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی جذبات بالکل ختم کر دیے تھے اور کس طرح اللہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر اس مسلمان کی محبت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا جسے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حاصل تھی اور انہوں نے کس طرح ہر اس انسان کا خوب اکرام کیا جسے نسبت محمدی حاصل ہو گئی تھی۔

مال کی تقسیم کا شرعی نظام

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

معاشرہ میں باہمی منافرت کی ایک سب سے مؤثر اور مہلک جز مالی فرقہ واریت ہے یعنی مال کی تقسیم ایسے غلط انداز سے ہو کہ طبقاتی توازن اور موزوں مساوات قائم نہ رہے۔ ایک طبقہ بے حد مال دار اور ایک بے حد نادار ہو جائے۔ اس سے مالی اونچ نیچ پیدا ہو کر طبقاتی کش مکش شروع ہو جائے۔ اس میں دو جانبیں نکلتی ہیں۔ ایک افراط کی کہ ایک طبقہ سرمایہ دار ہو اور دوسرا نادار اور محض مزدور ہو۔ جس کی عرق ریزی سے مال دار طبقہ عیش کرتا رہے۔ اس میں طبقاتی منافرت ناگزیر ہے۔ جسے مالی فرقہ داریت کہنا چاہئے۔ اس کی ایک جانب تفریط ہے کہ اس کش مکش کو مٹانے کے لئے کلی مساوات قائم کر دی جائے اور قانون کو قوت سے نافذ کر دیا جائے یعنی سرمایہ دار سے سارا سرمایہ چھین کر ملک کے خزانے کو دے دیا جائے اور اس سے سب کو برابر تقسیم کر دیا جائے۔ اس سے بھی کش مکش رفع نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ انسانوں میں کسب مال کی استعدادیں متفاوت ہیں، ان کا طبعی تقاضا تھا کہ جیسا ان میں تفاوت ہے ویسا ہی ان کے ثمرات و نتائج میں یہی فرق رہے کہ ایک کے پاس اس کی محنت کا ثمرہ زیادہ ہو، بوجہ قوت استعداد و عمل۔ اور ایک کے پاس کم ہو بوجہ قلت استعداد و ضعف عمل۔ پھر بھی اگر زبردستی، برابری اور معاشی مساوات قائم کر دی جائے گی تو اول تو سرمایہ دار کے دل میں غیظ پیدا ہوگا کہ کمائی میری اور معمولی محنت کی اور اس میں زبردستی حصہ دار وہ ہیں۔ جن میں اکتساب مال کی صلاحیت ہی نہیں۔ اور نادار اس حصے کو انتقامی جذبات کے تحت شفائے غیظ کے ساتھ قبول کرے گا کہ بہت عرصے کے بعد اس سرمایہ دار پر آج قابو پایا ہے، اس نے بہت دن عیش کی ہے، آج ہم کریں گے۔ اس سے سرمایہ دار میں چڑ اور رقابت مزید برآں ہوگی۔ اور سرمایہ دار کے غیظ اور نادار کے زہر خند کا نتیجہ پھر وہی جذباتی

کش مکش کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس کے ساتھ دوسری مضرت یہ ہوگی کہ سرمایہ دار کے قوائے اکتساب مضمحل اور سست ہو جائیں گے۔ جب وہ دیکھے گا کہ میں اپنی معنوی قوتوں سے خود متمتع نہیں ہو سکتا، محنت میں کروں گا اور نفع دوسرے اٹھائیں گے تو ایسی مصیبت بھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہی قوائے عمل کا اضمحلال ہے جو پورے طبقے میں سرایت کر کے اسے کمزور بنا دے گا اور اس کا نقصان ملک کو پہنچے گا۔ ادھر نادار طبقے کو جب کم سے کم محنت پر اتنا ہی مل جائے گا جتنا کہ پوری محنت پر ملتا تھا تو اس میں تعطل عمل کے جراثیم سرایت کریں گے۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری قوم تعطل، بے عملی، باہمی غیظ اور عدم توازن کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے یہ فرقہ واریت نہ معاشی اونچ نیچ سے جا سکتی ہے نہ معاشی مساوات سے۔ بلکہ معاشی توازن سے جو کسی حد تک قانون کی قوت پر قائم ہو اور کسی حد تک اخلاق کی طاقت پر۔ یعنی قانون سے توازن قائم کیا جائے اور اخلاق سے مساوات پیدا کی جائے۔

یہ مال خدا کا ہے

اسلام نے فطری طور پر اس مسئلے کو حل کر دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے بتلایا کہ یہ مال تمہارا ہے ہی نہیں، خدا کا ہے۔ جتنا چاہے تمہیں دے اور جتنا چاہے روک لے۔ سو جتنا ملے اس پر شکر کرو اور جتنا نہ ملے اس پر صبر کرو اور خوش دلی سے قضائے الٰہی پر راضی اور مطمئن رہو۔ اس سے قدرتاً مالدار کے دل میں غرور و فخر نہیں آ سکتا اور نادار کے دل میں جزع، فزع اور شکوہ نہیں آ سکتا۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ۔ (سورۃ حدید: ۲۳)

''تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو۔ اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے۔ اس پر اتراؤ نہیں''۔

جذباتی کشمکش کا خاتمہ

پس جب انسانی ملک کا تصور ہی قائم نہ رہا تو فخر و تعصب اور رقابت و تحقیر کے جذبات تو یہیں سے ختم ہو جاتے ہیں اور اخلاقی کشمکش باقی نہیں رہتی۔ اب آگے تقسیم کا سوال رہ جاتا ہے، سو جب کہ وہ فرمودۂ خداوندی کے مطابق ہو تو تسلی یہ ہو جاتی ہے کہ اس میں بے انصافی یا جانب

داری کا تو کوئی احتمال یا شبہ تک ہی نہیں ہوسکتا جو دینے یا لینے والے کے دل میں شکوک پیدا کرے۔اس لئے دینے اور لینے والا تقسیم کنندہ (دہندہ) اور تقسیم قبول کنندہ دونوں اطمینان قلب اور بغیر کسی ادنیٰ بے اعتمادی کے دیں اور لیں گے۔اس سے جذباتی کشمکش کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد تقسیم کا پروگرام آتا ہے،سواس میں مالک حقیقی نے کتنی ہی اشیاء میں تو شخصی ملک ہی قائم نہیں کی جس میں کشمکش ہوتی تھی۔ جیسے سمندر اور سمندری ذخیرے آزاد، پہاڑی لکڑی اور ہر نوع کا شکار آزاد، کوہستانی معدنیات آزاد، نمک سازی آزاد، شہر کے متصل افتادہ زمینیں آزاد جن میں مویشی چرائے جائیں وغیرہ، آج کی جنگیں سمندروں کے کناروں پر اٹھتی ہیں اور تری وخشکی میں فساد پھیلتا چلا جاتا ہے۔جس سے جانیں تلف ہوتی ہیں۔سوان میں شخصی ملکیت ہی باقی نہیں رکھی گئی۔

اکتساب مال سے خرچ کا حکم

پھر جہاں تک شخصی ملکیت قائم کی جیسے آزاد تجارت سے اکتساب مال،سواس کے بارے میں ناداروں پر خرچ کا حکم دیا گیا۔مگر بایں الفاظ:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ۔ (سورۃ منافقون: ۱۰)

''خرچ کرلوان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔''

اس لئے خرچ کرنے میں کوئی تنگی یا ضیق نہیں ہوسکتی۔

خرچ کا حکم دینے میں محنت کا لحاظ رکھا گیا

پھر اس میں طبائع کی رعایت رکھ کر قوانین پیش کئے گئے،جس مال کے کسب میں محنت زیادہ ہے اس میں دوسرے کا حکم کم کر دیا گیا ہے کہ طبعاً اس کے تقسیم کرنے میں دل پر بوجھ ہوتا ہے اور جس مال کے حصول میں بندے پر محنت کم ہے اسی میں غربا کا حق بڑھا دیا ہے تاکہ دینے میں گھٹن نہ ہو اور خوش دلی سے مال تقسیم کیا جائے۔سب سے زیادہ محنت تجارت میں ہے کہ تاجر کا دماغ چوبیس گھنٹے تجارت کے جوڑ توڑ میں لگا رہتا ہے،اس لئے اس میں سالانہ محصول زکوۃ چالیسواں حصہ رکھا گیا یعنی سو پر ڈھائی روپیہ، جو کم اور کم سے کم ہے۔اس سے کم محنت زراعت

میں ہے کہ کھیتی پر کسان کی تین چار ماہ کی محنت ہوتی ہے یعنی آب پاشی وغیرہ اور پھر وہ صلہ لے کر گھر آ جاتا ہے اور سال بھر کھاتا ہے۔ اس لئے اس پر محصول بڑھا دیا گیا اور بیسواں حصہ غربا کا حق رکھ دیا گیا۔ یعنی سو پر پانچ روپیہ۔ اور اگر زمین بارانی ہے اور آب پاشی کی محنت بھی نہ پڑی صرف تخم ریزی اور دو تین ماہ کی دیکھ بھال پر معاملہ ختم ہو گیا تو شرعی محصول اور زیادہ کر کے عشر (دسواں حصہ) رکھ دیا گیا ہے یعنی سو پر دس۔ اگر بلا محنت و مشقت دفینہ ہاتھ لگ گیا تو محصول اور زیادہ بڑھا کر خمس (پانچواں حصہ) کر دیا گیا ہے یعنی سو پر بیس۔ پھر اسی طرح مویشیوں میں زکوٰۃ رکھی گئی اور بواسطہ بیت المال غربا کا حق قائم کیا گیا۔ مثلاً اونٹوں میں جو دو دو سال کے پورے ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھیں اور پانچ کی تعداد میں ہوں تو ان پر ایک بکری لی جائے گی۔ گایوں کی تعداد تیس تک ہو جائے تو ان میں سال بھر سے زیادہ کا ایک بچہ گاؤ لیا جائے گا۔ بکریاں چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک بکری لی جائے گی۔ گھوڑوں میں فی گھوڑا ایک دینار سالانہ ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو روپیہ پر پانچ روپیہ زکوٰۃ لی جائے گی۔ بہر حال نقد ہو یا سامان تجارت ہو یا مویشی ہوں یا زمین سے حاصل شدہ غلہ ہو ان میں زکوٰۃ یعنی قانونی محصول رکھا گیا۔ پس اگر کسی کے پاس مثلاً ایک لاکھ روپیہ سرمایہ ہے تو سال گزر جانے پر اس کا چالیسواں حصہ یعنی دو ہزار چار سو اسی (۲۴۸۰) روپیہ اس سے غرباء کے لئے قانوناً وصول کر لیا جائے گا۔

پھر صدقۃ الفطر واجب کر دیا گیا کہ ہر گھر میں سے فی کس تقریباً پونے دو سیر کی مقدار میں گیہوں یا اس کی قیمت لگائی جائے۔ گویا اگر ایک گھر میں دس آدمی صاحب نصاب اور غنی ہیں تو ان میں تقریباً ۱۷ سیر غلہ یا اس کی قیمت جو فی زمانہ تقریباً تیرہ چودہ روپیہ (یہ تحریر ۱۹۵۱ء کی ہے۔ ۲۰۰۵ء میں فی کس تقریباً تیس روپے بنتی ہے۔ غرباء کے لئے دینی لازمی ہوگی۔ اگر ایک شہر میں ایسے دو سو گھر ہوں تو دو ڈھائی ہزار روپیہ کے قریب ان میں سے ایک دن میں غرباء کے لئے بطور حق واجب نکالا جائے گا۔ پھر قربانی بھی اختیار پر واجب کی گئی ہے اور اس میں پھر عزیزوں ناداروں اور غرباء کا حق رکھ دیا گیا ہے۔

اخلاقی حقوق ادا کرنے سے سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے

پھر اخلاقی حقوق اس کے علاوہ نہیں کہ

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ. (سورۃ قصص. ۷۷)

''اور جس طرح خدائے تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر۔''

احسان، صلۂ رحمی اور حسن سلوک کی اتنی ترغیبیں دی گئیں کہ اگر وہ دل میں رچ جائیں اور ایک مسلمان کے دل میں کم وبیش رچی ہوئی ہوتی ہی ہیں تو وہ خود غریب بن جائے گا اور غرباء کو امیر بنا دے گا۔ اور اس میں طبعاً سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہوگا۔ جیسا کہ یہ سخاوت مسلمانوں کی ایک روایتی چیز ہے۔

امیر وغریب میں اخلاقی رابطہ

پھر اوپر سے اخلاقی ہدایات ونصائح اور دنیا وعیش دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی حقیقت سمجھا کر مال کی محبت دلوں سے نکال دی گئی، جس کے ہوتے ہوئے سونا چاندی اور کنکر پتھر میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور آدمی بے دریغ خرچ کرنے میں جری اور جمع کرنے میں محتاط ہو جاتا ہے اور اس سب کے بعد آخر میں قانون وراثت رکھ دیا ہے جس سے کسی کا مال و جائیداد وغیرہ ایک گھر میں باقی ہی نہیں رہ سکتا۔ جس سے واضح ہے کہ اسلام نے مالیات کو جمع کے اصول پر نہیں...... تقسیم کے اصول پر قائم کیا ہے پس جس مسلک میں مالیاتی سلسلہ قائم ہی تقسیم کے اصول پر ہو اور جمع کو اس میں مذموم رکھا گیا ہو اور اوپر سے اس میں اجر وثواب کے وعدے اور رضائے الٰہی کی بشارتیں بھی دی گئی ہوں تو وہ مال نہ صرف تقسیم ہی ہوگا بلکہ دل کی انتہائی بشاشت اور امنگ سے غربا کو دیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ غربا اسے نہایت ہی منت پذیری اور احسان مندی سے قبول کریں گے۔ جس سے ایک طرف تو تقریباً مالی مساوات قائم ہو جائے گی اور دوسری طرف امیر وغریب میں اخلاقی رابطہ اور محبت ومودت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ مال دار طبقہ تو تقسیم کر کے یوں خوش ہے کہ میری دنیا بھی درست ہوگئی اور آخرت بھی بن گئی نیز عطا کی فرحت وبشاشت اس کے دل میں ہوگی۔ احسان کرنے کی مسرت سے دل لبریز ہوگا۔

اور نادار طبقہ لے کر یوں مسرور ہوگا کہ ہم لاوارث اور بیکس نہیں ہیں۔ یہ امراء ہمارے سرپرست، ہمارے محسن اور بہ مرتبہ ماں باپ ہیں جو کسی حالت میں ہمیں فراموش نہیں کرتے۔ زمین سے غلہ آنے پر ہمیں یاد کرتے ہیں تجارت کے منافع اور راس المال میں سالانہ ہمیں یاد کرتے ہیں۔ مویشی آجائیں تب ہمیں یاد کرتے ہیں، عید فطر اور اضحیٰ آجائے

تب ہمیں نہیں بھولتے، خزانہ مل جائے تب ہمیں فراموش نہیں کرتے اور یوں عموماً احسان و سلوک میں کسی وقت ہمیں نہیں بھولتے تو ان سے زیادہ ہمارا خبر گیر اور کون ہوسکتا ہے؟ اس لئے اس اسلامی اصول پر امیر تو غریب کا محسن ہوگا اور غریب امیر کا خادم۔ وہ شفیق اور یہ مطیع۔ اور اس طرح قوم کے ان دو بنیادی طبقوں میں مالی، اخلاقی، قانونی، معاشرتی اور معاشی توازن قائم ہوجائے گا۔ جس میں اول تو نتیجتاً معاشی مساوات ہوجائے گی اور تفاوت رہے گا بھی تو وہ ایسا ہوگا کہ غریب ہزار جان سے یہ چاہے گا کہ اس مال دار کے مال میں اور برکت و اضافہ ہو کہ ہمارا حصہ اور بڑھ جائے۔ گویا مزدور اور غریب چاہے گا ہی نہیں کہ وہ اور مال دار برابر ہوجائیں۔ پس یا مساوات پیدا ہوجاتی ہے یا متفاوت توازن پیدا ہوجاتا ہے، جس میں اخلاقیت کا پاکیزہ رنگ آکر طبقاتی ربط قائم ہوجاتا ہے اور طبقاتی کشاکش ختم ہوجاتی ہے۔

اسلامی دور میں طبقاتی کش مکش نہیں تھی

چنانچہ اس کش مکش کے دور سے قبل وہ اسلامی دور جس میں مسلمانوں نے اپنے ان فطری اصولوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا...... اس کا شاہد عدل ہے کہ یہ کش مکش تخیلات میں بھی موجود نہ تھی۔ اور سرمایہ دار اور مزدور کا سوال ہی درپیش نہ تھا۔ ہر ایک سرمایہ دار تھا اور ہر ایک مزدور بھی تھا۔ ان اصول کے تحت سرمایہ داری کا وجود ہی قائم نہ ہوتا تھا کہ مزدور کا سوال اٹھے۔ اور اگر وجود ہوتا تھا تو مزدور سے زیادہ اس سرمایہ داری سے کوئی خوش نہ تھا کہ وہ مزدور اور ناداری کی تربیت کے لئے سمجھی جاتی تھی۔ کیوں کہ اسلام نے مالیات کے سلسلے میں دونوں جانبوں کو ایک ایسی معتدل اور موزوں سطح پر قائم کر دیا تھا کہ معاملے کے دونوں فریق اپنے اپنے دائرے میں خوش اور مطمئن تھے جس سے مالیات میں طبقاتی کش مکش فرقہ واریت اور فرقوں کی اونچ نیچ کی بنیادیں ہی منہدم ہوگئی تھیں۔ اس لئے دنیا جب بھی اقتصادیات کے صحیح حل پر آئے گی تو وہ بلاشبہ اسلام ہی کا اقتصادی نظام ہوگا اور وہ ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ (اسلام میں فرقہ واریت کی مذمت)

کسب معاش اور خرچ کے بارہ میں

اسلامی وعقلی تجزیہ

معاشی زندگی کے دو اصل مسئلے

عظیم سکالر پروفیسر حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ (جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) لکھتے ہیں۔ معاشی زندگی کے بنیادی مسائل اصل میں دو ہی ہیں۔ (۱) دولت کا حصول اور (۲) اس کا استعمال۔

اور معاشیات کا یہی عام تصور وتعریف ہماری بحث کی اساس ہوگی کہ وہ نام ہے دولت کے حاصل اور اس کے استعمال کرنے کے انسانی مشاغل یا سرگرمیوں کا۔ (اکنامکس کی یہی سیدھی سادھی تعریف انسائیکلو پیڈیا برٹانکا میں بھی کی گئی ہے۱۲۔) دولت کا لفظ تو اس مفہوم میں اردو میں چل گیا ہے ورنہ عربی میں اور کتاب وسنت یا شریعت کی اصل اصطلاح مال ہے، اور مال کے حصول واستعمال کو کسب وانفاق سے تعبیر کیا گیا ہے اس طرح اسلامی معاشیات کی بھی اہم واقدم بحث مال کا حصول یا کسب اور اس کا استعمال یا انفاق ٹھہرتی ہے۔

حیرت اور انکشاف عظیم

جب اسلام کی معاشی تعلیم کو سمجھنے کے لئے خود اسلام کی کتاب قرآن مجید، کا مطالعہ کیا تو اول نظر میں ششدر رہ گیا کہ مال کے نفس کسب وحصول کی تعلیم وترغیب کہنا چاہئے کہ ۳۰ پاروں والے قرآن کی ایک آیت میں بھی نہ ملی۔ لیکن جو کتاب معاشیات کی نہیں دراصل معادیات (آخرت) کی ہے جب اس پر نظر گئی تو الحمدللہ معادی ہی نہیں معاشی صلاح وفساد کے بھی سب سے بڑے سرچشمہ کا عظیم انکشاف ہوا۔

اسلام نے اپنی معادی یا دینی حیثیت میں انسان سے مال و معاش کے نفس کسب وطلب کا دراصل کوئی مطالبہ ہی نہیں کیا ہے، معاشی (انسان کی آبادی سے اربوں کھربوں زیادہ دوسری جاندار مخلوقات کا رازق نہ انسان ہے نہ اسکی معاشی منصوبہ بندیاں۔

کسب معاش کا صحیح مطلب

انسان کو معاش کے معاملہ میں اصلاً کسب معاش کا نہیں بلکہ معاش کو تمام تر معاد (آخرت) کے تابع رکھنے کا ذمہ دار اور جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے۔

حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ آدمی کو قیامت کے دن چار باتوں کا جواب دیئے بغیر بیٹھنے تک کی اجازت نہ ہوگی ان میں سے دو مال ہی کے متعلق ہوں گے کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا من این اکتسبه و فیما انفقه۔

اسی طرح مثلاً کسب الحلال فریضة بعد الفریضة۔ میں مقصود کسب حلال پر زور دینا ہے نہ کہ نفس کسب کی تعلیم وترغیب یا الکاسب حبیب اللہ۔ سے مراد بھی حلال ہی کا کسب کرنے والا ہے ورنہ اگر نفس کاسب یا کمانے والا مراد ہو تو بقول حکیم الامت مجدد تھانویؒ کے یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی ڈاکو کا نام کاسب رکھے اور اسکو الکاسب حبیب اللہ کا مصداق بنانے لگے۔ (علاج الحرج)

بات یہ ہے کہ طلب معاش یا کسب رزق آدمی کی دنیوی زندگی اور بقائے حیات کے لئے اس درجہ ناگزیر ہے کہ زمین پر قدم رکھتے ہی جس چیز کا سب سے زیادہ محتاج ہوتا ہے اور جس سے بے نیاز رہ کر ایک دن بھی بسر کرنا دشوار ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی صورت میں رزق و معاش کا کسب وحصول ہی ہے۔

بچہ جب تک خود کسب کے قابل نہیں ہوتا سارے جہانوں کے پالنے والے۔ رب العالمین۔ نے ماں باپ کے اندر ایسی زبردست پرورشی شفقت بھردی ہے کہ خود خالی پیٹ رہ کر بھی بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔

مال کمانے کی ترغیب کیوں نہیں دی گئی؟

رزق و مال کے کسب وحصول کی ضروری طلب ہی نہیں، اتنی حریصانہ تڑپ انسان کے

اندر خود اس کے خالق کی پرورشی حکمت یا ربوبیت نے رکھ دی ہے کہ اس سے غفلت اور بے پرواہی کا کسی حال میں کسی آن اندیشہ وامکان نہیں۔ خود فرمایا کہ وتحبون المال حبا جما۔ شاہ عبدالقادرؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ "تم پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر" مفردات راغب وغیرہ لغت کی کتابوں میں جماً کے معنی اتنے بھر جانے کے یا اتنی زیادتی کے دیئے ہیں کہ مزید کی گنجائش نہ رہے۔ یعنی انتہائی زیادتی وشدت، جس کا مطلب یہی ہوا کہ انسان میں پیدائشی طور پر مال ومعاش کی محبت اتنی پیدا کر دی گئی ہے کہ اب اس کی طلب وتحصیل کے لئے کسی مزید ترغیب کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ ضرورت لگام لگانے کی ہے ایڑ لگانے کی بالکل نہیں۔

ایک جگہ مال ودولت کے ساتھ اور بھی کئی ایسی چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی محبت وزینت انسان کی گھٹی میں ڈال دی گئی ہے کہ:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ۔ (آل عمران ع ۲)

ترجمہ:۔ لوگوں کے لئے عورتوں، بیٹوں اور ڈھیروں پر ڈھیر سونے اور چاندی کے، اور گھوڑوں، مویشیوں اور زراعت (وغیرہ) مرغوبات نفس کی محبت کو آراستہ وخوشنما بنا دیا گیا ہے"۔

ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی متنبہ فرما دیا گیا کہ ہیں یہ ساری چیزیں بہر حال صرف اسی پست یا دنیوی زندگی کا ساز وسامان ورنہ انجام کار یا آخرت کی اصلی وابدی بھلائی کا ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ پھر اس "حسن الماب" یا انجام کی خیر وفلاح کی ترغیبی تفصیل میں ارشاد ہے کہ:۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ (آل عمران)

ترجمہ:۔ کہو کہ تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو ان سب دنیوی سامانوں سے بہتر ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے (ان دنیوی چیزوں میں) پرہیز گاری یا تقویٰ سے کام لیا ان کے پروردگار کے ہاں آخرت میں ان کے لئے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاک وپاکیزہ بیویاں ہوں گی۔

اوران سب چیزوں سے بڑھ کر یہ کہ ان کو اپنے اصل انسانی مطلوب ومحبوب اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کی دولت نصیب ہوگی۔ ورضوان من اللہ۔

انسانی فطرت میں مال کی حرص کیوں؟

سورہ آل عمران میں ہے وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ''اللہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے''۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہی پوری طرح ان کی فطرت اور اس کے مطالبات کو جانتا ہے جن کی تکمیل اور تشفی کا حقیقی مقام جنت اور خدا کی خوشنودی ہے اس ضمن میں۔ ''للذین اتقوا'' سے ایک اور بڑی اہم حقیقت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ عورتوں، بیٹوں اور مال ودولت کی ہمارے اندر اگر اتنی شدید حریصانہ رغبت ومحبت نہ ہوتی تو یہ چیزیں ہمارے ابتلاء وامتحان کا ذریعہ بھی کیسے بن سکتیں اور اس طرح ان کی امتحانی راہوں میں معاش سے زیادہ ہماری اخروی تربیت وتکمیل کے جو گوناگوں مصالح ومجاہدات رکھے گئے ہیں وہی فوت ہوجاتے ان مجاہدات ہی کا نام قرآن کی اصطلاح میں تقوے کی زندگی ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اموال وازواج کی اس شدید خلقی وفطری رغبت کے باوجود ان کے استعمال میں تقوے سے کام لے کر '' حب الشھوات '' کے تقاضوں کو خدا کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ انجام وآخرت کی کامیابی اور خدا کی خوشنودی وبندہ پروری کے اصل حقدار وہی ہوں گے۔

انسانی حرص کی انتہاء

نفس مال ومعاش کی محبت وطلب انسان کی سرشت ہی میں اتنی شریک ہے کہ اس کے کسب وحصول کی ترغیب وتحسین کڑوے کریلے کو نیم چڑھانا ہوتا۔ حدیث میں اسی سرشت کو اسی تمثیل سے واضح فرمایا گیا کہ:۔

لو کان لا بن ادم وادیان من المال لا بتغیٰ ثالثاً ولا یملا جوفه الا التراب

ترجمہ:۔ ابن آدم کے پاس مال ودولت کی دو دو وادیاں بھری پڑی ہوں تو پھر بھی وہ تیسری کی فکر وطلب میں لگا رہے گا اور اس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہ بھر سکے گی۔

واقعی حریص کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے اور مرنے سے پہلے مال و متاع کی کوئی بڑی مقدار اس کو قانع نہیں بنا سکتی۔ بقول شیخ شیراز ؎

گفت چشم تنگ دنیادار را | یا قناعت پر کند یا خاک گور

انسانی حرص کو ابھارنے کی نہیں دبانے کی ضرورت ہے

جب ہمارے اندر خلقی و طبعی طور پر مال کی طمع و حرص کو اس طرح بھرپور محبوب و مزین کر دیا گیا ہے تو اب اس کے کسب و حصول میں کسی ایسی کوتاہی کا احتمال تو سرے سے خارج از بحث ہو جاتا ہے، جس سے ہماری معاشی حاجتوں یا مصلحتوں میں کوئی معتد بہ خلل و فتور پڑ سکے۔ بلکہ مال و معاش کے اس طبعی کسب و طلب کو مزید ترغیب و تحسین سے تیز و مہمیز کرنے کا نتیجہ اسی طرح گوناگوں معاشی مفاسد کی صورت میں نکل رہا ہے، جس طرح حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ یا شتی ہیجان و خواہش کے مزید شہوانی محرکات، سینما اور تھیٹر، ناول، ڈرامہ، رقص و سرود، فحش تصاویر، برہنہ و نیم برہنہ لباس اور بے پردہ یا مخلوط سوسائٹی وغیرہ کی بدولت آج صنفی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کا زور روز افزوں ہے، قدرت نے نسلی بقاء و تحفظ کے لئے خود ہی جنسی داعیہ کو اتنا قوی کر دیا ہے کہ اس میں کمی یا تفریط کا کوئی اندیشہ ہی نہیں اس لئے اب اس کو خارجی محرکات سے شہ دینے کی جگہ معاشرہ میں حجاب وغیرہ کی ایسی پابندیاں لگانے کی ضرورت ہے، جس سے اس کو حدود و اعتدال میں رکھا جا سکے نہ کہ الٹے بقائے نسل کے مقاصد ہی تہ و بالا ہونے لگیں۔

بعینہ یہی صورت مالی و معاشی معاملہ میں ہو رہی ہے، قدرت نے کسب معاش کا داعیہ انسان کے خمیر ہی میں اتنا زبردست رکھ دیا ہے کہ اعتدال پر رکھنے کے لئے ضرورت اس کو دبانے کی ہے نہ کہ اور ابھارنے کی۔

مگر ایک مفسد فی الارض یہودی ذہنیت نے اس زبردست فطری داعیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یہ فلسفہ بنا کر کھڑا کر دیا کہ "آدمی صرف پیٹ ہے اور پوری انسانی تاریخ، تہذیب و تمدن، مذہب و روحانیت، اخلاق و معاشرت، سب کا منشاء و مرجع معاش یا پیٹ کے سوا کچھ نہیں"۔

پھر کیا تھا! دیکھتے ہی دیکھتے یہ پیٹ کا فلسفہ معاش ہی نہیں ساری دنیا کا قومی اور بین الاقوامی

سیاسی وسماجی نعرہ بن گیا۔اب کسی طرف کان پڑی کوئی آواز اس کے سوا مشکل ہی سے سنائی پڑتی ہے کہ بس کسی نہ کسی طرح معاشی معیار بلند ہونا اور کرنا ہی زندگی کا واحد مسئلہ ہے کسی ملک کی کوئی حکومت اور کوئی سیاسی پارٹی اس دعوے و دعوت کا نعرہ لگائے بغیر قوم کو اپنا منہ نہیں دکھلا سکتی۔

مال کمانے کی حرص کو ابھارنے کا خمیازہ

ایک وزیر اعظم نے کانفرنس میں اپنے ملک کی معاشی زندگی کو بلند کرنے کے اس معیار کا اعلان فرمایا کہ:۔"ہر شخص کے پاس ایک مکان ہوگا، ایک موٹر ہوگی اور آٹھ سو ماہوار آمدنی"۔

کوئی نازک و دقیق نہیں بالکل واضح بات ہے کہ ایک طرف انسان کے دل و دماغ کو اس کی موجودہ نیک و بد زندگی کے کسی نیک و بد انجام و آخرت سے اس طرح بیگانہ و غافل کیا جا رہا ہو کہ بس جو کچھ ہے لے دے کر یہی بہت سے بہت کم و بیش ۷۰/۸۰ رسال کی زندگی کا لطف ولذت ہے اپنے لئے بھی، اپنے اہل وعیال کے لئے بھی اور قوم و ملک پوری انسانیت کیلئے بھی، انفرادی بھی، اجتماعی بھی۔

دوسری طرف حقیقت وواقعیت کی دنیا یہ ہے کہ سینکڑوں میں کیا ہزاروں میں بھی دو ایک سے زیادہ ایسے نہ ہوں گے جو دین کا ذکر نہیں خود ملک کے قانونی جائز ذرائع سے اپنے زندگی کے معیار کو موٹر کیا موٹر سائیکل تک بھی آسانی سے بلند کر سکتے ہوں ایسی صورت میں کوئی فرد یا شہری بھی آخر کس امید پر صبر وقناعت کرے اور جائز و ناجائز کی تمیز کے بغیر خود اپنے اور اپنے بال بچوں کے معیار کو مقدور بھر زیادہ سے زیادہ بلند کئے بغیر مرجانے پر کیوں راضی ہو۔

خود غرضی واقربا پروری، نفع بازی و ذخیرہ اندوزی، رشوت و خیانت جعل وفریب، چوری ڈاکے وغیرہ کی جو نت نئی بدعنوانیاں یا معاشی بدمعاشیاں روز بروز دنیا میں زور پکڑتی جاتی ہیں، ذرا نفسیاتی تحلیل وتجزیہ سے کام لیں تو شعوری طور پر ان کی تہہ میں غیر معادی معاشیات کی پھیلائی ہوئی معاشی بلند معیاری کے سودا ہی کارفرما نکلے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب یہ معاشی بدمعاشیاں پیشہ ور بدمعاشوں جاہلوں یا مجبور فاقہ کشوں میں محدود نہیں رہ گئی ہیں۔ خاصے کھاتے پیتے پڑھے لکھے، اعلیٰ تعلیم یافتہ، پشتینی شریفوں اور

شریف زادوں میں پھیلتی جارہی ہیں، ہر چھوٹا بڑا اپنے معاش کی موجودہ سطح سے غیر مطمئن اوراس کو بلند سے بلند معیار تک پہنچانے میں دیوانہ وار منہمک ہے۔

موجودہ واقعات کی یہ شہادت نہ ہوتو بھی معمولی سمجھ کی سیدھی سادھی بات ہے کہ جب آدمی کے سامنے اس کے حاضر وحال کا کوئی مستقبل ومآل نہ ہو جس سے اعمال وافعال کے نفع وضرر نیک وبد یا امید وبیم کا کوئی مستقل رشتہ قائم ہو۔ بہ الفاظ دیگر ایک طرف اس زندگی کا بُرا بھلا کوئی نتیجہ کسی دوسری زندگی میں نکلنے کا ایمان ویقین نہ ہو، دوسری طرف اس زندگی کا معیار بلند کرنے کی آواز ہر دیوار و دَر سے آرہی ہو ہر حکومت، ہر پارٹی، ہر لیڈر، ہر منسٹر، ہر اخبار، ہر پلیٹ فارم سے یہی سبق پڑھایا اور سنایا جا رہا ہو کہ زندگی کا اہم مسئلہ کھانے پہننے، رہنے سہنے، آرام وآسائش، صحت وتعلیم کی سطح کو بلند کرنا ہے تو کوئی فرد، کوئی طبقہ، کوئی قوم، معاش ومعیشت مال ودولت کی جس نیچی اونچی سطح ومعیار پر بھی ہو اس کو اور اونچا سے اونچا کرنے ہی میں جائز و ناجائز کی بحث کے بغیر آخر اپنی ساری جد وجہد فکر وسعی کو کیوں نہ لگادے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا اُسوہ حسنہ

گو مال و دولت سے نفرت کرنا یا افلاس وغربت کی دعوت دینا بذات خود مامور و مطلوب نہیں تاہم حضرات انبیاء علیہم السلام نے بالعموم اور نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص امت وانسانیت کے لئے جو اسوہ حسنہ چھوڑا ہے وہ فقر وقناعت ہی کا ہے، دولت و امارت کا نہیں، کون نہیں جانتا کہ مکی نہیں مدنی زندگی اور پورے ملک عرب کی بادشاہی کے عہد میں بھی کاشانہ نبوت میں ایک دودن نہیں دو دو مہینے متواتر چولہا نہیں جلتا تھا پانی اور کھجور پر گذر ہوتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ تشریف لائے وفات تک آپ کے گھر والوں نے کبھی تین رات بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔''

اور بھی اسی طرح کی بہت سے روایتیں حدیث کی عام کتابوں میں ملتی ہیں کہ:۔

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔'' چپاتیوں کی سی باریک روٹی تک تناول نہیں فرمائی۔''

خراب کھجور تک پیٹ بھر نہیں نوش فرمائے' بعثت سے وفات تک میدہ کی روٹی نہیں دیکھی'
چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائی جو کہ پیس کر بس منہ سے پھونک دیا جاتا اس سے جتنی
بھوسی اڑ جاتی، باقی ویسے ہی گوندھ کر پکالیا جاتا۔"

بڑا قیمتی سبق

مدینہ کی زندگی میں اس طرح کی تنگی پر ظاہر ہے کہ آپ مجبور و مضطر ہرگز نہ تھے، دیدہ و دانستہ اس حال کو اختیار فرما کر ظاہر ہے کہ اُمت وانسانیت کو کوئی بڑا قیمتی سبق دینا تھا وہ سبق یہی ہوسکتا تھا کہ آدمی کی نظر خدا وآخرت پر ہو تو دنیا کے مال ومتاع، عیش وعشرت کے کیا معنی؟ معمولی آسودہ حالی کو بھی زندگی کا مقصد بہر حال نہیں بنایا جاسکتا۔ آدھا پیٹ کھا کر بھی گذر کی جاسکتی ہے نہ کہ پوری زندگی کو پیٹ ہی پیٹ کے نعروں، انفرادی واجتماعی لڑائی جھگڑوں، قومی اور بین الاقوامی شر وفساد اور جنگوں میں تبدیل کر دینا۔ جیسا کہ ماڈرن معاشیات اور اس پر مبنی سیاسیات نے کر رکھا ہے یہ انسان وانسانیت کی انتہائی ذلت ورسوائی اور ہڈیوں پر کتوں کی لڑائی کے سوا کیا ہے۔

مال ودولت میں ایک اور بہت بڑا فساد

مال ودولت کا ایک بہت بڑا فساد یہ ہے کہ اس کا کبر وغرور اور حرص وطمع بالعموم حق کے قبول واعتراف سے رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

فرعون وقارون کو جاہ و مال کے فریب کے سوا حق شناسی یا ایمان سے کس نے محروم رکھا اور حقیر وفقیر جادوگر جن کو مال ہی کا لالچ دلا کر وائی حق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آمادہ کیا گیا تھا۔ وہ اس لالچ ہی سے بچ کر اور حق کو پہچان کر پکار اٹھے کہ:۔

"ہم تو ہارون وموسیٰ کے رب پر ایمان لاتے ہیں"۔

پھر فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانے تک کی دھمکیاں دی مگر دین حق کا مزہ پا کر ان غریبوں کا جواب کیا تھا کہ

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَ نَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ . اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

ترجمہ:۔ ہم تو حق کی ان کھلی کھلی باتوں اور اپنے پروردگار کے مقابلہ میں تجھ کو (یا تیرے حکم کو) ہرگز اختیار نہ کریں گے بس تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر لے تو جو کچھ بھی کر سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی زندگی ہی کی حد تک کر سکتا ہے..... اور اللہ ہر طرح بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

ایمان لانے والے زیادہ مساکین ہی ہوتے ہیں

عموماً حق کی پکار سننے اور انبیاء پر ایمان لانے والے زیادہ تر غرباء و مساکین ہی ہوتے ہیں جو بہت ہی ذلیل و حقیر نظر آتے ہیں۔ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ۔

جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کر کے۔

حدیث بھی شاہد ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے پیروا کثر غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔

ان سطروں کے دورانِ تحریر ہی میں سیرۃ النبی (علامہ شبلیؒ) کا ایک اقتباس نظر پڑا کہ خود پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فقر و افلاس کی گدڑیوں میں خدمت اسلام کے کیسے کیسے لعل ملے۔

''یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہ رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمار، خباب، ابوصہیب وغیرہ (رضی اللہ عنہم) جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہ مل سکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے تو روسائے قریش ہنس کر کہتے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا۔ (اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْ م بَیْنِنَا) (جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کیلئے چنا ہے)

''کفار کے نزدیک ان کا افلاس ان کی تحقیر کا سبب تھا لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے انہیں کے ہاتھ آ سکتی تھی، دولت و مال ان کے دلوں کو سیاہ نہیں کر چکا تھا، فخر و غرور ان کو اختیار حق سے روک نہیں سکتا تھا۔ ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے تو کعبہ کا کوئی منصبِ عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ غرض ان کے دل (مال و جاہ) ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے اور حق کی شعاعیں ان پر دفعۃً پرتو افگن ہو سکتی تھیں، یہی سبب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار و مفلس لوگ ہوئے ہیں عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے حضرت نوح علیہ السلام کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو یہ کہنا پڑا جیسا کہ سورہ ھود میں ہے'' کہ تیری پیروی انہی لوگوں نے کی جو رذیل ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔''

مال کمانے کو ابتغاء فضل کہنے کا راز

قرآن مجید بھر میں دو چار جگہ کسب کی جو تعلیم ہے بھی اس کے لئے ابتغاء فضل کی اصطلاح استعمال فرمائی گئی ہے، وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

اور خدا کا فضل وہی ہو سکتا ہے جس سے اس کی زیادہ سے زیادہ رضا حاصل ہو۔ بالفاظ دیگر جس سے آخرت ہی کا معیار اونچا ہو لیکن چونکہ ظاہری صورت طلب فضل کی بھی کسب ہی ہوتی ہے لہٰذا حکم یا تاکید کا عنوان ابتغاء فضل کے لئے بھی نہیں اختیار فرمایا بس اجازت یا بہت سے بہت نیکی کا درجہ رکھا ہے ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو چکو تو اپنے اپنے رزقی مشاغل کی جگہوں میں پھیل کر خدا کا فضل تلاش کرو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

جس کا مطلب یہ کوئی بھی نہیں لیتا اور نہ لے سکتا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد کسی نہ کسی کاروبار یا معاشی دھندے میں لگنا فرض و واجب ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ کھانے کمانے کے دھندے میں اتنا منہمک نہ ہو کہ نماز کھا جاؤ جیسے ہی نماز کی پکار (اذان) ہو سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کے خدا کی یاد کے لئے دوڑ پڑو، اسی میں تمہاری حقیقی بھلائی اور بہبودی ہے۔ ہاں جب نماز ختم ہو چکے تو پھر اپنے معاشی کاموں یا کسبی مشاغل میں خدا کی رضا اور احکام کے تابع رہ کر لگ سکتے ہو کہ تب ہی یہ کسب "فضل اللہ" کا مصداق ہو گا ورنہ خدا کا فضل کیا الٹے خدا کا غضب خریدو گے، تاکید ہے تو اس کی کہ نماز سے فارغ ہو کر بھی جب پیٹ یا دنیا کے دھندوں میں لگو تب بھی خدا کی یاد سے غفلت ہرگز نہ ہو برابر کثرت سے اس کی یاد بھی ساتھ ساتھ چلی جائے، یعنی اس کے احکام سے معاشی و دنیوی کاموں کے دوران میں تجاوز و سرتابی قطعاً نہ ہو کہ خدا کی حقیقی و عملی یاد یہی ہے۔ اور اسی پر دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود منحصر ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ حکم ہے تو یہ کہ دیکھو "مسلمانو! ایسا نہ ہونے پائے کہ تمہارے مال و دولت آل و اولاد کے دنیوی بکھیڑے تم کو خدا کی یاد سے غافل و بے پرواہ کر دیں۔ اور جو بھی ایسا کرے گا بالآخر دین و دنیا ہر اعتبار سے وہ گھاٹے ہی گھاٹے میں رہنے والے ہوں گے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (منافقون ع۲)

اسلامی معیشت کا مدار خرچ پر ہے

آج کل کی معاشیات یا علم المال کی دو بڑی بحثیں ہیں۔

(۱) مال کا کسب وحصول۔ (۲) اس کا استعمال اور خرچ۔

ان میں نفس کسب کے تدابیری مشاغل یا سرگرمیوں پر کوئی زور تو قرآنی یا اسلامی معاشیات میں سرے سے ہے ہی نہیں اور جو کچھ ہے وہ کسب کی ناجائز یا باطل تدبیروں اور طریقوں کی روک تھام پر، ورنہ اصل زور کمانے کی بجائے خرچ کرنے پر اتنا ملتا ہے کہ اسلامی معاشیات کو تمام تر انفاقی معاشیات کا نام ہے۔

خرچ کے معنی

خرچ کرنے کے معنی بھی آج کل کی طرح من مانی راہوں میں خرچ کرنے کے قطعاً نہیں دنیوی زندگی کی آرائشوں اور نمائشوں میں نہ محض دنیوی منافع ومقاصد کی نیت سے جو خالص مادی معاشیات میں مال خرچ کرنے کے مباحث کا حاصل ہوتا ہے بلکہ مال کا یہ استعمال یا خرچ خواہ اپنے نفس یا اہل وعیال ہی پر کیوں نہ ہو اسلامی خرچ اسی وقت قرار پائے گا جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ورضا کی نیت یعنی احکام شریعت کے مطابق اور فلاح آخرت کے مدنظر ہو۔ آگے خود قرآن مجید کو اس نقطۂ نظر سے پڑھو۔

فاتحہ الکتاب کی تمہیدی سات آیتوں کے بعد پہلی سورت (بقرہ) کی ابتداء میں اسلام کی اس کتاب سے ہدایت پانے اور بالآخر فلاح وکامیابی کی جو سات شرطیں لگائی گئی ہیں ان میں ایمانیات (يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اور عبادات وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ) کے بعد تیسری شرط خرچ ہی کی ملتی ہے۔ خرچ سے مراد بھی روپیہ پیسہ ہی کا خرچ کرنا نہیں' جسمانی و ذہنی قوت وقابلیت وقت وفرصت جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے جس کو دے رکھا ہے سب ہی کو حسب موقع خرچ کرنے کا مطالبہ ہے۔ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

خرچ کرنے کی تاکید

آگے قرآن کی اسی سب سے پہلی اور سب سے بڑی سورۃ بقرہ میں جس ایک مضمون کا فقط ایک دو آیتوں میں نہیں مسلسل پورے دو رکوع (۳۵-۳۶) میں ذکر چلا گیا ہے وہ خرچ ہی کی مختلف و دلنشین تمثیلات و تعبیرات سے ترغیب و تاکید ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ:۔ ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (ایسی ہے) جیسے ایک دانہ (بوؤ) جس سے سات بالیاں پیدا ہوں (اور) ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اس سے بھی زیادہ اللہ جس کو جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت و علم والا ہے (اس کے پاس کسی چیز کی کمی تو ہے نہیں اپنے علم و حکمت کے موافق جس کو جتنا بھی چاہتا ہے دیتا ہے)

مال خرچ کرنے میں اسلامی مزاج

اسلام میں اس خرچ میں دنیا کے کسی مادی نفع پر نظر رکھنے کی اجازت تو الگ رہی کسی طرح کا احسان تک رکھنے کی اجازت نہیں۔ نظر صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر پر رہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ط لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔

ترجمہ:۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ نہ اس پر زبان سے کوئی احسان جتلاتے ہیں اور نہ (اپنے کسی برتاؤ سے) کوئی آزار پہنچاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کو اپنے انفاق کا بدلہ اپنے پروردگار کے پاس ملیگا اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا نہ غم زبان

سے کوئی اچھی بات کہہ دینا یا (کسی معاملہ میں) کسی (کی زیادتی) کو معاف کر دینا ایسی خیرو خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد کوئی آزار پہنچایا جائے (لہٰذا) اے ایمان لانے والو (اللہ اور آخرت پر تمہارے ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ) تم احسان رکھ کر، یا آزار پہنچا کر اپنی خیرات کو اس شخص کی طرح برباد نہ کر ڈالو جو لوگوں کے دکھلانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور ایمان نہ اللہ ہی پر رکھتا ہے نہ آخرت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی پڑی ہے پھر اس پر زور کی بارش پڑے جو اس کو کوئی روئیدگی یا سرسبزی بخشنے کے بجائے جیسا تھا ویسا ہی سپاٹ کر چھوڑے ایسے لوگوں کو اپنی (اس بظاہر نیک) کمائی سے کچھ بھی ہاتھ نہیں لگتا۔ اور اللہ (خدا و آخرت کا) انکار کرنے والوں کو (انفاق کی بھی) صحیح راہ نہیں دکھاتا۔

مزید فرمایا وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

ترجمہ:۔ ان لوگوں کے خرچ کرنے کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی خوشنودیوں کی خاطر اپنے نفسوں (یا نیتوں) کی پختگی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ایسے باغ کی ہے جو کسی ٹیکرے پر واقع ہو کہ اس پر زور کا پانی پڑے تب تو وہ دوگنا چوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو پھوار ہی کافی ہو جائے (برباد بہر حال نہ ہو) اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس (کے متعلق تمہاری ظاہری و باطنی حالت و نیت سب) سے آگاہ ہے (اسی کے اعتبار سے اجر دیگا)

کمانے کا ذکر بھی خرچ کرنے ہی کیلئے ہے

اس کے بعد کمائی یا کسب کا ذکر ہے مگر خود کسب کے لئے نہیں بلکہ خرچ ہی کے لئے۔ بہتوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی کمائی سے خیرو خیرات کے نام پر کچھ دیتے ہیں تو ایسی بیکار ردی چیزیں جو خود اپنے کام میں لانا پسند نہیں ہوتا، مثلاً پھٹے پرانے کپڑے، گلا سڑا اناج، باسی کھانا، ایسا خرچ بھی اسلام و ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ

ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

ترجمہ:۔اے یمان والواپنی کمائی میں سے عمدہ چیزوں کو راہ خدا میں خرچ کیا کرو اوران میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں اور ایسی خراب چیزوں کے دینے کا قصد نہ کرو جن کو تم خود لینے پر آمادہ نہیں ہو بجز اس کے کہ چشم پوشی سے کام لو (یہ اور بات ہے) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ (محتاج نہیں کہ اس کے لئے تم سڑی گلی چیز خرچ کرو) وہ تو ہر طرح بے نیاز اور لائق ستائش ہی ہے۔

خرچ میں کوتاہیوں کے دوسبب

خرچ میں اس طرح کی ساری کوتاہیوں کے بالعموم دوسبب ہوتے ہیں۔

ایک خود اپنی محتاجی کا ڈر کہ صدقات وخیرات میں خرچ کرنے سے ہم خود خالی ہاتھ نہ ہوجائیں یا بال بچوں کے لئے پس انداز نہ ہوسکے۔

دوسرے جو لوگ عیاشی وآوارگی شراب وقمار اور ڈانس وغیرہ کے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے پاس نیک راہوں میں خرچ کرنے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے۔

آگے ان دونوں شیطانی وسوسوں اور حرکتوں پر تنبیہ ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ:۔شیطان تم کو (ایک طرف) مفلسی سے ڈراتا ہے اور (دوسری طرف) بری باتوں کا حکم کرتا ہے اور اللہ (اس کے برخلاف خیر وخیرات میں خرچ کرنے پر آخرت میں) تم سے مغفرت کا (اور دنیا میں زیادہ دینے یا) فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ تو کشادگی دینے والا اور خوب جاننے والا ہے (کہ کس کے لئے کیا مناسب ومصلحت ہے)

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔

ترجمہ:۔جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سب کو اللہ ضرور جانتا ہے (اس لئے اس کے رائیگاں ہونے کا تو وہم ہی نہ کرو) اور ایسے ظالموں کا (جو

شیطان کے بہکانے سے مفلسی سے ڈرتے ہیں یا فواحش میں اڑاتے ہیں اللہ کے مقابلہ میں ان کا) کوئی یارومددگار نہیں ہوسکتا (البتہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ اگر کسی وقت محتاج بھی ہوجائیں تو اللہ ان کی مدد پر ہر طرح قادر ہے)

کھلے چھپے ہر طرح خرچ کرنے کی ترغیب

غرض ترغیب وتاکید نہ کمانے کی ہے نہ کما کر جمع کرنے کی اور نہ اپنی عیش پرستیوں اور نفس پروری میں اڑانے کی' بلکہ کھلے چھپے حسب موقع نیک راہوں میں خرچ ہی خرچ کرتے رہنے کی تاکید ہے۔ارشاد ہے کہ

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

ترجمہ:۔تم صدقات ظاہر کر کے کھلے طور پر دو تب بھی اچھا ہے اور حاجت مندوں کو چھپا کر دو تو اور بھی تمہارے حق میں بہتر ہے (بڑی بات تو یہ ہے کہ) اللہ اس کی برکت سے تمہاری برائیوں کو مٹا دیگا اور تم جو کچھ (کھلے چھپے جس طرح بھی) کرتے ہو وہ سب پوری طرح جانتا ہے"۔

احادیث میں بھی کمانے کی بجائے خرچ کرنے کی تاکید

اسلام کی کتاب کی طرح اسلام کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کا اصل رُخ بھی کسب کے بجائے خرچ ہی کی تعلیم وترغیب کی طرف ملتا ہے اور اس خرچ کا بھی اصل مدعا معاشی سے زیادہ اخروی فائدہ ہے۔

حدیث کی کوئی کتاب اٹھالو مال ودولت کمانے کے بجائے خرچ کرنے اور خدا و آخرت ہی کے لئے خرچ کرنے کی تعلیم وترغیب، طرح طرح کے موثر عنوانات سے پاؤ گے۔

سب سے زیادہ پڑھی پڑھائی جانے والی مقبول کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' ہے اس میں کتاب الزکوٰۃ اور اس کے تحت خرچ وصدقہ کی فضیلت اور بخل کی مذمت وکراہیت پر جو مستقل ابواب ہیں وہ بڑی تقطیع پر ۱۸ صفحوں سے زائد تک چلے گئے ہیں۔

مال یا وبال

زکوٰۃ، صدقہ یا دیگر مصارف میں خرچ اسلام کی نگاہ میں مال کا ایسا حق ہے کہ جب تک وہ ادا نہ ہو مال، مال نہیں' قطعاً وبال اور دنیا سے بڑھ کر عذاب آخرت ہے، کتاب الزکوٰۃ میں دوسری ہی طویل حدیث صاحب مشکوٰۃ نے جو درج کی ہے اس کا حاصل اسی عذاب آخرت سے ڈرانا ہے نہ کہ دنیا کی معاشی مشکل کا حل بتانا۔

دراصل یہ قرآن مجید ہی کی اس آیت کی تفسیر و تشریح ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ھٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔

ترجمہ:۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک بڑے دردناک عذاب کی خبر سنا دو، کہ جس دن یہی سونا چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا کہ لو یہ ہے وہ جو تم نے جمع کر رکھا تھا اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔''

بخاری شریف کی ایک تفسیری ہی روایت میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہ ادا کی' تو قیامت کے دن یہ مال ایک سخت زہریلا اژدھا بنا کر اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں کو ڈس ڈس کر کہے گا کہ ''میں ہوں تیرا مال، تیرا خزانہ''۔

خرچ کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

احکام زکوٰۃ سے متعلق بہت سے حدیثیں درج کرنے کے بعد پھر صاحب مشکوٰۃ نے ایک مستقل باب انفاق کے دینی و دنیوی منافع و برکات اور بخل کی مضرتوں اور خرابیوں کا باندھا ہے اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق انفاق بخاری شریف ہی کی روایت سے منقول ہے کہ

''اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھ کو اس بات سے خوشی ہوگی کہ تین راتیں بھی اس طرح نہ گذریں کہ اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس کے

جو قرض ادا کرنے کے لئے بچالوں۔''

اسی باب میں بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ

''ایک مرتبہ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ اتنی عجلت کے ساتھ گھر میں تشریف لے گئے کہ لوگ ڈر گئے کہ کیا بات ہے واپسی پر لوگوں کو متعجب دیکھ کر فرمایا کہ مجھ کو یاد آیا کہ کچھ سونا میرے پاس ہے اور یہ بات مجھ کو مکروہ معلوم ہوئی کہ اس کی یاد (ایک لمحہ کیلئے بھی) خدا کی یاد میں مخل یا حارج ہو، اس لئے جلدی سے جا کر میں نے حکم دیدیا کہ اس کو تقسیم کر دیا جائے۔

اسی طرح ایک تیسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں میرے پاس آپ کے چھ سات دینار تھے جن کو خرچ کر دینے کا حکم فرمایا لیکن مجھ کو آپ کے درد کی تکلیف میں اس کا موقع نہ مل سکا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس دینار کا کیا، کیا؟ میں نے عرض کیا کہ بخدا آپ کے درد کی وجہ سے ان کا خرچ کرنا یاد نہیں رہا آپ نے ان کو فوراً ہی منگوایا اور ہاتھ میں رکھ کر فرمایا کہ کیا گمان ہوگا خدا کے رسول کا (خدا کے بارے میں) اگر وہ اس حال میں خدا سے ملے کہ یہ دینار اس کی ملک میں ہوں۔ یعنی نبوت کی شان و مذاق کے منافی ہوگا۔ کہ نبی ہو کر اور خدا پر کامل توکل رکھ کر مال کو دل میں اتنی جگہ دے کر کہ فکر فردا کیلئے اس کو پس انداز کرے۔ (واللہ اعلم)

خرچ کرنے میں صحابہ کرامؓ کا ذوق وشوق

پھر جن حضرات صحابہ میں اس مذاقِ نبوت کا رنگ تھا ان کے لئے بھی یہی پسند فرماتے تھے روایت بالا ہی کے آگے ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خشک کھجوروں کا ان کے ہاں ڈھیر لگا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا بلال یہ کیا ہے؟

عرض کیا کہ آئندہ کے لئے میں نے جمع کر رکھا ہے۔

فرمایا کہ تم کو ڈر نہیں لگتا کہ قیامت کے دن اس کی وجہ سے تم پر جہنم کی آگ کا کچھ اثر ہو جائے۔ بلال خرچ کرو اور عرش والے کی طرف سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔''

مطلب وہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر پورے بھروسہ یا کمالِ توکل کے شایانِ شان نہیں کہ آدمی روزی یا معاش کے معاملہ میں اپنے دل کو کل کی فکر میں الجھا دے۔

ابن آدم کو خدائی حکم

مشکوٰۃ کے اسی باب میں اسی کو ایک حدیث قدسی میں اس عنوان سے فرمایا گیا ہے کہ "اے ابن آدم تو خرچ کر تو تجھ پر خرچ کیا جائیگا"۔ یعنی جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ و رضا میں خرچ کرو گے اس کے تلف و ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو، اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ دوسروں سے تم پر خرچ کرایا تم کو دلا دیں گے، مثلاً ملازمت میں ترقی دلا دی، زراعت میں پیداوار بڑھا دی، تجارت میں نفع زیادہ ہو گیا۔

اسلام کی انفاقی معاشیات کی رو سے قلت و تنگی کا خوف و اندیشہ خرچ کرنے والوں کو نہیں بخل کرنے والوں کو کرنا چاہئے۔ آگے ہی ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! بخل کرنے والے کا مال تلف و ہلاک فرما دے۔

ظاہر ہے کہ یہ آخرت کے نہیں اسی دنیا کے بدل و تلف کا معاملہ ہے۔

پھر اگلی ہی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرچ کرو اور (زیادہ) حساب کتاب نہ لگایا کرو کہ خدا بھی تم کو دینے میں (یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ) کے بجائے حساب و کتاب (یعنی تنگی) کا معاملہ نہ فرمانے لگے۔ اور پس انداز یا جمع کرنے کے (زیادہ) پھیر میں نہ پڑو کہ خدا بھی اپنا ہاتھ روک لے (کہ اب تو میری رزاقیت کے بجائے تمام تر اپنی جمع پونجی پر تم کو بھروسہ ہے بلکہ) اپنی وسعت و گنجائش بھر جو کچھ کم سے کم بھی (نیک راہ میں) دے سکتے ہو، ضرور دیتے رہو۔

اسلام میں خرچ کرنے کی فضیلت

اسلامی تعلیمات میں واضح ہے کہ تھوڑا بہت جو کچھ بن پڑے آدمی دیتا اور خرچ بہر حال کرتا رہے، تاکہ دینے یا خرچ کرنے کی ذہنیت و عادت قائم رہے، اسی عادت و ذہنیت کے

بقاء اور تربیت کیلئے عورتوں کو خصوصاً خطاب کر کے فرمایا (جو عموماً تنگ نظر ہوتی ہے) کہ:۔کوئی عورت اپنی پڑوسن کو اگر بکری کا ایک کھر بھی دے سکتی ہو تو اس دینے کو بھی حقیر نہ جانے"۔

حتیٰ کہ دوسری روایت میں ہے کہ "یہ کھر بھی خواہ جلا ہوا ہی کیوں نہ ہو" مگر دے ضرور۔

شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ مقصود اس سے مبالغہ ہے۔یعنی وہی کہ کچھ نہ کچھ دیتے رہنے کی عادت پڑی رہے خواہ بظاہر حقیر سے حقیر چیز کیوں نہ ہو۔جیسا کہ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ **لو یعدل تمرا** کہ خواہ یہ چیز اپنی مقدار یا قیمت میں ایک کھجور ہی کے برابر ہو۔البتہ پاک کمائی ہونا شرط ہے۔کیونکہ اللہ پاک قبول پاک ہی چیز کو فرماتا ہے پھر یہ پاک چیز کتنی ہی حقیر و قلیل ہو۔اللہ تعالیٰ اپنی شان پرورش یا ربوبیت سے کھجور برابر چیز کی بھی پرورش فرما کر اس کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ دینی و دنیوی برکات کے لحاظ سے وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

مسلمان کیلئے خرچ کرنا لازم ہے

اسلام میں خرچ کرنے کی تعلیم میں اس مبالغہ کا مدعا یہی نکلتا ہے کہ دوسروں سے لینے کے بجائے نظر تھوڑا بہت جو ہو سکے، دینے اور لٹانے پر ہی رہنی چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب سے بہتر یا افضل صدقہ کون ہے؟

فرمایا غریب آدمی اپنی محنت و مشقت سے پیدا کر کے کسی کو جو کچھ دیدے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب شوربا پکاؤ اور گنجائش نہ ہو تو پانی ہی زیادہ کر دو اور اپنے ہمسایوں کا خیال کرو کہ ان کو بھی پہنچ جائے۔

غرض کچھ نہ کچھ دیتے یا خرچ کرتے رہنا، مسلمان کیلئے لازم ہونا چاہئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ ہر مسلمان پر کچھ نہ کچھ صدقہ دینا لازم ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس سرے سے کچھ بھی نہ ہو، فرمایا اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے اور جو ملے خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے، عرض کیا کہ اگر کام کرنے سے لاچار ہو فرمایا کسی اور طریقہ ہی سے کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے۔ عرض کیا اگر یہ بھی نہ ہو سکے فرمایا کسی بھلی بات کا حکم کرے عرض کیا یہ بھی نہ کر سکے فرمایا کم از

کم بُری بات سے بچائے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہی ہوگا۔‘‘

چونکہ مال خرچ کرنے یا صدقہ کا مقصد حاجت مندوں کی حاجت روائی یا نفع رسانی ہی ہے اس لئے کسی برائی سے کسی کو بچانا بھی یقیناً نفع رسانی اور صدقہ ہی ہے جیسے کسی کو سانپ کے کاٹنے سے بچالیا جائے تو اس سے بڑھ کر اس کی کیا مدد ہوگی؟

عیال و اقربا پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

خرچ کرنے کی اصلی غرض خدا کی رضا جوئی اور اس کے حکموں کی فرماں برداری ہو تو غیروں پر کیا خود اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقرباء پر خرچ کرنا بھی اسلام کی نگاہ میں خیر و صدقہ ہی ہے بلکہ ایک اعتبار سے زیادہ اجر و ثواب کا کام کہ صلہ رحمی کا حق بھی ساتھ ساتھ ادا ہوتا ہے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ غریب مسکین کو دینا تو صرف صدقہ اور قرابت والوں کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحم بھی۔

صحاح کی متفقہ روایت ہے کہ جو مسلمان اپنے گھر والوں کے نفقہ میں بھی ثواب کی نیت (وہی خدا کے حکم و اطاعت کی اور آخرت کے اجر کی) کرلے تو ادائے واجب کے علاوہ صدقہ کا اجر مفت میں ملے گا۔ اس کے بعد ہی اس سے بڑھ کر صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ خدا کی راہ میں یا جہاد کرنے میں خرچ کرنے میں یا غلام کو آزاد کرنے میں یا کسی مسکین کو صدقہ دینے میں ان سب کے مقابلہ میں گھر کے لوگوں پر خرچ کرنے کو زیادہ موجب اجر قرار دیا گیا ہے۔

خود اپنے اوپر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

گھر والوں اور قرابت والوں سے مقدم ایک حدیث شریف میں خود اپنے اوپر خرچ کو رکھا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے۔

فرمایا خود اپنے اوپر خرچ کرو عرض کیا ایک اور ہے۔

فرمایا گھر والوں پر خرچ کرو عرض کیا ایک اور ہے فرمایا اب تم زیادہ جانتے ہو‘‘ کہ ان کے بعد تمہارے نزدیک کون زیادہ مستحق ہے۔

شریعت کی کمال مہربانی

خرچ کرنے کی ترغیب میں انتہا یہ ہے کہ بلا ہمارے ارادہ ونیت کے بھی اگر ہماری ملک سے کچھ خرچ ہو جائے اور دوسرے کا بھلا ہو جائے تو وہ بھی صدقہ ہو جاتا ہے۔

متفق علیہ حدیث ہے کہ کسی مسلمان کے درخت یا کھیت سے اگر کوئی شخص یا کوئی جانور کچھ کھالے تو وہ بھی صدقہ ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جو کچھ چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک چیز سرے سے ہماری ملک میں نہیں اس کے خرچ کرنے یا دینے دلانے میں ہم کسی طرح واسطہ بن گئے تو اسلام اس کو بھی صدقہ یا اجر وثواب ہی کا کام ٹھہراتا ہے مثلاً کوئی بیوی گھر کے کھانے پینے میں سے (جس کا اصل مالک شوہر ہے) کسی کو کچھ کھلایا پلایا دیدیا یا جو شخص کسی دوسرے کے مال کا خزانچی یا امین ہے اور مالک کے حکم و اجازت کے مطابق لوگوں کو دیتا ہے تو ان سب کو بھی اس خرچ کا ثواب ملے گا اور اتنا ہی ملے گا جتنا خود اصل مالک کو اور کسی کے اجر میں ذرہ برابر بھی کوئی کمی نہ ہوگی کہ ایک حصہ سے کچھ کم یا کاٹ کر کے دوسرے کو دیا جائے سبحان اللہ! کیا شانِ کرم ہے!

خرچ کرنا ہی جمع کرنا ہے

اسلام میں بے دریغ خرچ کرنے کی ذہنیت جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جبکہ خدا و آخرت پر ایمانی نظر ہو، کیونکہ اس نظر والوں کی نظر میں خرچ کرنا ہی جمع کرنا ہے، دینا، دینا نہیں لینا ہے، یا خرچ کرنا عین ابقا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (اہل بیت) نے ایک بکری ذبح کی حضور نے دریافت فرمایا کہ تقسیم کرنے کے بعد باقی کیا بچا؟

عرض کیا کہ ایک دست باقی رہی ہے۔

فرمایا کہ وہی باقی نہیں (فانی) ہے اور (دراصل) باقی وہ ہے جو لوگوں کو دیدیا۔

جب تک باقی وفانی کی یہ ایمانی نظر پیدا نہ ہو، کون ہے جو خود اپنی خواہشوں کو تج دے کر

دوسروں کو اس طرح بانٹتا پھرے جس طرح کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ وہی ہیں سب سے گھاٹے میں رب کعبہ کی قسم۔

میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ قربان ہوں آپ پر، کون ہیں وہ؟ (جن کو آپ سب سے بڑھ کر گھاٹے میں رہنے والا یا زیاں کار فرما رہے ہیں)

فرمایا وہ جن کے پاس مال زیادہ ہے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ مال داروں کے لئے اس گھاٹے اور خسارہ سے بچنے کی صورت ایک ہی ہے کہ اپنے مال کو خیر کے ہر موقع پر ہر وقت، ہر طرف برابر خرچ ہی کرتے رہیں، جس کو آپ نے بار بار فرمایا کہ ''اس طرح اور اس طرح'' پھر خود ہی اس کی تشریح فرمائی کہ آگے سے پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے، یعنی چاروں طرف خرچ ہی خرچ کرنے پر تلا رہتا ہو۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:۔لیکن ایسے خرچ کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہی کہ مال و دولت زیادہ تر زیاں و خسران ہی کا سامان ہو جاتا ہے۔

بخل اور حرص ہلاکت کا سبب ہے

آپ جس پہلو سے دیکھیں کتاب و سنت کی معاشیت کا اصل زور خرچ یا خدا و آخرت کے ایمان پر مبنی ایسا ذہنی رجحان پیدا کرنے پر ہے کہ انسان لینے سے زیادہ دینے، کمانے سے زیادہ خرچ کرنے یا ہر وقت ہر طرف اپنی بساط پر خرچ ہی خرچ کرنے کی فکر میں زیادہ لگا رہے اور ہاتھ کو روکنے یا نفس میں بخل و حرص کا میلان خرچ کے مواقع پر نہ پیدا ہونے پائے نفس کے اس نہ دینے کے میلان ہی کو قرآن مجید میں ''شح نفسہ'' سے تعبیر فرمایا گیا اور دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کے لئے اس سے بچنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

سورۂ تغابن میں ہے کہ فلاح پانے والے وہی لوگ ہوں گے جنکا نفس ''شح'' (بخل و حرص) سے بچایا گیا۔ وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اور فساد کا بڑا سرچشمہ یہ ''شح نفس'' ہی ہے جس کے مفہوم میں بخل اور حرص دونوں داخل ہیں۔ بلکہ لازم و ملزوم ہیں کیونکہ اس کی بدولت دوسروں کو دینا تو الگ رہا آدمی دوسروں

سے چھیننے نوچ کھسوٹ یا استحصال ختم کرنے ہی کی فکر میں دن رات لگا رہتا ہے حتیٰ کہ حدیث میں تو اس "شح نفس" کو اگلی امتوں کی تباہی وخونریزی کا بڑا سبب بتایا گیا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ شدت بخل وحرص کے اس مجموعہ "شح" سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک وبرباد کر دیا، خونریزی پر ان کو آمادہ کیا اور حرام کو انہوں نے حلال کر لیا۔

مال کی حرص کا عبرتناک واقعہ

ایک مرتبہ اخبار جو اٹھایا تو بڑی موٹی اس سرخی پر نظر پڑی کہ:۔

بمبئی کے لکھ پتی تاجر اور اس کے جواں بیٹے کا قتل۔

"دونوں بڑے تاجر تھے، پرانے دوستانہ تعلقات تھے، عیسیٰ نے نور محمد سے چھ ہزار روپیہ لیا تھا جس کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا اس پر دونوں میں تلخ کلامی تک نوبت آ چکی تھی۔ ۱۲/ مئی ۱۹۵۳ء رات نور محمد تنہا عیسیٰ کی دوکان پر آ گیا اور سلام کے بعد اچانک جیب سے چاقو نکال کر وار کر دیا۔ عیسیٰ کا لڑکا باپ کی مدد کو دوڑا تو نور محمد نے دوسرا وار عیسیٰ کی کنپٹی پر کیا جس سے شریانوں کا خون تیزی سے بہنا شروع ہو گیا۔

اسی پر بس نہ کر کے ایک اور وار لڑکے کی گردن پر بھی کیا اور دونوں وہیں ٹھنڈے ہو گئے۔

سوچنے کی بات ہے کہ مقتول "لکھ پتی تاجر" کے بارہ میں یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ چھ ہزار کا وہ کسی طرح بندوبست ہی نہ کر سکتا تھا، اسی طرح قاتل بھی بڑا تاجر تھا فاقہ کش نہ تھا کہ مجبور ہو کر مارنے مرنے پر اتر آیا۔ مگر وہی کہ دینے کے بجائے لینے یا خرچ کرنے کے بجائے کمانے کی اندھا دھند ذہنیت یا بخل وحرص کی شدت جس پر نہ تو "پرانے دوستانہ تعلقات" غالب آ سکے اور نہ تاجرانہ اسلام" نہ دنیا ہی کا کوئی اور خوف وخیال۔

اس "بخل وحرص" سے بچانے والی فقط ایک ہی شے ہو سکتی تھی خدا و آخرت پر ایمان پر مبنی خرچ کرنے والی ذہنیت اور اس کی اسلامی تربیت۔ لیکن اس ذہنیت وتربیت کو "تاجرانہ اسلامیت" والے عوام میں ڈھونڈھنا ہی عبث ہے جبکہ امت کے ان خواص، علماء ومشائخ تک میں کمیاب ہے جن کے سپرد یہ ذہنیت پیدا کرنا اور اسلامی تربیت دینا کیا گیا تھا۔

اوپر تاجر باپ بیٹے کے قتل کا واقعہ ابھی جس اخبار سے آپ کو سنایا گیا اسی سے اور بمبئی

ہی کا اسی ''کمانے والی ذہنیت'' کا دوسرا واقعہ جان کے بجائے آبرو پر وار کا سن لیں۔

ایک خوبصورت ۲۰ سالہ خاتون سکینہ بائی کو اس کے شوہر اور نند نے اس کے سر کے بال کاٹ کر برہنہ حالت میں گھر سے باہر نکال دیا'' کیوں؟ اس لئے کہ شوہر اور نند کی کوشش تھی کہ سکینہ عصمت فروشی کے کاروبار پر راضی ہو جائے مگر وہ نہ ہوئی''۔

دیکھا آپ نے خود شوہر کی محض کمانے والی ذہنیت کا انجام۔

یہ تو اس ذہنیت کے انفرادی کارنامے تھے۔ جو اخباروں کے صفحات کے علاوہ آپ کے ذاتی تجربات میں بھی کم یاب نہ ہوں گے۔ لیکن اجتماعی یا قومی اور بین الاقوامی شور و شر فتنہ و فساد جو آج ساری دنیا میں برپا ہے اس کی تہہ میں کیا یہی ذہنیت کارفرما نہیں؟ کہ ہر جماعت و طبقہ اور ہر قوم و ملک مادی منافع اور دنیوی برتری کی دوڑ میں دوسرے کے سر پر پاؤں رکھ کر آگے سے آگے نکل جانا چاہتا ہے خصوصاً جب سے سیاست نے معیشت سے اپنا گٹھ جوڑ کر لیا ہے اس وقت سے تو اور بھی ہر حکومت کی داخلی و خارجی سیاست نے پیٹ ہی پیٹ کو اپنا کامیاب نعرۂ جنگ بنا لیا ہے بالکل ڈاکوؤں کی طرح مختلف حکومتیں بھی ڈاکہ ڈالنے ہی کے لئے اپنے جتھے کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی فکر میں لگی ہیں اور گرم سے پہلے ساری دنیا سرد جنگ سے کانپ رہی ہے۔

حاصل وہی کہ افراد و اقوام سب پر نیچے سے اوپر تک داہنے بائیں، آگے پیچھے ہر طرف سے مالی و مادی منافع و فوائد میں ترقی یعنی مال کمانے یا حاصل کرنے کا بھوت سوار ہے، اس سرتاسر کمانے والی معاشیات کو اسلام کی اس خرچ کا درس دینے والی معاشیات سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے، جس کے رسولؐ کی زبان سے ابھی سنا جا چکا کہ سب سے خاسر و زیاں کار وہ ہیں جو مالدار زیادہ ہیں اور اس خسران سے بچنے کی تدبیر ایک ہی ہے کہ آدمی داہنے بائیں، آگے پیچھے ہر طرف سے اور ہر موقع بحکم شریعت پر خرچ ہی خرچ کرتا رہے۔

حرام کمائی کی سب سے شدید صورت سُود ہے

کمانے کی تمام حرام صورتوں میں خود قرآن نے سب سے زیادہ شدت کے ساتھ جس صورت کو حرام ٹھہرایا ہے وہ سود یا بیاج اور ربا کی ہے جس کے بغیر کہا جاتا ہے کہ جدید تمدن و تجارت یا معاش و معیشت کی گاڑی کسی طرح چل ہی نہیں سکتی اور گو علمی طور پر اب

معاشیات جدیدہ کے بھی بہت سے ماہر واکابر سود کے مفاسد کو محسوس اور ان کا اعتراف کرنے لگے ہیں تاہم عملاً وہ معاشرہ کے رگ و پے میں اسی طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جس طرح کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جو سود سے بچنا چاہے گا اس کو بھی اس کا دھواں پہنچ کر رہیگا۔(اوکما قال)

اوپر سورۃ بقرہ کے مسلسل دو رکوع سے زائد کی انفاق آیات وترغیبات کے فوراً بعد سب سے پہلا قدغن کمانے کی اس سب سے خبیث صورت سود پر لگایا گیا ہے اور کیسی تہدید کے ساتھ اور تہدید بھی پہلے ہی قدم پر دنیا نہیں آخرت کے حق میں کہ:۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

ترجمہ:۔ جو سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ اٹھیں گے مگر ایسے شخص کی طرح جس کو شیطان نے لگ کر خبطی (حواس باختہ) کر دیا ہو یہ سزا ان کو (سود خواری کی حریصانہ منطق کی بدولت) یہ کہنے کی ملے گی کہ بیع (یا تجارت) بھی تو سود ہی جیسا معاملہ ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے۔

اگرچہ سود خواروں کا یہ انجام دراصل آخرت میں ہوگا لیکن وہاں کا ہر حال حقیقت میں یہیں کے اعمال کا آئینہ ہوگا اسی کو مولانا دریابادی سلمہٗ اپنی تفسیر ماجدی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔"اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ اپنی قبروں سے اٹھنے پر یہ سود خوار سیدھے نہ کھڑے ہوسکیں گے، کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اس دنیا میں بھی نظر آجاتا ہے مہاجن ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو جن یا بھوت لپٹ گیا ہے۔

اہل کشف اور محققین کا بیان ہے کہ قیامت میں انسان اسی صورت کے ساتھ اٹھے گا جس قسم کی سیرت وخصلت (یا ذہنیت) دنیا میں اس پر غالب رہتی ہے۔

مہاجن اور ساہوکار غریب تو اب پیچھے پڑ گئے، عہد حاضر کا سارا معاشی شوروغوغا خصوصیت سے اشتراکیت نے ظہور کے بعد سے کیا" یہ شیطانی خبط، باولے کتوں کی حرکات

باہوشیار کتوں کی ہڈیوں پر دیوانہ وار گھار کے سوا کچھ اور ہے!

آگے اس شیطانی تسلط والی معاشیات کی حرمت میں جیسی شدت اسلام کی کتاب خود قرآن کریم میں اختیار فرمائی گئی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ حکم حرمت کے بعد پھر سود کا نام لینے والوں کی سزا وہی مقرر کی گئی ہے جو کفار کی ہے۔ یعنی دائمی جہنم

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔

اور حرام صرف آئندہ ہی کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ حرمت سے پہلے کے سودی معاملات کا بقایا سود لینے سے بھی کیسی تیز دھمکی کے ساتھ روکا گیا کہ "اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو اللہ ورسول کی طرف سے اس کو اپنے حق میں اعلان جنگ جانو۔

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت ابو مسعود انصاری اسی عام ذہنیت کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ جب صدقہ کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بازاروں میں جاتے اور محنت ومشقت سے جو کچھ ہاتھ آتا اس کو خیرات کر دیتے۔ یعنی کمانے کی محنت ومشقت بھی زیادہ تر آخرت کے کاموں میں خرچ کرنے کے لئے اٹھاتے تھے۔

خیر القرون میں صدقہ خیرات کا ذوق وشوق

حضرت اسماء کے پاس صرف ایک لونڈی تھی اس کو فروخت کر کے قیمت گود میں رکھے بیٹھی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور یہ رقم انہوں نے مانگی حضرت اسماء نے جواب دیا کہ میں تو اس کو خیرات کر چکی ہوں۔

حکیم ابن حزامؓ دارالندوہ کے ایوان خاص کے مالک تھے جس کو حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ میں فروخت کیا اور سب خیرات کر دیا۔

حضرت سلمان مدائن کے گورنر تھے پانچ ہزار دینار تنخواہ تھی جب تنخواہ ملتی سب کی سب خیرات کر دیتے۔ خود چٹائی بن کر اپنی گزر کرتے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اتفاق سے ایک دولت مند صحابی مالک ابن جبلہ ادھر

سے گزر رہے تھے سن کر بیہوش ہو گئے، ہوش آیا تو آستانہ مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے باپ آپ پر قربان! کیا یہ آیت سونا چاندی جمع کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے آپ نے فرمایا ہاں! عرض کیا کہ شام ہوتے ہوتے ایک درہم و دینار بھی باقی نہ چھوڑ ونگا اور ایسا ہی کیا۔

حضرت معمر بن سعد کا یہ رنگ تھا کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے قرض تک لینے میں دریغ نہ فرماتے، ایک غزوہ میں فوج کے کھانے کا بندوبست قرض ہی سے کیا تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے روکنا چاہا کہ اس طرح تو یہ اپنے کو برباد کر ڈالیں گے، ان کے والد حضرت سعد کو جب یہ معلوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ ابن قحافہ اور ابن خطاب سے مجھ کو کون بچائے یہ میرے بیٹے کو بخیل بنانا چاہتے ہیں۔''

سود کے متعلق مزید وضاحت اسی کتاب کے باب چہارم میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ:۔ مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ''معاشیات کا اسلامی فلسفہ'' سے تلخیص و تسہیل کے بعد یہ مضمون جزو کتاب بنایا گیا ہے۔ بلا شبہ یہ کتاب معاشیات کے بارہ میں اسلامی ذہنیت کو اجاگر کرنے اور کمانے اور خرچ کرنے کے بارہ میں اسلامی فلسفہ کو اجاگر کرتی ہے اور معاشیات کے سلسلہ میں اسلامی جدید و قدیم نظریات کو ختم کر کے اسلام کی واضح تعلیمات سامنے لاتی ہے۔ جو حضرات یہ کتاب پڑھنا چاہیں۔ وہ ادارہ سے طلب فرما سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔
قرآن کریم میں فلاح یافتہ مؤمنوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ:
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ "یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنیوالے ہیں۔"

زکوٰۃ کے دو معنی

مفسرین نے اس آیت کریمہ کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سے مراد فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے اور دوسرا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہاں "زکوٰۃ" کے وہ مشہور معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں "اپنے اخلاق کو پاک صاف کرنا" عربی زبان میں "زکوٰۃ" کے معنی ہیں "کسی بھی چیز کو گندگی سے آلائشوں سے اور نجاست سے پاک کرنا۔" زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے مال کو پاک کر دیتی ہے جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ مال گندا ہے اور ناپاک ہے۔ بہرحال بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں زکوٰۃ کے معنی ہیں "اپنے اخلاق کو پاک کرنا" برے اخلاق سے اپنے آپ کو بچانا لیکن یہ کام کہ اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزین کیا جائے اور برے اخلاق سے بچایا جائے۔ یہ ایک عمل چاہتا ہے اسی وجہ سے اس آیت میں فرمایا:
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ یعنی جو لوگ اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچانے کے عمل سے گزرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو پاک کر لیتے ہیں۔ بہرحال اس آیت کریمہ کی یہ دو تفسیریں ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت

آج اس آیت کے مشہور معنی کے اعتبار سے تفسیر عرض کرتا ہوں یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا

کرتے ہیں ہر مسلمان جانتا ہے کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور ارکان اور فرائض میں سے ہے اور جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔
قرآن کریم نے بے شمار مواقع پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:
وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ
نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ ان آیات کے ذریعے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح نماز کی ادائیگی انسان کے لیے فرض اور ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی انسان کے لیے اتنے ہی درجے میں فرض اور ضروری ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے جس کو انسان اپنے جسم کے ذریعے ادا کرتا ہے تو زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جس کو انسان اپنے مال سے ادا کرتا ہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

اس کے چھوڑنے پر قرآن وحدیث میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔
وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍo یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَo (سورۃ التوبۃ، آیات: ۳۴، ۳۵)
یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کر کے جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کو خرچ نہیں کرتے یعنی جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ نہیں کرتے مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی اور قربانی کرنے کا جو حکم دیا ہے اور اسی طرح دوسرے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے کا جو حکم دیا ہے ان احکام پر عمل نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کو دردناک عذاب ہونے والا ہے۔ پھر اگلی آیت میں اس عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس مال کو اور سونے چاندی کو انہوں نے جمع کیا تھا اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا اور پھر ان کی پیشانیاں اس مال سے داغی جائیں گی جیسے لوہے کو آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور وہ انگارہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح انکے مال اور سونے چاندی کو جہنم کی آگ پر گرم کیا جائیگا اور

جب وہ آگ پر انگارہ کی طرح بن جائیگا تو اسکے بعد انکی پیشانیاں اس سے داغی جائینگی اور انکے پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی اور ان سے یہ کہا جائیگا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے پاس جمع کر کے رکھا تھا۔ آج تم اس مال کا مزہ چکھو جو تم نے جمع کر کے رکھا تھا۔ یہ کتنی سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کیلئے بیان فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ زکوٰۃ کتنا عظیم فریضہ ہے۔

زکوٰۃ کے فائدے

اللہ تعالیٰ نے یہ زکوٰۃ کا فریضہ ایسا رکھا ہے کہ اس کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے لیکن اس کے فائدے بھی بے شمار ہیں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مال کی محبت سے محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ جس کے دل میں مال کی محبت ہوگی وہ کبھی زکوٰۃ نہیں نکالے گا کیونکہ بخل اور مال کی محبت انسان کی بدترین کمزوری ہے اور اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے ذریعے فرمایا ہے۔ زکوٰۃ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے بے شمار غریبوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ اندازہ لگایا کہ اگر پاکستان کے تمام لوگ ٹھیک ٹھیک زکوٰۃ نکالیں اور اس زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر خرچ کریں تو یقیناً اس پاکستان سے غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ بہت سے لوگ تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو بہت سے لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں تو وہ ٹھیک ٹھیک نہیں نکالتے بلکہ اندازے سے حساب کتاب کے بغیر نکال دیتے ہیں اور پھر وہ اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس زکوٰۃ کا مصرف براہ راست غریب لوگ ہیں اس لیے شریعت نے زکوٰۃ کو بڑے بڑے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن لوگ اس مسئلے کی پرواہ نہیں کرتے اور زکوٰۃ کی مختلف مصارف پر خرچ کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے غریبوں کو جو فائدہ پہنچنا چاہیے تھا وہ فائدہ ان کو نہیں پہنچ رہا۔ اگر ٹھیک ٹھیک حساب کر کے صحیح مصرف پر زکوٰۃ خرچ کی جائے تو چند ہی سال میں ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے اسباب

لیکن یہ زکوٰۃ جتنا بڑا فریضہ ہے اور جتنے بے شمار اس کے فائدے ہیں اتنی ہی اس کی طرف سے ہمارے معاشرے میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس وجہ

سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے کہ ان کے دلوں میں اسلام کے فرائض' واجبات اور ارکان کی اہمیت ہی نہیں ہے جو پیسہ آ رہا ہے آنے دو غنیمت ہے اور اس کو اپنے للّلے تلّلے میں خرچ کرتے رہو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا بننے سے محفوظ رکھے۔آمین۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو دینی کاموں کے لیے پیسے دیتے رہتے ہیں کبھی کسی کام کے لیے اور کبھی کسی کام کے لیے' لہٰذا ہماری زکوٰۃ تو خود بخود نکل رہی ہے۔اب الگ سے زکوٰۃ نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟

مسائل سے ناواقفیت

بعض لوگ وہ ہیں جن کو پتہ ہی نہیں کہ زکوٰۃ کس وقت فرض ہوتی ہے وہ لوگ زکوٰۃ کے احکام سے ناواقف ہیں' ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کس شخص پر فرض ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ذمے زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہے حالانکہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے وہ ایسا اس لیے سمجھ رہے ہیں کہ ان کو صحیح مسئلہ معلوم نہیں کہ کس شخص پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کے نتیجے میں وہ لوگ زندگی بھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔

زکوٰۃ کا نصاب

خوب سمجھ لیں کہ شریعت نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے۔جس شخص کے پاس وہ نصاب موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور وہ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے' بازار میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت معلوم کر لی جائے۔

لہٰذا شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس مذکورہ چاندی کے نصاب کے مطابق روپے نقد ہوں یا سونے کی شکل میں ہوں یا چاندی کی شکل میں ہوں یا مال تجارت کی شکل میں ہوں' اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ یہ روپے اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہوں یعنی روزمرہ کی ضروریات اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی ضرورت سے زائد ہوں البتہ اگر کسی شخص پر قرض ہے تو جتنا قرض ہے وہ اس زکوٰۃ کے نصاب سے منہا کر لیا جائے گا۔مثلاً یہ دیکھا جائے کہ یہ رقم جو ہمارے پاس ہے اگر اس کو قرض ادا کرنے میں صرف کر دی جائے تو باقی کتنی رقم بچے گی' اگر باقی جس کی مالیت چاندی کے نصاب یا اس سے زائد نہ بچے تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر چھ ہزار روپے یا اس سے زائد بچے تو زکوٰۃ واجب ہوگی

ضرورت سے کیا مراد ہے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس چھ ہزار روپے تو ہیں مگر وہ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے رکھے ہیں اور شادی کرنا ضرورت میں داخل ہے لہٰذا اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ ضرورت سے مراد زندگی کی روزمرہ کی کھانے پینے کی ضرورت مراد ہے یعنی اگر وہ ان روپوں کو خرچ کردے گا تو اس کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں بچے گا' اپنے بیوی بچوں کو کھلانے کے لیے کچھ باقی نہیں رہے گا لیکن جو رقم دوسرے منصوبوں کے لیے رکھی ہے مثلاً بیٹیوں کی شادی کرنی ہے یا مکان بنانا ہے یا گاڑی خریدنی ہے اور اس کے واسطے رقم جمع کر کے رکھی ہے تو وہ رقم ضرورت سے زائد ہے' اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ سے مال کم نہیں ہوتا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو یہ پیسے بیٹی کی شادی کے لیے رکھے ہیں' اب اگر اس میں سے زکوٰۃ ادا کریں گے تو وہ رقم ختم ہو جائے گی۔ یہ کہنا درست نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ تو بہت معمولی سی یعنی اڑھائی فیصد اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہے یعنی ایک ہزار پر پچیس روپے فرض کیے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس چھ ہزار روپے ہیں تو اس پر صرف ڈیڑھ سو روپے زکوٰۃ فرض ہوگی جو بہت معمولی مقدار ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ایسا بنایا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ مفلس نہیں ہوتا بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ عطاء فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

مانقصت صدقة من مال یعنی کوئی صدقہ اور کوئی زکوٰۃ کسی مال میں کمی نہیں کرتی۔

مطلب یہ ہے کہ انسان زکوٰۃ کی مد میں جتنا خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی مال اور عطاء فرماتے ہیں اور کم از کم یہ تو ہوتا ہی ہے کہ جتنا مال موجود ہے' اس میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت عطاء فرماتے ہیں کہ وہ کام جو ہزاروں میں نکلنا چاہیے تھا' سینکڑوں میں نکل جاتا ہے۔

مال جمع کرنے اور گننے کی اہمیت

آج ہماری دنیا مادہ پرستی کی دنیا ہے، اس مادہ پرستی کی دنیا میں ہر کام کا فیصلہ گنتی سے کیا جاتا ہے، ہر وقت انسان یہ گنتا رہتا ہے کہ میرے پاس کتنے پیسے ہیں، کتنے پیسے آئے اور کتنے پیسے چلے گئے، جس کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ: جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهُ (الهمزة: ۲)
یعنی مال جمع کرتا ہے اور گنتا رہتا ہے۔ لہٰذا آج گنتی کا دور ہے۔ یہ دیکھتے ہیں کہ کتنی گنتی بڑھی اور کتنی گھٹ گئی لیکن کوئی اللہ کا بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں گنتی گھٹنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس تھوڑے مال میں کتنا کام نکال دیا اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے نتیجے میں گنتی بڑھ گئی تو اس بڑھے ہوئے مال کے نتیجے میں کتنی بے برکتی آگئی، کتنے مسائل کھڑے ہو گئے اور کتنی مصیبتوں کا سامنا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے اس کے مال میں کمی نہیں ہوتی۔

فرشتے کی دعا کے مستحق کون؟

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جو مسلسل یہ دعا کرتا رہتا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَمُمْسِكًا تَلَفًا

اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہو اور جو صدقہ خیرات کرنے والا ہو، اس کو اس کے مال کا دنیا ہی میں بدلہ عطا فرمائیے۔ آخرت میں اس کو عظیم ثواب ملنا ہی ہے لیکن وہ فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کو دنیا میں بھی بدلہ عطا فرمائیے اور جو شخص اپنا مال کھینچ کر اور چھپا کر رکھتا ہے تاکہ مجھے خرچ نہ کرنا پڑے، اے اللہ! اس کے مال پر بربادی ڈالئے اور اس کے مال کو ہلاک فرمائیے۔ لہٰذا یہ سوچنا کہ ہم نے تو فلاں مقصد کے لیے یہ پیسے رکھے ہیں اور وہ مقصد بھی ضروری ہے وہ مقصد بیٹی کی شادی ہے، گھر بنانا ہے، گاڑی خریدنی ہے، اگر ہم نے زکوٰۃ دیدی تو وہ پیسے کم ہو جائیں گے۔ یہ خیال درست نہیں بلکہ اگر تم نے زکوٰۃ دے دی اور اس کے ذریعے ظاہری طور پر کچھ کمی بھی آگئی تو یہ کمی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اور دیدیں گے اور جو مال بچا ہے اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے انشاء اللہ تمہارا کام نہیں رکے گا۔

زکوٰۃ کی وجہ سے کوئی شخص فقیر نہیں ہوتا

آج تک کسی شخص کا کام زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے نہیں رُکا بلکہ میں چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ کوئی شخص آج تک زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس نہیں ہوا' کوئی شخص ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہو' لہٰذا یہ جو لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ جو رقم حج کے لیے رکھی ہوئی ہو' اس پر زکوٰۃ فرض نہیں' یہ بات غلط ہے' کوئی رقم کسی بھی مقصد کے لیے رکھی ہے اور وہ رقم تمہاری روزمرہ کی ضروریات سے فاضل ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زیور پر زکوٰۃ فرض ہے

اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم تو نہیں ہے لیکن اس کے پاس زیور کی شکل میں سونا یا چاندی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اکثر و بیشتر گھروں میں اتنا زیور ہوتا ہے جو نصاب زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا جس کی ملکیت میں وہ زیور ہے' چاہے وہ شوہر ہو یا بیوی ہو یا بیٹا اور بیٹی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر شوہر کی ملکیت میں ہے تو شوہر پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر بیوی کی ملکیت میں ہے تو بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ آج کل ملکیت کا معاملہ بھی صاف نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شریعت نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہر بات صاف اور واضح ہونی چاہیے۔ لہٰذا یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شوہر کی ملکیت ہے؟ یا بیوی کی ملکیت ہے؟ اگر اب تک واضح نہیں تھی تو اب واضح کر لو کہ کس کی ملکیت ہے؟ جس کی ملکیت ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

شاید آپ پر زکوٰۃ فرض ہو؟

بہر حال نصاب زکوٰۃ کے بارے میں یہ شریعت کا دستور ہے' اگر اس کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ بہت سے لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے مگر وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس وجہ سے وہ لوگ زکوٰۃ کے فریضے کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔ (اصلاحی خطبات)

زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں پر بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کما حقہ زکوٰۃ نہیں نکالتے' ان کے لیے بڑے سخت الفاظ میں عذاب کی خبر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ "جو لوگ اپنے پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے" یعنی جو لوگ اپنا پیسہ' اپنا روپیہ' اپنا سونا چاندی جمع کرتے جا رہے ہیں اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے' ان پر اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے اس کو ادا نہیں کرتے' ان کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ پھر دوسری آیت میں اس دردناک عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اس آدمی کی پیشانی' اس کے پہلو اور اس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس کو یہ کہا جائے گا کہ:

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ

یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ آج تم خزانے کا مزہ چکھو جو تم اپنے لیے جمع کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جو روپیہ پیسہ جمع کر رہے ہیں لیکن اس پر اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کیے ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک بجا نہیں لاتے۔ صرف ان آیات میں نہیں بلکہ

دوسری آیات میں بھی وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ چنانچہ سورۃ ''ہمزۃ'' میں فرمایا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ نِ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ وَمَاۤ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ

''یعنی اس شخص کے لیے دردناک عذاب ہے جو عیب نکالنے والا ہے اور طعنہ دینے والا ہے جو مال جمع کر رہا ہے اور گن گن کر رکھ رہا ہے (ہر روز گنتا ہے کہ آج میرے مال میں کتنا اضافہ ہوگیا ہے اور اس کی گنتی کر کے خوش ہو رہا ہے) اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے گا، ہرگز نہیں۔''

(یاد رکھو! یہ مال جس کو وہ گن گن کر رکھ رہا ہے اور اس پر جو واجبات ہیں ان کو ادا نہیں کر رہا ہے اس کی وجہ سے) اس کو روندنے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ تمہیں کیا پتہ کہ "حطمۃ" کیا چیز ہوتی ہے؟ (یہ حطمۃ جس میں اس کو ڈالا جائے گا) یہ ایسی آگ ہے جو اللہ کی سلگائی ہوئی ہے (یہ کسی انسان کی سلگائی ہوئی آگ نہیں ہے جو پانی سے بجھ جائے یا مٹی سے بجھ جائے یا جس کو فائر بریگیڈ بجھا دے بلکہ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے) جو انسان کے قلب و جگر تک جھانکتی ہوگی (یعنی انسان کے قلب و جگر تک پہنچ جائے گی) اتنی شدید وعید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

یہ مال کہاں سے آ رہا ہے

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر ایسی شدید وعید کیوں بیان فرمائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تم اس دنیا میں حاصل کرتے ہو، چاہے تجارت کے ذریعے حاصل کرتے ہو، چاہے ملازمت کے ذریعے حاصل کرتے ہو، چاہے کاشت کاری کے ذریعے حاصل کرتے ہو، یا کسی اور ذریعے سے حاصل کرتے ہو، ذرا غور کرو کہ وہ مال کہاں سے آ رہا ہے؟ کیا تمہارے اندر طاقت تھی کہ تم اپنے زور بازو سے وہ مال جمع کر سکتے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا حکیمانہ نظام ہے وہ اپنے اس نظام کے ذریعے تمہیں رزق پہنچا رہا ہے۔

گاہک کون بھیج رہا ہے؟

تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے مال جمع کر لیا اور دکان کھول کر بیٹھ گیا اور اس مال کو فروخت کر دیا تو اس کے نتیجے میں مجھے پیسہ مل گیا' یہ نہ دیکھا کہ جب دکان کھول کر بیٹھ گئے تو تمہارے پاس گاہک کس نے بھیجا؟ اگر تم دکان کھول کر بیٹھے ہوتے اور کوئی گاہک نہ آتا تو اس وقت کوئی بکری ہوتی؟ کوئی آمدنی ہوتی؟ یہ کون ہے جو تمہارے پاس گاہک بھیج رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ ایک دوسرے کی حاجتیں' ایک دوسرے کی ضرورتیں ایک دوسرے کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں۔ ایک شخص کے دل میں ڈال دیا کہ تم جا کر دکان کھول کر بیٹھو اور دوسرے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ اس دکان والے سے خریدو۔

انسان میں پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں

لہٰذا آمدنی کا کوئی بھی ذریعہ ہو' چاہے وہ تجارت ہو یا زراعت ہو یا ملازمت ہو' حقیقت میں تو انسان ایک محدود کام کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے' بس انسان وہ محدود کام کر دیتا ہے لیکن اس محدود کام کے اندر کسی چیز کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ ہیں جو ضرورت کی اشیاء پیدا کرتے ہیں اور تمہیں عطا کرتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ سب اسی کی عطا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرہ ۲۸۴)

"زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اسی کی ملکیت ہے۔"

مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں تمہیں عطا کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ چلو تم ہی اس کے مالک ہو۔ چنانچہ سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ (البقرہ: ۲۸۴)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنا دیئے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں

سے چوپائے' پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ مالک حقیقی تو ہم تھے' ہم نے تمہیں مالک بنایا۔ تو حقیقت میں وہ مال جو تمہارے پاس آیا ہے اس میں سب سے بڑا حق تو ہمارا ہے' جب ہمارا حق ہے تو پھر اس میں سے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو' اگر اس کے حکم کے مطابق خرچ کرو گے تو باقی جتنا مال تمہارے پاس ہے وہ تمہارے لیے حلال اور طیب ہے وہ مال اللہ کا فضل ہے' اللہ کی نعمت ہے' وہ مال برکت والا ہے اور اگر تم نے اس مال میں سے وہ چیز نہ نکالی جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کی ہے تو پھر یہ سارا مال تمہارے لیے آگ کے انگارے ہیں اور قیامت کے دن ان انگاروں کو دیکھ لو گے جب ان انگاروں سے تمہارے جسموں کو داغا جائے گا اور تم سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جس کو تم جمع کیا کرتے تھے۔

صرف اڑھائی فیصد ادا کرو

اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے کہ یہ مال ہماری عطا کی ہوئی چیز ہے۔ لہٰذا اس میں سے اڑھائی فیصد تم رکھو اور ساڑھے ستانوے فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو بھی انصاف کے خلاف نہیں تھا کیونکہ یہ سارا مال اسی کا دیا ہوا ہے اور اسی کی ملکیت ہے لیکن اس نے اپنے بندوں پر فضل فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم کمزور ہو اور تمہیں اس مال کی ضرورت ہے' میں جانتا ہوں کہ تمہاری طبیعت اس مال کی طرف راغب ہے۔ لہٰذا چلو اس مال میں سے ساڑھے ستانوے فیصد تمہارا' صرف اڑھائی فیصد کا مطالبہ ہے' جب یہ اڑھائی فیصد اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تو باقی ساڑھے ستانوے فیصد تمہارے لیے حلال ہے اور طیب ہے اور برکت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا معمولی مطالبہ کر کے سارا مال ہمارے حوالے کر دیا کہ اس کو جس طرح چاہو اپنی جائز ضروریات میں خرچ کرو۔

زکوٰۃ کی تاکید

یہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے' یہ وہ زکوٰۃ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں بار بار ارشاد فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)

جہاں نماز کا ذکر فرمایا ہے وہاں ساتھ میں زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے۔ اس زکوٰۃ کی اتنی تاکید

وارد ہوئی ہے جب اس زکوٰۃ کی اتنی تاکید ہے اور دوسری طرف اللہ جل شانہ نے اتنا بڑا احسان فرمایا ہے کہ ہمیں مال عطا کیا اور اس کا مالک بنایا اور پھر صرف اڑھائی فیصد کا مطالبہ کیا تو مسلمان کم از کم اتنا کرلے کہ وہ اڑھائی فیصد ٹھیک ٹھیک اللہ کے مطالبے کے مطابق ادا کردے تو اس پر کوئی آسمان نہیں ٹوٹ جائے گا' کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔

زکوٰۃ حساب کرکے نکالو

بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو زکوٰۃ سے بالکل بے پرواہ ہیں' العیاذ باللہ وہ تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں ہیں۔ ان کی سوچ تو یہ ہے کہ یہ اڑھائی فیصد کیوں دیں؟ بس جو مال آرہا ہے وہ آئے۔ دوسری طرف بعض لوگ وہ ہیں جن کو زکوٰۃ کا کچھ نہ کچھ احساس ہے اور وہ زکوٰۃ نکالتے بھی ہیں لیکن زکوٰۃ نکالنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ جب اڑھائی فیصد زکوٰۃ فرض کی گئی تو اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر زکوٰۃ نکالی جائے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کون حساب کتاب کرے' کون سارے اسٹاک کو چیک کرے' لہٰذا بس ایک اندازہ کرکے زکوٰۃ نکال دیتے ہیں۔ اب اس اندازے میں غلطی بھی واقع ہوسکتی ہے اور زکوٰۃ نکالنے میں کمی بھی ہوسکتی ہے۔ اگر زکوٰۃ زیادہ نکال دی جائے' ان شاء اللہ مواخذہ نہیں ہوگا لیکن اگر ایک روپیہ بھی کم ہوجائے یعنی جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس سے ایک روپیہ کم زکوٰۃ نکالی تو یاد رکھئے! وہ ایک روپیہ جو آپ نے حرام طریقے سے اپنے پاس روک لیا ہے وہ ایک روپیہ تمہارے سارے مال کو برباد کرنے کے لیے کافی ہے۔

وہ مال تباہی کا سبب ہے

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مال میں زکوٰۃ کی رقم شامل ہوجائے یعنی پوری زکوٰۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوٰۃ نکالی اور کچھ باقی رہ گئی تو وہ مال انسان کے لیے تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس بات کا اہتمام کریں کہ ایک ایک پائی کا صحیح حساب کرکے زکوٰۃ نکالی جائے' اس کے بغیر زکوٰۃ کا فریضہ کما حقہ ادا نہیں ہوتا۔ الحمدللہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جو زکوٰۃ ضرور نکالتی ہے لیکن اس بات کا اہتمام نہیں

کرتی کہ ٹھیک ٹھیک حساب کر کے زکوٰۃ نکالے اس کی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم ان کے مال میں شامل رہتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے دُنیاوی فوائد

ویسے زکوٰۃ اس نیت سے نکالنی چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کی رضا کا تقاضا ہے اور ایک عبادت ہے۔ اس زکوٰۃ نکالنے سے ہمیں کوئی منفعت حاصل ہو یا نہ ہو کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بذات خود مقصود ہے اصل مقصود تو زکوٰۃ کا یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ جب کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فوائد بھی عطا فرماتے ہیں وہ فائدہ یہ ہے کہ اس کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ: ۲۷۶)

"یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔"

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے حق میں یہ دعا فرماتے ہیں کہ:

"اللّٰهُمَّ اعط منفقا خلفا واعط ممسكا تلفا"

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالیٰ: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی)

"اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرمایئے اور اے اللہ جو شخص اپنے مال کو روک کر رکھ رہا ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کر رہا ہے تو اے اللہ! اس کے مال پر ہلاکت ڈال دیجئے۔"

اس لیے فرمایا: "مانقصت صدقة من مال" (کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا)

چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ادھر ایک مسلمان نے زکوٰۃ نکالی دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس کی آمدنی کے دوسرے ذرائع پیدا کر دیئے اور اس کے ذریعے اس زکوٰۃ سے زیادہ پیسہ اس کے پاس آ گیا۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے سے اگرچہ گنتی کے اعتبار سے پیسے کم ہو جاتے ہیں لیکن بقیہ مال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکت ہوتی ہے کہ اس برکت کے نتیجے میں تھوڑے مال سے زیادہ فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔

مال میں بے برکتی کا انجام

آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے برکت کا مفہوم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ برکت اس چیز کو کہتے ہیں کہ تھوڑی سی چیزیں زیادہ فائدہ حاصل ہو جائے۔ مثلاً آج آپ نے پیسے تو بہت کمائے لیکن جب گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ بچہ بیمار ہے اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے اور ایک ہی طبی معائنہ میں وہ سارے پیسے خرچ ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو پیسے کمائے تھے اس میں برکت نہ ہوئی یا مثلاً آپ پیسے کما کر گھر جا رہے تھے کہ راستہ میں ڈاکو مل گیا اور اس نے پستول دکھا کر سارے پیسے چھین لیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیسے تو حاصل ہوئے لیکن اس میں برکت نہیں ہوئی یا مثلاً آپ نے پیسہ کما کر کھانا کھایا اور اس کھانے کے نتیجے میں آپ کو بدہضمی ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں برکت نہ ہوئی' یہ سب بے برکتی کی نشانیاں ہیں۔ برکت یہ ہے کہ آپ نے پیسے تو کم کمائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تھوڑے پیسوں میں زیادہ کام بنا دیئے اور تمہارے بہت سے کام نکل گئے۔ اس کا نام ہے برکت۔ یہ برکت اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں اور اس طرح نکالیں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اور اس کو حساب کتاب کے ساتھ نکالیں' صرف اندازہ سے نہ نکالیں۔

زکوٰۃ کا نصاب

اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے کہ اس نصاب سے کم اگر کوئی شخص مالک ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں' اگر اس نصاب کا مالک ہوگا تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ وہ نصاب یہ ہے: ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ' یا زیور' یا سامان تجارت وغیرہ جس شخص کے پاس یہ مال اتنی مقدار میں موجود ہو تو اس کو "صاحب نصاب" کہا جاتا ہے۔

ہر ہر روپے پر سال کا گزرنا ضروری نہیں

پھر اس نصاب پر ایک سال گزرنا چاہیے۔ یعنی ایک سال تک اگر کوئی شخص صاحب نصاب رہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی

ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ہر روپے پر مستقل پورا سال گزرے۔ تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے' یہ بات درست نہیں بلکہ جب ایک مرتبہ سال کے شروع میں ایک شخص صاحب نصاب بن جائے مثلاً فرض کریں کہ یکم رمضان کو اگر کوئی شخص صاحب نصاب بن گیا پھر آئندہ سال جب یکم رمضان آیا تو اس وقت بھی وہ صاحب نصاب ہے تو ایسے شخص کو صاحب نصاب سمجھا جائے گا' درمیان سال میں جو رقم آتی جاتی رہی اس کا کوئی اعتبار نہیں' بس یکم رمضان کو دیکھ لو کہ تمہارے پاس کتنی رقم موجود ہے اس رقم پر زکوٰۃ نکالی جائے گی' چاہے اس میں سے کچھ رقم صرف ایک دن پہلے ہی کیوں نہ آئی ہو۔

تاریخ زکوٰۃ میں جو رقم ہو اس پر زکوٰۃ ہے

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص کے پاس یکم رمضان کو ایک لاکھ روپیہ تھا' اگلے سال یکم رمضان سے دو دن پہلے پچاس ہزار روپے اس کے پاس اور آ گئے اور اس کے نتیجے میں یکم رمضان کو اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپے ہو گئے' اب اس ڈیڑھ لاکھ روپے پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں پچاس ہزار روپے تو صرف دو دن پہلے آئے ہیں اور اس پر ایک سال نہیں گزرا۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہ ہونی چاہیے یہ درست نہیں بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی جو تاریخ ہے اور جس تاریخ کو آپ صاحب نصاب بنے ہیں اس تاریخ میں جتنا مال آپ کے پاس موجود ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے' چاہے یہ رقم پچھلے سال یکم رمضان کی رقم سے زیادہ ہو یا کم ہو مثلاً اگر پچھلے سال ایک لاکھ روپے تھے' اب ڈیڑھ لاکھ ہیں تو ڈیڑھ لاکھ پر زکوٰۃ ادا کرو اور اگر اس سال پچاس ہزار رہ گئے تو اب پچاس ہزار پر زکوٰۃ ادا کرو۔ درمیان سال میں جو رقم خرچ ہو گئی اس کا کوئی حساب کتاب نہیں اور اس خرچ شدہ رقم پر زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب کی الجھن سے بچانے کے لیے یہ آسان طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ درمیان سال میں جو کچھ تم نے کھایا پیا اور وہ رقم تمہارے پاس سے چلی گئی تو اس کا کوئی حساب کتاب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح درمیان سال میں جو رقم آ گئی اس کا الگ سے حساب رکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس تاریخ میں آئی اور کب اس پر سال پورا ہو گا؟ بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ میں جو رقم تمہارے پاس ہے اس پر زکوٰۃ ادا کرو' سال گزرنے کا مطلب یہ ہے۔

اَموال زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے کہ اس نے ہر ہر چیز پر زکوٰۃ فرض نہیں فرمائی ورنہ مال کی تو بہت سی قسمیں ہیں جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ یہ ہیں: (۱) نقد روپیہ چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں' چاہے وہ نوٹ ہوں یا سکے ہوں (۲) سونا چاندی' چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا سکے کی شکل میں ہو' بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ جو خواتین کا استعمالی زیور ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے' یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ واجب ہے البتہ صرف سونے چاندی کے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا زیور ہے' چاہے پلاٹینم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ نہیں جب تک تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ ذاتی استعمال کے لیے ہوں۔

اموال زکوٰۃ میں عقل نہ چلائیں

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے' اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا فریضہ ہے۔ اب بعض لوگ زکوٰۃ کے اندر اپنی عقل دوڑاتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں کہ اس پر زکوٰۃ کیوں واجب ہے اور فلاں چیز پر زکوٰۃ کیوں واجب نہیں؟ یاد رکھئے کہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا عبادت ہے اور عبادت کے معنی ہی یہ ہیں کہ چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر اللہ کا حکم ماننا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ سونے چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے تو ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ کیوں واجب نہیں؟ اور پلاٹینم پر کیوں زکوٰۃ نہیں؟ یہ سوال بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ حالت سفر میں ظہر اور عصر اور عشاء کی نماز میں قصر ہے اور چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھی جاتی ہے تو پھر مغرب میں قصر کیوں نہیں؟ یا مثلاً کوئی شخص کہے کہ ایک آدمی ہوائی جہاز میں فرسٹ کلاس کے اندر سفر کرتا ہے اور اس سفر میں اس کو کوئی مشقت بھی نہیں ہوتی مگر اس کی نماز آدھی ہو جاتی ہے اور میں کراچی میں بس کے اندر بڑی مشقت کے ساتھ سفر کرتا ہوں میری نماز آدھی کیوں نہیں ہوتی؟ ان سب کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عبادت کے احکام ہیں' عبادات میں ان احکام کی پابندی کرنا ضروری ہے ورنہ وہ کام عبادت نہیں رہے گا۔

عبادت کرنا اللہ کا حکم ہے

یا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ۹ ذی الحجہ ہی کو حج ہوتا ہے؟ مجھے تو آسانی یہ ہے کہ آج جا کر حج کر آؤں اور ایک دن کے بجائے میں عرفات تین دن قیام کروں گا' اب اگر وہ شخص ایک دن کے بجائے تین دن بھی وہاں بیٹھا رہے گا' تب بھی اس کا حج نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کا جو طریقہ بتایا تھا اس کے مطابق نہیں کیا۔ یا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ حج کے تین دنوں میں جمرات کی رمی کرنے میں بہت ہجوم ہوتا ہے اس لیے میں چوتھے دن اکٹھی سارے دنوں کی رمی کرلوں گا۔ یہ رمی درست نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت کے اندر یہ ضروری ہے کہ جو طریقہ بتایا گیا ہے اور جس طرح بتایا گیا ہے اس کے مطابق وہ عبادت انجام دی جائے گی تو وہ عبادت درست ہوگی ورنہ درست نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ اعتراض کرنا کہ سونے اور چاندی پر زکوٰۃ کیوں ہے اور ہیرے پر کیوں نہیں؟ یہ عبادت کے فلسفے کے خلاف ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی پر زکوٰۃ رکھی ہے چاہے وہ استعمال کا ہو اور نقد روپیہ پر زکوٰۃ رکھی ہے۔

سامان تجارت کی قیمت کے تعین کا طریقہ

دوسری چیز جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ ہے ''سامان تجارت'' مثلاً کسی کی دکان میں جو سامان برائے فروخت رکھا ہوا ہے اس سارے اسٹاک پر زکوٰۃ واجب ہے البتہ اسٹاک کی قیمت لگاتے ہوئے اس بات کی گنجائش ہے کہ آدمی زکوٰۃ نکالتے وقت یہ حساب لگائے کہ اگر میں پورا اسٹاک اکٹھا فروخت کروں تو بازار میں اس کی کیا قیمت لگے گی۔ دیکھئے ایک ''ریٹیل پرائس'' ہوتی ہے اور دوسری ''ہول سیل پرائس'' تیسری صورت یہ ہے کہ پورا اسٹاک اکٹھا فروخت کرنے کی صورت میں کیا قیمت لگے گی۔ لہٰذا جب دکان کے اندر جو مال ہے اس کی زکوٰۃ کا حساب لگایا جارہا ہو تو اس کی گنجائش ہے کہ تیسری قسم کی قیمت لگائی جائے' وہ قیمت نکال کر پھر اس کا اڑھائی فیصد زکوٰۃ میں نکالنا ہوگا۔ البتہ احتیاط اس میں ہے کہ عام ''ہول سیل قیمت'' سے حساب لگا کر اس پر زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

مال تجارت میں کیا کیا داخل ہے؟

اس کے علاوہ مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے بیچنے کی غرض سے کوئی پلاٹ خریدا یا زمین خریدی یا کوئی مکان خریدا یا گاڑی خریدی اور اس مقصد سے خریدی کہ اس کو بیچ کر نفع کماؤں گا تو یہ سب چیزیں مال تجارت میں داخل ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی پلاٹ، کوئی زمین، کوئی مکان خریدتے وقت شروع ہی میں یہ نیت تھی کہ میں اس کو فروخت کروں گا تو اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو "انویسٹمنٹ" کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اس پر اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کردوں گا اور فروخت کرکے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن اگر پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لیے مکان بنالیں گے یا موقع ہوگا تو اس کو کرائے پر چڑھا دیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کردیں گے۔ کوئی ایک واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید کر ڈال دیا ہے۔ اب اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ کسی وقت اس کو مکان بنا کر وہاں رہائش اختیار کرلیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ کرایے پر چڑھا دیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ فروخت کردیں گے تو اس صورت میں اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے لہٰذا زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب خریدتے وقت ہی اس کو دوبارہ فروخت کرنے کی نیت ہو۔ یہاں تک کہ اگر پلاٹ خریدتے وقت شروع میں یہ نیت تھی کہ اس پر مکان بنا کر رہائش اختیار کریں گے، بعد میں ارادہ بدل گیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ اب اس کو فروخت کرکے پیسے حاصل کرلیں گے تو محض نیت اور ارادہ کی تبدیلی سے فرق نہیں پڑتا جب تک آپ اس پلاٹ کو واقعۃً فروخت نہیں کردیں گے اور اس کے پیسے آپ کے پاس نہیں آجائیں گے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

بہرحال! ہر وہ چیز جسے خریدتے وقت ہی اس کو فروخت کرنے کی نیت ہو، وہ مال تجارت ہے اور اس کی مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی؟

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مالیت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کر رہے ہیں مثلاً ایک پلاٹ آپ نے ایک لاکھ روپے میں خریدا تھا اور آج اس پلاٹ کی قیمت دس لاکھ ہوگئی اب دس لاکھ پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی ایک لاکھ پر نہیں نکالی جائے گی۔

کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

اسی طرح کمپنیوں کے ''شیئرز'' بھی سامان تجارت میں داخل ہیں اور ان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز اس مقصد کے لیے خریدے ہیں کہ اس کے ذریعے کمپنی کا منافع (dividend) حاصل کریں گے اور اس پر ہمیں سالانہ منافع کمپنی کی طرف سے ملتا رہے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز (کیپیٹل گین) کے لیے خریدے ہیں یعنی نیت یہ ہے کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع کمائیں گے۔ اگر یہ دوسری صورت ہے یعنی شیئرز خریدتے وقت شروع ہی میں ان کو فروخت کرنے کی نیت تھی تو اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً آپ نے پچاس روپے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کریں گے اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپے ہوگئی تو ساٹھ روپے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

لیکن اگر پہلی صورت ہے یعنی آپ نے کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدے کہ کمپنی کی طرف سے اس پر سالانہ منافع ملتا رہے گا اور فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی تو اس صورت میں آپ کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ یہ دیکھیں کہ جس کمپنی کے یہ شیئرز ہیں اس کمپنی کے کتنے اثاثے جامد ہیں۔ مثلاً بلڈنگ، مشینری، کاریں وغیرہ اور کتنے اثاثے نقد، سامان تجارت اور خام مال کی شکل میں ہیں، یہ معلومات کمپنی ہی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً فرض کریں

کہ کسی کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے نقد' سامان تجارت' خام مال اور تیار مال کی صورت میں ہیں اور چالیس فیصد اثاثے بلڈنگ' مشینری اور کار وغیرہ کی صورت میں ہیں تو اس صورت میں آپ ان شیئرز کی بازاری قیمت لگا کر اس کی ساٹھ فیصد قیمت پر زکوٰۃ ادا کریں۔ مثلاً شیئرز کی بازاری قیمت ساٹھ روپے تھی اور کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے قابل زکوٰۃ تھے اور چالیس فیصد اثاثے ناقابل زکوٰۃ تھے تو اس صورت میں آپ اس شیئرز کی پوری قیمت یعنی ساٹھ روپے کے بجائے ۳۶ روپے پر زکوٰۃ ادا کریں اور اگر کسی کمپنی کے اثاثوں کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے تو اس صورت میں احتیاطاً ان شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

شیئرز کے علاوہ اور جتنے فنانشل انسٹرومنٹس ہیں چاہے وہ بانڈز ہوں یا سرٹیفکیٹس ہوں' یہ سب نقد کے حکم میں ہیں' ان کی اصل قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کارخانہ کی کن اشیاء پر زکوٰۃ ہے

اگر کوئی شخص فیکٹری کا مالک ہے تو اس فیکٹری میں جو تیار شدہ مال ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح جو مال تیاری کے مختلف مراحل میں ہے یا خام مال کی شکل میں ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ فیکٹری کی مشینری' بلڈنگ' گاڑیاں وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اس طرح اگر کسی شخص نے کسی کاروبار میں شرکت کے لیے روپیہ لگایا ہوا ہے اور اس کاروبار کا کوئی متناسب حصہ اس کی ملکیت ہے تو جتنا حصہ اس کی ملکیت ہے اس حصے کی بازاری قیمت کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بہرحال! خلاصہ یہ کہ نقد روپیہ جس میں بینک بیلنس اور فنانشل انسٹرومنٹس بھی داخل ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور سامان تجارت جس میں تیار مال' خام مال اور جو مال تیاری کے مراحل میں ہیں وہ سب سامان تجارت میں داخل ہیں اور کمپنی کے شیئرز بھی سامان تجارت میں داخل ہیں' اس کے علاوہ ہر چیز جو آدمی نے فروخت کرنے کی غرض سے خریدی ہو وہ بھی سامان تجارت میں داخل ہے' زکوٰۃ نکالتے وقت ان سب کی مجموعی مالیت نکالیں اور اس پر زکوٰۃ ادا کریں۔

واجب الوصول قرضوں پر زکوٰۃ

ان کے علاوہ بہت سی رقمیں وہ ہوتی ہیں جو دوسروں سے واجب الوصول ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسروں کو قرض دے رکھا ہے یا مثلاً مال اُدھار فروخت کر رکھا ہے اور اس کی قیمت ابھی وصول ہونی ہے تو جب آپ زکوٰۃ کا حساب لگائیں اور اپنی مجموعی مالیت نکالیں تو بہتر یہ ہے کہ ان قرضوں کو اور واجب الوصول رقموں کو آج ہی آپ اپنی مجموعی مالیت میں شامل کر لیں۔ اگرچہ شرعی حکم یہ ہے کہ جو قرضے ابھی وصول نہیں ہوئے تو جب تک وہ وصول نہ ہو جائیں اس وقت تک شرعاً ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی لیکن جب وصول ہو جائیں تو جتنے سال گزر چکے ہیں ان تمام پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ مثلاً فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کو ایک لاکھ روپیہ قرضہ دے رکھا تھا اور پانچ سال کے بعد وہ قرضہ آپ کو واپس ملا تو اگرچہ اس ایک لاکھ روپے پر ان پانچ سالوں کے دوران تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں تھی لیکن جب وہ ایک لاکھ روپے وصول ہو گئے تو اب گزشتہ پانچ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی تو چونکہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ یک مشت ادا کرنے میں بعض اوقات دشواری ہوتی ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر سال اس قرض کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کر دی جایا کرے۔ لہٰذا جب زکوٰۃ کا حساب لگائیں تو ان قرضوں کو بھی مجموعی مالیت میں شامل کر لیا کریں۔

قرضوں کی منہائی

پھر دوسری طرف یہ دیکھیں کہ آپ کے ذمے دوسرے لوگوں کے کتنے قرضے ہیں اور پھر مجموعی مالیت میں سے ان قرضوں کو منہا کر دیں، منہا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ قابل زکوٰۃ رقم ہے۔ اس کا پھر اڑھائی فیصد نکال کر زکوٰۃ کی نیت سے ادا کر دیں۔ بہتر یہ ہے کہ جو رقم زکوٰۃ کی بنے اتنی رقم الگ نکال کر محفوظ کر لیں، پھر وقتاً فوقتاً اس کو مستحقین میں خرچ کرتے رہیں۔ بہرحال زکوٰۃ کا حساب لگانے کا یہ طریقہ ہے۔

قرضوں کی دو قسمیں

قرضوں کے سلسلے میں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے وہ یہ کہ قرضوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو معمولی قرضے ہیں جن کو انسان اپنی ذاتی ضروریات اور ہنگامی ضروریات کے لیے

مجبوراً لیتا ہے۔ دوسری قسم کے قرضے وہ ہیں جو بڑے بڑے سرمایہ دار پیداواری اغراض کے لیے لیتے ہیں۔ مثلاً فیکٹریاں لگانے یا مشینریاں خریدنے یا مال تجارت امپورٹ کرنے کے لیے قرضے لیتے ہیں یا مثلاً ایک سرمایہ دار کے پاس پہلے سے دو فیکٹریاں موجود ہیں لیکن اس نے بینک سے قرض لے کر تیسری فیکٹری لگالی۔ اب اگر اس دوسری قسم کے قرضوں کو مجموعی مالیت سے منہا کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ان سرمایہ داروں پر ایک پیسے کی بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ وہ لوگ اُلٹے مستحق زکوٰۃ بن جائیں گے اس لیے کہ ان کے پاس جتنی مالیت کا مال موجود ہے اس سے زیادہ مالیت کے قرضے بینک سے لے رکھے ہیں وہ بظاہر فقیر اور مسکین نظر آرہا ہے۔ لہٰذا ان قرضوں کے منہا کرنے میں بھی شریعت نے فرق رکھا ہے۔

تجارتی قرضے کب منہا کیے جائیں

اس میں تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کے قرضے تو مجموعی مالیت سے منہا ہو جائیں گے اور ان کو منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور دوسری قسم کے قرضوں میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی غرض سے قرض لیا اور اس قرض کو ایسی اشیاء خریدنے میں استعمال کیا جو قابل زکوٰۃ ہیں۔ مثلاً اس قرض سے خام مال خرید لیا یا مال تجارت خرید لیا تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا کریں گے لیکن اگر اس قرض کو ایسے اثاثے خریدنے میں استعمال کیا جو نا قابل زکوٰۃ ہیں تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا نہیں کریں گے۔

قرض کی مثال

مثلاً ایک شخص نے بینک سے ایک کروڑ روپے قرض لیے اور اس رقم سے اس نے ایک پلانٹ (مشینری) باہر سے امپورٹ کر لیا چونکہ یہ پلانٹ قابل زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ یہ مشینری ہے تو اس صورت میں یہ قرضہ منہا نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے اس قرض سے خام مال خرید لیا تو چونکہ خام مال قابل زکوٰۃ ہے اس لیے یہ قرض منہا کیا جائے گا کیونکہ دوسری طرف یہ خام مال ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی مجموعی مالیت میں پہلے سے شامل ہو چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نارمل قسم کے قرض تو پورے کے پورے مجموعی مالیت سے منہا ہو جائیں گے

اور جو قرضے پیداواری اغراض کے لیے لیے گئے ہیں اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے ناقابل زکوٰۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا نہیں ہوگا اور اگر قابل زکوٰۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا ہوگا۔ یہ تو زکوٰۃ نکالنے کے بارے میں احکام تھے۔

زکوٰۃ مستحق کو ادا کریں

دوسری طرف زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں بھی شریعت نے احکام بتائے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زکوٰۃ نکالو، نہ یہ فرمایا کہ زکوٰۃ پھینکو بلکہ فرمایا: "اتوا الزکوٰۃ" (زکوٰۃ ادا کرو) یعنی یہ دیکھو کہ اس جگہ پر زکوٰۃ جائے جہاں شرعاً زکوٰۃ جانی چاہیے۔ بعض لوگ زکوٰۃ نکالتے تو ہیں لیکن اس کی پروا نہیں کرتے کہ صحیح مصرف پر خرچ ہو رہی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ نکال کر کسی کے حوالے کر دی اور اس کی تحقیق نہیں کی کہ یہ صحیح مصرف پر خرچ کرے گا یا نہیں؟ آج بے شمار ادارے دنیا میں کام کر رہے ہیں' ان میں بہت سے ادارے ایسے بھی ہوں گے جن میں بسا اوقات اس بات کا لحاظ نہیں ہوتا ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم صحیح مصرف پر خرچ ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس لیے فرمایا کہ زکوٰۃ ادا کرو یعنی جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو۔

زکوٰۃ کا مستحق کون؟

اس کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ زکوٰۃ صرف انہی اشخاص کو دی جاسکتی ہے جو صاحب نصاب نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو بھی وہ مستحق زکوٰۃ نہیں رہتا۔ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو۔

مستحق کو مالک بنا کر دیں

اس میں بھی شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دو۔ یعنی وہ مستحق

زکوٰۃ اپنی ملکیت میں خودمختار ہو کہ جو چاہے کرے۔ اسی وجہ سے کسی بلڈنگ کی تعمیر پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی' کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہوں پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔ اس لیے کہ اگر زکوٰۃ کے ذریعے تعمیرات کرنے اور ادارے قائم کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو زکوٰۃ کی رقم سب لوگ کھا پی کر ختم کر جاتے کیونکہ اداروں کے اندر تنخواہیں بے شمار ہوتی ہیں' تعمیرات پر خرچ لاکھوں کا ہوتا ہے اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ غیر صاحب نصاب کو مالک بنا کر زکوٰۃ دو' یہ زکوٰۃ فقراء اور غرباء اور کمزوروں کا حق ہے؟ لہٰذا یہ زکوٰۃ انہی تک پہنچنی چاہیے جب ان کو مالک بنا کر دے دو گے تو تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے

یہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم انسان کے اندر یہ طلب اور جستجو خود بخود پیدا کرتا ہے کہ میرے پاس زکوٰۃ کے اتنے پیسے موجود ہیں ان کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا ہے اس لیے وہ مستحقین کو تلاش کرتا ہے کہ کون کون لوگ مستحقین ہیں اور ان مستحقین کی فہرست بناتا ہے' پھر ان کو زکوٰۃ پہنچاتا ہے یہ بھی انسان کی ذمہ داری ہے۔ آپ کے محلے میں' ملنے جلنے والوں میں' عزیز و اقارب اور رشتہ داروں میں' دوست احباب میں جو مستحق زکوٰۃ ہوں' ان کو زکوٰۃ ادا کریں اور ان میں سے سب سے افضل یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ ادا کریں اس میں ڈبل ثواب ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ہے اور صلہ رحمی کرنے کا ثواب بھی ہے اور تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں صرف دو رشتے ایسے ہیں جن کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ایک ولادت کا رشتہ ہے لہٰذا باپ بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیٹا باپ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ دوسرا نکاح کا رشتہ ہے لہٰذا شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ ان کے علاوہ باقی تمام رشتوں میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مثلاً بھائی کو' بہن کو' چچا کو' خالہ کو' پھوپھی کو' ماموں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے البتہ یہ ضرور دیکھ لیں کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں اور صاحب نصاب نہ ہو۔

بیوہ اور یتیم کو زکوٰۃ دینے کا حکم

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی خاتون بیوہ ہے تو اس کو زکوٰۃ ضرور دینی چاہیے

حالانکہ یہاں بھی شرط یہ ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو اور صاحب نصاب نہ ہو۔ اگر بیوہ مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر ایک خاتون بیوہ ہے اور مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو محض بیوہ ہونے کی وجہ سے وہ مصرف زکوٰۃ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح یتیم کو زکوٰۃ دینا اور اس کی مدد کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن یہ دیکھ کر زکوٰۃ دینی چاہیے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے لیکن اگر کوئی یتیم ہے مگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ صاحب نصاب ہے تو یتیم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ ان احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔

بینکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا حکم

کچھ عرصے سے ہمارے ملک میں سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام قائم ہے اس کی وجہ سے بہت سے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے، کمپنیاں بھی زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کو ادا کرتی ہیں۔ اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔

جہاں تک بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا تعلق ہے تو اس کٹوتی سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ احتیاطاً ایسا کریں کہ یکم رمضان آنے سے پہلے دل میں یہ نیت کرلیں کہ میری رقم سے جو زکوٰۃ کٹے گی وہ میں ادا کرتا ہوں اس سے اس کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، دوبارہ زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔

اس میں بعض لوگوں کو یہ شبہ رہتا ہے کہ ہماری پوری رقم پر سال پورا نہیں گزرا جب کہ پوری رقم پر زکوٰۃ کٹ گئی۔ اس کے بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر ہر رقم پر سال گزرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو اس صورت میں سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے بھی جو رقم آپ کے پاس آئی ہے اس پر جو زکوٰۃ کٹی ہے وہ بھی بالکل صحیح کٹی ہے کیونکہ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گئی تھی۔

اکاؤنٹ کی رقم سے قرض کس طرح منہا کریں؟

البتہ اگر کسی شخص کا سارا اثاثہ بینک ہی میں ہے خود اس کے پاس کچھ بھی موجود نہیں اور دوسری طرف اس کے اوپر لوگوں کے قرضے ہیں تو اس صورت میں بینک تو تاریخ آنے پر زکوٰۃ

کاٹ لیتا ہے حالانکہ اس رقم سے قرضے منہا نہیں ہوتے جس کے نتیجے میں زیادہ زکوٰۃ کٹ جاتی ہے۔ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ یا تو آدمی وہ تاریخ آنے سے پہلے اپنی رقم بینک سے نکال لے یا کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھ دے بلکہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی رقم کرنٹ اکاؤنٹ ہی میں رکھے۔ سیونگ اکاؤنٹ میں بالکل نہ رکھے اس لیے کہ وہ تو سودی اکاؤنٹ ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ میں زکوٰۃ نہیں کٹتی۔ بہرحال زکوٰۃ کی تاریخ آنے سے پہلے وہ رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں منتقل کردے جب کرنٹ اکاؤنٹ سے زکوٰۃ نہیں کٹے گی تو آپ اپنے طور پر حساب کرکے قرض منہا کرکے زکوٰۃ ادا کریں۔ دوسرا حل یہ ہے کہ وہ شخص بینک کو لکھ کر دے دے کہ میں صاحب نصاب نہیں ہوں اور صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے میرے اوپر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اگر یہ لکھ کر دے دے تو قانوناً اس کی رقم سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جائے گی۔

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ کاٹنا

ایک مسئلہ کمپنی کے شیئرز کا ہے۔ جب کمپنی شیئرز پر سالانہ منافع تقسیم کرتی ہے تو اس وقت وہ کمپنی زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے لیکن کمپنی ان شیئرز کی جو زکوٰۃ کاٹتی ہے وہ اس شیئرز کی فیس ویلیو (Face Value) کی بنیاد پر زکوٰۃ کاٹتی ہے حالانکہ شرعاً ان شیئرز کی مارکیٹ قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے لہٰذا فیس ویلیو پر جو زکوٰۃ کاٹ لی گئی ہے وہ تو ادا ہوگئی البتہ فیس ویلیو اور مارکیٹ ویلیو کے درمیان جو فرق ہے اس کا آپ کو اس بنیاد پر حساب کرنا ہوگا جس کی تفصیل شیئرز کی زکوٰۃ کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک شیئر کی فیس ویلیو پچاس روپے تھی اور اس کی مارکیٹ ویلیو ساٹھ روپے ہے تو اب کمپنی والوں نے پچاس روپے کی زکوٰۃ ادا کردی۔ لہٰذا دس روپے کی زکوٰۃ آپ آپ کو الگ سے نکالنی ہوگی۔ کمپنی کے شیئرز اور این آئی ٹی یونٹ دونوں کے اندر یہی صورت ہے لہٰذا جہاں کہیں فیس ویلیو پر زکوٰۃ کٹتی ہے وہاں مارکیٹ ویلیو کا حساب کرکے دونوں کے درمیان جو فرق ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

زکوٰۃ کی تاریخ کیا ہونی چاہیے؟

ایک بات یہ سمجھ لیں کہ زکوٰۃ کے لیے شرعاً کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے اور نہ کوئی زمانہ مقرر ہے کہ اس زمانے میں یا اس تاریخ میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی بلکہ ہر آدمی کی زکوٰۃ کی

تاریخ جدا ہوتی ہے۔ شرعاً زکوۃ کی اصل تاریخ وہ ہے جس تاریخ اور جس دن آدمی پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا' مثلاً ایک شخص یکم محرم الحرام کو پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا تو اس کی زکوۃ کی تاریخ یکم محرم الحرام ہوگئی۔ اب آئندہ ہر سال اس کو یکم محرم الحرام کو اپنی زکوۃ کا حساب کرنا چاہیے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ ہم کس تاریخ کو پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنے تھے اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے وہ اپنے لیے کوئی ایسی تاریخ زکوۃ کے حساب کی مقرر کرلے جس میں اس کے لیے حساب لگانا آسان ہو' پھر آئندہ ہر سال اسی تاریخ کو زکوۃ کا حساب کرکے زکوۃ ادا کرے' البتہ احتیاطاً کچھ زیادہ ادا کردیں۔

کیا رمضان المبارک کی تاریخ مقرر کر سکتے ہیں؟

عام طور پر لوگ رمضان المبارک میں زکوۃ نکالتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان المبارک میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا زکوۃ بھی چونکہ فرض ہے اگر رمضان المبارک میں ادا کریں گے تو اس کا ثواب بھی ستر گنا ملے گا۔ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے اور یہ جذبہ بہت اچھا ہے لیکن اگر کسی شخص کو اپنے صاحب نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو محض اس ثواب کی وجہ سے وہ شخص رمضان کی تاریخ مقرر نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ اسی تاریخ پر اپنی زکوۃ کا حساب کرے۔ البتہ زکوۃ کی ادائیگی میں یہ کرسکتا ہے کہ اگر تھوڑی تھوڑی زکوۃ ادا کررہا ہے تو اس طرح ادا کرتا رہے اور باقی جو بچے اس کو رمضان المبارک میں ادا کردے۔ البتہ اگر تاریخ یاد نہیں ہے تو پھر گنجائش ہے کہ رمضان المبارک کی کوئی تاریخ مقرر کرلے۔ البتہ احتیاطاً زیادہ ادا کردے تاکہ اگر تاریخ کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے جو فرق ہوگیا ہو وہ فرق بھی پورا ہوجائے۔

پھر جب ایک مرتبہ جو تاریخ مقرر کرلے تو پھر ہر سال اسی تاریخ کو اپنا حساب لگائے اور یہ دیکھے کہ اس تاریخ میں میرے کیا کیا اثاثے موجود ہیں' اس تاریخ میں نقد رقم کتنی ہے' اگر سونا موجود ہے تو اسی تاریخ کی سونے کی قیمت لگائے' اگر شیئرز ہیں تو اسی تاریخ کی ان شیئرز کی قیمت لگائے' اگر اسٹاک کی قیمت لگانی ہے تو اسی تاریخ کی اسٹاک کی قیمت لگائے اور پھر ہر سال اسی تاریخ کو حساب کرکے زکوۃ ادا کرنی چاہیے' اس تاریخ سے آگے پیچھے نہیں کرنا چاہیے۔ (اصلاحی خطبات)

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے زکوٰۃ کے مناسب محل اور اس کے اوقات کی حکمت و مصلحت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ

وہ دروازے جو صالح سلاطین نے بلا کسی تکلیف و مشقت کے زکوٰۃ کیلئے کھولے تھے اور جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے چار ہیں۔ اول یہ کہ اموال نامیہ سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے کہ اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور نمو ملک کے باہر آنے جانے کے بغیر پورا نہیں ہوتا"۔

اموال نامیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مویشی' کاشت' تجارت دوسرے یہ کہ خزانہ کے مالکوں اور سرمایہ داروں سے لی جائے اس لئے کہ انکو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے امل کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کی آمدنی کی مدیں اتنی زیادہ ہیں کہ اس نئے خرچ سے ان کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

تیسرے یہ کہ ان کے اموال سے لی جائے جو بغیر کسی محنت و سعی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ مثلاً عہد جاہلیت کے خزانے اور قدماء کے دفینے اس لئے کہ ان کی حیثیت بالکل مفت کی سی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا بہت آسان ہے۔

چوتھے یہ کہ عام تجارت پیشہ لوگوں سے لی جائے۔ اگر سب سے تھوڑا تھوڑا لیا جائے گا تو ان پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا اور مجموعہ کافی ہو جائے گا۔

تجارت۔ (مع درآمد برآمد) غلہ اور پھل زکوٰۃ کی سب سے اہم قسمیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کیلئے ایک سال رکھا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ درمیان میں مختلف فصلیں اور حالتیں پیش آتی ہیں جن میں پیداوار میں اضافہ کا امکان بہت رہتا ہے اور اسکا اندازہ کرنے کیلئے ایک سال بالکل کافی ہے آسان اور مطابق مصلحت یہی ہے کہ زکوٰۃ انہی اموال کا ایک جزو ہو مثلاً اونٹ کے گلے سے ایک اونٹنی گائے کے ریوڑ سے ایک گائے' بکری کے ریوڑ سے ایک بکری۔

زکوٰۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام

زکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے سورہ برأت کی آیت میں بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

صدقات واجبہ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرض داروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد میں) یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ (سورۃ البرأۃ)

سورۃ برأۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس وقت اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوگئی تھیں اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے اس کے بعد زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف جگہوں پر اپنے اعمال اور محصلین بھیجے اور ان کو اس کی تحصیل کے احکام اور آداب بھی بتائے اور بہت سی ایسی وصیتیں کیں جن میں شفقت، حکمت اور انفرادی مصلحت کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ تھا۔

چنانچہ آپ نے معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ھ میں یمن روانہ کرنے سے پہلے ہدایات دیں وہ زکوٰۃ کے قانون کے اساس اور گویا اس کا سرکاری منشور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں پس دعوت دو ان کو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات قبول کرلیں تو ان کو یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا۔ اگر وہ یہ بات بھی منظور کرلیں تو بس تم کو چاہئے کہ ان کے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرو اور مظلوم کی دعا اور پکار سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ زکوٰۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ زکوۃ میں سب سے زیادہ اہم دو مصالح ہیں پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے۔ اس لئے کہ نفس اور حرص وبخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو معاد (آخرت) میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر زکوۃ کی مشق اس کو ہوگی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہوگی جو بالآخر اس کو نفع پہنچائے گی۔

انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد معاد میں سب سے اعلیٰ اخلاق سخاوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ انابت وعبودیت دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے اس طرح سخاوت، خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور بہیمانہ صفات ان سے دب جائیں بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے۔ اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت واحتیاج کے راہ خدا میں خرچ کیا جائے ظالم کو معاف کیا جائے۔ مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف ومشکلات آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان وخوشگوار ہو جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کی حدود مقرر فرمائے ہیں جنہیں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود وقیود کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ اہل نار کے بارے میں فرماتا ہے۔

قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ

ترجمہ۔ وہ کہیں گے کہ ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے"۔

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے اس لئے کہ ضعفاء اور اہل حاجب جمع ہوں گے اگر ان کی ہمدردی واعانت کی یہ سنت نہ ہو تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں۔ اس کے علاوہ

شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین و منتظمین اپنی ان مشغولیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے مشترکہ اخراجات یا چندے نہ سب کیلئے آسان ہیں نہ ممکن اس لئے رعیت سے ان مصالح کیلئے مقرر رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم وملزوم رہیں اس لئے شریعت نے اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے۔ علامہ بحرالعلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں بلکہ دوسری عبادتوں کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے وہ کہتے ہیں۔

ادائیگی زکوٰۃ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ بہت بڑی عبادت ہے جس طرح نماز کا مقصد سوائے حصول عبادت کے کچھ نہیں چنانچہ نیت اس کیلئے فرض ہے اگر بلا نیت ادا کرے گا تو جس طرح نماز بلا نیت کی نہیں ہوتی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

البتہ نماز بلا نیت کے باطل ہو جاتی ہے بخلاف زکوٰۃ کے جو نیت کے ہدیہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکار لوگوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات

زکوٰۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ قوانین اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان مابہ الامتیاز خصوصیات نے زکوٰۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے اور اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے اور اس کے اندر زندگی و اخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنیکی ایسی قوت و صلاحیت پیدا کر دی ہے جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں (خواہ اس میں انصاف و اعانت کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انذار

ان خصوصیات میں سب سے زیادہ بنیادی اور موثر چیز ایمان و احتساب کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈال دیتی ہے اس روح یا اسپرٹ سے رسمی ٹیکس، سرکاری

قوانین اور معاشی حد بندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی گرانی اور بد دلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اس پر اجر و ثواب ملے گا بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر تعیشات، اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے جرمانے دھمکیاں، سزائیں اور خشک ترین قوانین ہوتے ہیں جن سے عوامی ناراضگی بے اطمینانی اور بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکومتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا قرآن و حدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل، دنیا و آخرت میں اس کے نتائج ثمرات، اجر و ثواب، مال و دولت میں برکت یا زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کیساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

ترجمہ۔ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس کے سات بالیاں اگیں۔ ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ان کیلئے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسلامی شریعت میں ان فضائل کے مقام و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

انفاق کی ترغیب وفضیلت پر جو احادیث آئی ہیں ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ عملی سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوۃ کی روح ہے اور تہذیب نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پاسکتا ہے۔ بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوۃ کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے حرص ہی نے تو پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے۔ دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

بے شک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

بے شک صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے۔

مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے

زکوۃ اور ان ٹیکسوں کے درمیان جو شخصی سلطنتوں میں یا نئے زمانے کی جمہوری اور عوامی حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق جو اس کے اثرات ونتائج پر پورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت اور حیثیت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا۔

تو خذ من اغنیائهم و ترد علی فقرائهم۔

ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے غربا میں تقسیم کیا جائے۔

یہ زکوۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے جو عہد اول میں نظر آتی ہے اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہئے وہ ان اغنیاء (جو اس کے شرائط فرضیت پر پورے اترتے ہیں اور زکوۃ کا منصوص اور معین نصاب ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور کسی مقنن اور قانون ساز ادارے یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ (الایۃ) صدقات (واجب) تو صرف غریبوں کا حق ہے۔

شریعت اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہر کے فقراء اور اہل حاجت ہیں۔ زکوٰۃ کا یہ نظام ان حکومتوں میں بھی قائم رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فیصدی عامل نہ تھیں۔ چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سائے میں کبھی اپنے حقوق سے کلیۃً محروم نہیں رہے اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوئے۔ یہ وہ حکومتیں ہیں جن کی مدت میں بہت سے غرض مند مورخ اور مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی سپرٹ

زکوٰۃ کا تیسرا امتیازی پہلو اخلاص، تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے جو ہر لمحہ اس میں جاری وساری رہتی ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے آداب، اعلیٰ اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہل خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں اور اپنے صدقہ وخیرات کو اس سے ملوث کر کے بے قیمت نہ بنائیں اس نے اہل خیر کی مدح کی ہے۔ جن کے اندر تواضع واخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر طاری ہوتی ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ

ترجمہ۔ اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ

ترجمہ۔ تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔

ان اہل خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ ان کو اخلاص کامل اور ہر قسم کی اغراض سے آزادی سے متصف قرار دیتا ہے۔ (خطبات علی میاں ج ۷)

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

مالک نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی ملکیت کا مکلف بنایا ہے' ہر انسان پر اس کی ملکیت کے حساب سے احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر باپ صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ اس کی ملکیت کے حساب سے واجب ہے' اگر بیٹا بھی صاحب نصاب ہے تو بیٹے پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے' اگر شوہر صاحب نصاب ہے اور بیوی بھی صاحب نصاب ہے تو شوہر پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور بیوی پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے' ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار ہے۔

باپ کی زکوٰۃ بیٹے کیلئے کافی نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کا جو بڑا اور سربراہ ہے' چاہے وہ باپ ہو یا شوہر ہو' اگر اس نے زکوٰۃ نکال دی تو سب کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو گئی' اب گھر کے دوسرے افراد کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست نہیں' اس لیے کہ جس طرح باپ کے نماز پڑھ لینے سے بیٹے کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ بیٹے کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی اور جس طرح شوہر کے نماز پڑھ لینے سے بیوی کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ بیوی کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی۔ اسی طرح زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ گھر کے اندر جو شخص بھی صاحب نصاب ہے' چاہے وہ باپ ہے' بیٹا ہے' بیٹی ہے' بیوی ہے' شوہر ہے' سب پر اپنی اپنی ملکیت کے حساب سے الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مال پر سال گزرنے کا مسئلہ

ایک اور مسئلہ جس میں لوگوں کو بکثرت غلط فہمی رہتی ہے' وہ مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال پر سال گزر جائے' سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ عام طور پر لوگ اس مسئلہ کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ ہر ہر مال پر الگ الگ سال گزرنا ضروری ہے حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سارے سال صاحب نصاب رہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس یکم رمضان المبارک کو دس ہزار روپے آ گئے۔ اب یہ شخص صاحب نصاب ہو گیا۔ اب اگر سال کے اکثر حصے میں اس کے پاس ان میں سے چھ ہزار روپے موجود رہے ہیں یا چھ ہزار روپے کی مالیت کا زیور رہا ہے یا مال تجارت رہا ہے تو وہ صاحب نصاب ہے' اگر درمیان سال میں اس کے پاس اور روپے آ گئے تو اس پر علیحدہ سے مکمل سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگلے رمضان کی پہلی تاریخ کو جتنی رقم یا زیور یا مال تجارت ہوگا' اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دو دن پہلے آنے والے مال میں زکوٰۃ

مثلاً یکم رمضان سے دو دن پہلے اس کے پاس دس ہزار روپے مزید آ گئے تو اب یکم رمضان کو اس دس ہزار روپے میں بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اس پر علیحدہ سے سال گزرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ وہ شخص پورے سال صاحب نصاب رہا ہے اس لیے اگر درمیان میں کوئی اضافہ ہو جائے تو ان پر الگ سے سال گزرنا ضروری نہیں۔

زکوٰۃ کن چیزوں میں فرض ہوتی ہے؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ زکوٰۃ ان چیزوں میں فرض ہوتی ہے (۱) نقد روپیہ' چاہے بینک میں ہو یا گھر پر ہو' اس پر زکوٰۃ فرض ہے (۲) سونے چاندی اور زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے' چاہے زیور استعمال ہو رہا ہو' یا یونہی رکھا ہوا ہو اور وہ زیور جس کی ملکیت میں ہوگا اسی پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں بڑی بدنظمی پائی جاتی ہے' گھر

میں خاتون کے پاس جو زیور ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے کیا وہ عورت کی ملکیت ہے یا شوہر کی ملکیت ہے؟ شرعی اعتبار سے اس کو واضح کرنا ضروری ہے۔

زیور کس کی ملکیت ہوگا؟

مثلاً شادی کے موقع پر عورت کو جو زیور چڑھایا جاتا ہے اس میں سے کچھ زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے اور کچھ زیور لڑکے کے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے وہ سو فیصد لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اور لڑکی ہی پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے اور جو زیور لڑکے کے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے وہ دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک طرح سے عاریتاً دیا جاتا ہے' اس کا مالک لڑکا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس زیور کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی' البتہ اگر لڑکا اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں یہ زیور دے دیا تم اس کی مالک ہو' تو اب زیور عورت کی ملکیت میں آجائے گا اور اس کی زکوٰۃ عورت ہی پر فرض ہوگی۔ لہٰذا اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ گھر میں جو زیور ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ اس کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں جھگڑے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو زیور شوہر کی ملکیت ہے اس کی زکوٰۃ شوہر پر فرض ہوگی اور جو زیور عورت کی ملکیت ہے اس کی زکوٰۃ عورت پر فرض ہے۔

زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیور کا وزن کر لیا جائے چونکہ زکوٰۃ سونے کے وزن پر فرض ہوتی ہے اس لیے اگر زیور میں موتی لگے ہوئے ہیں یا کوئی اور دھات اس کے اندر شامل ہے تو وہ وزن میں شامل نہیں ہوں گے۔ لہٰذا خالص سونا دیکھا جائے کہ اس زیور میں کتنا سونا ہے؟ پھر اس وزن کو کسی جگہ لکھ کر محفوظ کر لیا جائے کہ فلاں زیور کا اتنا وزن ہے پھر جس تاریخ میں زکوٰۃ کا حساب کیا جائے مثلاً یکم رمضان کو زکوٰۃ کی تاریخ مقرر کی ہوئی ہے تو اب یکم رمضان کو بازار سے سونے کی قیمت معلوم کی جائے کہ آج بازار میں سونے کی کیا قیمت ہے؟ معلوم کرنے کے بعد اس کا حساب نکالا جائے کہ اس زیور میں کتنی مالیت کا سونا ہے۔ اس مالیت

پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ مثلاً اگر اس سونے کی مالیت ایک ہزار روپے ہے تو اس پر ۲۵ روپے زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر دو ہزار ہے تو ۵۰ پچاس روپے واجب ہوگی اور اگر چار ہزار روپے ہے تو سو روپے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس طرح حساب کر کے اڑھائی فیصد زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ سونے کی قیمت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کر رہے ہیں جس دن آپ نے سونا خریدا تھا اس دن کی قیمت خرید معتبر نہیں ہوگی۔

مال تجارت میں زکوٰۃ

تیسری چیز جس میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے وہ مال تجارت ہے مثلاً کسی شخص نے کوئی دکان کھولی ہوئی ہے اب اس دکان میں جتنا مال رکھا ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت اس طرح لگائی جائے گی کہ اگر اس کا پورا سامان آج ایک ساتھ فروخت کیا جائے تو اس کی کیا قیمت لگے گی؟ بس قیمت کا اڑھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کرنا ہوگا۔

کمپنی کے شیئرز میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کسی کمپنی کے شیئرز خریدے ہوئے ہیں تو وہ شیئرز بھی مال تجارت میں داخل ہیں۔ لہٰذا ان شیئرز کی جو بازاری قیمت ہے اس قیمت کا اڑھائی فیصد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا ہوگا۔ آج کل کمپنیاں خود شیئرز کی زکوٰۃ کاٹ لیتی ہیں لیکن وہ کمپنیاں شیئرز کی اصل قیمت پر زکوٰۃ کاٹتی ہیں' بازاری قیمت پر نہیں کاٹتیں' مثلاً ایک کمپنی کے شیئرز کی اصل قیمت دس روپے ہے اور بازار میں اس کی قیمت پچاس روپے ہے اب کمپنی تو دس روپے کے حساب سے زکوٰۃ کاٹ لے گی لیکن درمیان میں چالیس روپے کا جو فرق ہے اس کی زکوٰۃ شیئرز ہولڈرز کو خود ادا کرنی ضروری ہے۔

مکان یا پلاٹ میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے یعنی اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس پلاٹ کو فروخت کر کے اس سے نفع کماؤں گا تو اس مکان اور پلاٹ کی مالیت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں

خریدا بلکہ رہائش کی نیت سے خریدا ہے یا اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس مکان کو کرایہ پر دے کر اس سے آمدنی حاصل کروں گا تو اس صورت میں مکان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ البتہ جو کرایہ آئے گا وہ نقدی میں شامل ہو کر اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

خام مال میں زکوٰۃ

بہرحال بنیادی طور پر تین چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (۱) نقدی (۲) زیور (۳) مال تجارت۔ مال تجارت میں خام مال بھی شامل ہوگا۔ مثلاً اگر کسی کمپنی کے اندر خام مال پڑا ہوا ہے تو زکوٰۃ کا حساب جس دن کیا جائے گا اس دن اس خام مال کی قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ضروری ہوگی اور جو مال تیار ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بیٹے کی طرف سے باپ کا زکوٰۃ ادا کرنا

لیکن اگر زکوٰۃ گھر کے تین افراد پر الگ الگ فرض ہے اور ان میں کوئی ایک دوسرے کو اجازت دے دے کہ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ میری طرف سے زکوٰۃ ادا کر دیں، پھر وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے، چاہے اپنے پیسوں سے ادا کر دے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کے تین بیٹے بالغ ہیں اور تینوں صاحب نصاب ہیں یعنی تینوں بیٹوں کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر قابل زکوٰۃ اثاثے موجود ہیں۔ لہٰذا تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے اور باپ پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے لیکن اگر باپ اپنے بیٹوں کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ بیٹوں کی طرف سے اجازت ہو، اجازت کے بعد اگر باپ ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

بیوی کی طرف سے شوہر کا زکوٰۃ ادا کرنا

اسی طرح اگر شوہر بھی صاحب نصاب ہے اور بیوی بھی صاحب نصاب ہے کیونکہ اس کے پاس اتنا زیور ہے جو نصاب زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زیادہ ہے لیکن بیوی کے پاس زکوٰۃ ادا

کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں اب وہ بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور تو نہیں کر سکتی لیکن اگر شوہر یہ کہے کہ تمہاری زکوٰۃ میں ادا کر دیتا ہوں اور بیوی اس کو اجازت دے دے اور پھر شوہر اپنے پیسوں سے اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو بیوی کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ البتہ اگر شوہر بخیل ہے اور بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تب بھی بیوی پر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا' چاہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے اس کو اپنا زیور ہی کیوں نہ فروخت کرنا پڑے۔

زیور کی زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تو ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں چاندی کی انگوٹھیاں نظر آئیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ انگوٹھیاں کہاں سے آئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے یہ کہیں سے حاصل کی ہیں اس لیے کہ یہ مجھے اچھی لگ رہی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اس کے بدلے تمہیں آخرت میں آگ کی انگوٹھیاں پہنائی جائیں تو بیشک اس کی زکوٰۃ نہ نکالو لیکن اگر آگ کی انگوٹھیاں پہننے سے بچنا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی تاکید فرمائی ہے۔ لہٰذا خواتین کو زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا بہت اہتمام کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ زیور ان کی ملکیت ہو۔

عورت کی ملکیت میں زیور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیور یا تو اس نے اپنے پیسوں سے خریدا ہو یا کسی نے اس کو ہدیہ میں دیا ہو یا وہ شادی کے موقع پر اپنی ماں کے گھر سے لائی ہو یا شوہر وہ زیور مہر کے طور پر بیوی کی ملکیت میں دے دے' مثلاً مہر پاس ہزار روپے تھا اور شادی کے موقع پر شوہر کی طرف سے زیور چڑھایا گیا لیکن چونکہ اس وقت کوئی وضاحت شوہر نے نہیں کی تھی اس لیے وہ زیور شوہر کی ملکیت میں تھا' اب اگر وہ شوہر یہ کہہ دے کہ میں نے

شادی کے موقع پر جو زیور چڑھایا ہے وہ میں تمہیں مہر کے طور پر دیتا ہوں۔ یہ تمہارا مہر کا حصہ ہے تو اس صورت میں اس زیور کے ذریعے مہر ادا ہو جائے گا اور بیوی اس زیور کی مالک بن جائے گی اب اس زیور کی زکوٰۃ بیوی پر فرض ہوگی شوہر پر فرض نہیں ہوگی۔ اب بیوی کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے چاہے خود پہنے یا فروخت کر دے یا کسی کو دے دے شوہر کو اجازت نہیں کہ وہ بیوی کو ان کاموں سے روکے اس لیے کہ وہ زیور اب اس کی ملکیت میں آ چکا ہے۔

بہر حال ہر چیز کا یہی حکم ہے کہ جو شخص جس چیز کا مالک ہے اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی البتہ اگر دوسرا شخص اس کی اجازت سے رضاکارانہ طور پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً بیوی کی طرف سے شوہر دے دے یا اولاد کی طرف سے باپ دے دے بشرطیکہ اجازت ہو بغیر اجازت کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ اس کا اپنا فریضہ ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقفیت بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن بسا اوقات وہ زکوٰۃ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتی اور اس کے نتیجے میں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا وبال سر پر رہتا ہے اس لیے خدا کے لیے زکوٰۃ کے بنیادی مسائل کو سیکھ لیں یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں کیونکہ انسان کے پاس جتنے اثاثے ہیں ان میں سے صرف تین چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ایک سونا چاندی پر دوسرے نقد روپے پر اور تیسرے سامان تجارت پر یعنی ہر وہ چیز جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی گئی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے ان کے علاوہ گھر کے اندر جو استعمال کی اشیاء ہیں مثلاً گھر کا فرنیچر گاڑی رہائشی مکان استعمال کے برتن وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں البتہ گھر میں یا بینک میں جو رقم رکھی ہے یا گھر میں جو زیور اور سونا چاندی ہے یا کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن اگر رہنے کے لیے مکان خریدا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہر حال زکوٰۃ کی ادائیگی کا معاملہ آسان ہے زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن ذرا سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ (اصلاحی خطبات)

زکوٰۃ دینے والوں پر اللہ کی رحمت ہے

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی مجالس میں فرماتے ہیں۔

زکوٰۃ کتنا عظیم الشان فریضہ ہے! اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ مقرر کر کے زکوٰۃ دینے والوں پر رحمت فرمائی اور زکوٰۃ لینے والوں پر بھی رحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ زکوٰۃ دینے والوں کے باقی مال کو پاک فرما دیتے ہیں اور اس میں برکت عطا فرماتے ہیں اور اس کا عظیم الشان ثواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کم از کم ایک روپیہ خرچ کرنے کا دس گنا ثواب ملتا ہے اور رمضان میں ستر گنا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ تو رحمت مال دینے والوں پر ہے اور پھر مال بھی کتنا تھوڑا سا' سال بھر میں خرچ کر کے جتنا مال بچا' کروڑوں روپیہ پورے سال میں' کھانے میں' پہننے میں' پینے میں' تفریحوں میں' رشتہ داروں میں' عزیزوں میں' غریبوں میں جتنا خرچ کر دیا اس کی کوئی پوچھ نہیں اس کا کوئی حساب نہیں' جو کچھ بچ گیا اس پر زکوٰۃ ہے' وہ جو بچا اس میں بھی ہر مال پر نہیں' رہائشی مکان پر نہیں' دکان پر نہیں' فرنیچر پر نہیں' گاڑی پر نہیں بلکہ زکوٰۃ کس چیز پر ہے بس سونے پر' چاندی پر' نقد روپے پر اور مال تجارت پر' جو تجارت کیلئے مال رکھا ہوا ہے' سال بھر میں جو کچھ خرچ کرنے کے بعد' صرف ان چار قسموں میں سے جو مال بچا اس میں بھی کتنا ڈھائی فیصد' سو روپے میں صرف ڈھائی روپے کتنی معمولی رقم ہے' ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار' ایک کروڑ میں سے ڈھائی لاکھ' جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جتنا زیادہ دیا اسی نسبت سے وہ ڈھائی فیصد مال نکالتے ہیں اور ثواب بھی اتنا عظیم الشان رکھا کہ کوئی حد انتہا نہیں۔

زکوٰۃ لینے والوں پر اللہ کی رحمت ہے

اور زکوٰۃ لینے والوں پر اللہ تعالیٰ نے بہت رحم فرمایا کہ غریب طبقے کو اگر زکوٰۃ صحیح طریقے پر دی جائے اور اس کے صحیح صحیح مصرف تک زکوٰۃ پہنچائی جائے تو اس ملک میں

مانگنے والے نہیں رہیں گے، کیونکہ زکوٰۃ دینے والوں کا مال بہت زیادہ ہے اور دینے والوں کو یہ فکر ہوگی کہ میں اپنی زکوٰۃ کس کو دوں؟ ان شاء اللہ اگر زکوٰۃ ایمانداری سے نکالی جائے اور لینے والے بھی احتیاط رکھیں تو لیکن کیا ہو رہا ہے مستحق کو زکوٰۃ نہیں مل رہی اور مالدار صحیح طریقے سے زکوٰۃ نکال نہیں رہے۔

لوگوں کو دھوکا دیکر زکوٰۃ وصول کرنا

رمضان میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو لوگوں کو دھوکا دے دے کر زکوٰۃ وصول کرتی ہے کوئی مصنوعی مدرسہ کا سفیر بنا ہوا ہے اور ایک لیٹر پیڈ اس نے لے رکھا ہے اور رسید بک لے رکھی ہے، صاحب فلاں مدرسہ ہے فلاں شہر میں فلاں گاؤں میں ایسا نام لے گا کہ کوئی آدمی وہاں جا ہی نہ سکے اور اتنے طالب علم رہتے ہیں، اتنا کھانا اور اتنا خرچہ ہے وغیرہ وغیرہ اور اس طرح زکوٰۃ وصول کر لیتے ہیں۔ انگلینڈ (برطانیہ) سے میرے پاس ایک مرتبہ فون آیا کہ ایک صاحب ابھی آئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تھوڑی دیر میں آنا سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں، وہ کہتے ہیں کہ میں دارالعلوم کراچی کا نمائندہ ہوں اور دارالعلوم کی رسید بک بھی میرے پاس ہے اور زکوٰۃ، خیرات اور چندہ وغیرہ لینے آیا ہوں چونکہ مجھے معلوم ہے آپ کا کوئی سفیر چندہ کرنے کیلئے نہیں پھرتا۔ اس لئے یقین نہیں آیا، میں نے فون پر ان کو جواب دیا کہ جب وہ آئے تو اسے پولیس کے حوالے کر دینا۔

تو ایک بڑی مخلوق حرام خوری پر لگی ہوئی ہے یہ تو وہ لوگ ہیں جو دھوکے باز ہیں درحقیقت چور اور ڈکیت ہیں لیکن یہ کام انہوں نے آسان سمجھا ہے ڈاکہ مارنے میں تو جان کا خطرہ ہے۔ پولیس پکڑ لے گی، لوگ پکڑ لیں گے، گولی سے اڑا دیں گے لیکن یہ تو بڑا مقدس طریقہ ہے کہ مدرسوں کے طلبہ کی طرح کرتا اور پاجامہ پہن لو اور سفیر بن کر لوٹو، کھسوٹو الحمدللہ علما یہ کام نہیں کرتے، یہ کام چور اور بدمعاش کرتے ہیں جو علما کی صورت بنا لیتے ہیں اور مدرسوں کا نام لیکر چندہ کرتے ہیں اور پھر مدرسوں کی بدنامی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں

میں نے دیکھا بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دیندار اور غریب ہیں اور کسی درجہ میں ضرورت مند بھی ہیں لیکن وہ زکوٰۃ کے مستحق اور زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں لیکن یا تو ان کو مسئلہ معلوم نہیں

ہے یا معلوم ہونے کے باوجود حرام خوری کررہے ہیں مثلاً بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر چونکہ زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ ہمارے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ ہم پر زکوٰۃ فرض ہو۔ اس لئے ہمارے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اچھی طرح مسئلہ سمجھ لیجئے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس کو زکوٰۃ لینا جائز بھی ہے کیونکہ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جن پر زکوٰۃ تو فرض نہیں ہے لیکن ان پر قربانی یا صدقۃ الفطر واجب ہے ان کے پاس اتنا مال تو نہیں کہ زکوٰۃ فرض ہو جائے لیکن اتنا مال ہے جس سے صدقۃ الفطر یا قربانی واجب ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ان کے اوپر تو خود صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے اس لئے اگر کوئی زکوٰۃ لینا چاہتا ہے تو اس کو علما کو اپنی ملکیت کی تفصیل بتا کر پہلے مسئلہ سمجھ لینا چاہئے۔

مستحق کو بھی زکوٰۃ مانگنا جائز نہیں

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے پاس اتنا مال بھی نہیں جس سے صدقۃ الفطر یا قربانی واجب ہو تو ان کو زکوٰۃ لینا بالکل جائز ہے لیکن مانگنا پھر بھی جائز نہیں ہے۔ بغیر مانگے کوئی دیدے تو لے لیں۔ کیونکہ سوال کرنا حرام ہے۔ کسی مسلمان کو حالت اضطرار کے علاوہ سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی مسلمان کو سوال کرنا اس وقت حلال ہوتا ہے جس حالت میں خنزیر کا گوشت اور شراب حلال ہو جاتی ہے کہ اگر سوال نہیں کرے گا تو مر جائے گا' فاقوں پر فاقے ہو جائیں گے' ایسی صورت میں سوال کی گنجائش ہے اس کے علاوہ سوال کرنا جائز نہیں۔

ایک طالبعلم کی غلط فہمی

مجھے یاد آیا تقریباً تیں سال پہلے کا واقعہ ہے ایک صاحب میرے کرم فرما دوست ہیں۔ ان کا فون آیا اور انہوں نے ایک طالبعلم کا نام بتایا کہ فلاں ملک کا طالبعلم ہے وہ کہتا ہے کہ وہ آپ کا شاگرد ہے اور دارالعلوم میں پڑھتا ہے۔ اس کو عربی کی لغت المنجد کی ضرورت ہے تو میں اس کو لغت زکوٰۃ کی مد میں دینا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے پاس پیسے بھجوا دوں گا آپ ان کو کتاب دلا دیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اس کو لغت کی ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا مجھے اس طالب علم نے کہا تھا۔ پھر میں نے ان صاحب کو مسئلہ

سمجھایا کہ اگر آپ بغیر مانگے دے دیتے تو اس کیلئے لینا جائز تھا لیکن سوال کرنا تو اس طالب علم کو حرام تھا اب آپ اس طالب علم کو المنجد ہرگز نہ دلائیں۔ اب تو میں اس کی خبر خود لوں گا! چنانچہ پھر اس طالب علم کو میں نے بلا کر سمجھایا۔ تحقیق کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ اس بے چارے کو مسئلہ معلوم نہیں تھا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ میرے لئے زکوٰۃ کا سوال کرنا بھی جائز ہے۔

ایک رشتہ دار کا عبرت ناک واقعہ

اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے پھر بھی وہ زکوٰۃ لے لے تو حرام تو ہے ہی لیکن یاد رکھئے! اس کا وبال بھی ایسا سخت ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی سزا ملتی ہے میں نے کسی ایسے شخص کو خوش نہیں دیکھا جو مستحق زکوٰۃ تو نہیں تھا لیکن زکوٰۃ لیتا ہو۔ ایسا شخص کبھی نہیں پنپتا' ایسی ایسی مصیبتیں اس پر اور اس کے خاندان پر آتی ہیں کہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں نے اس کا گھر دیکھ لیا ہے۔

ایک صاحب ہمارے رشتہ داروں میں تھے ان کا انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ہندوستان (دیوبند) میں رہتے تھے ان کی اولاد اور پھر ان کی اولاد کی اولاد کو ہم نے دیکھا۔ ان کی تین پشتیں تو ہم نے دیکھ لی ہیں ان میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی خطرناک مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔ مرد بھی مبتلا ہیں اور عورتیں بھی۔ ایسی ایسی عجیب وغریب مصیبتیں ان پر آتی ہیں' بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں نے اس خاندان کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے۔ ایک مصیبت ختم ہوتی ہے دوسری شروع' دوسری ختم ہوتی ہے تیسری شروع' تیسری ختم ہوتی ہے' چوتھی شروع' کسی کا دماغ خراب ہوگیا ہے' کوئی عورت بیوہ ہوگئی ہے کسی کو طلاق ہوگئی' کوئی تین تین مرتبہ بیوہ ہوگئی ہے اور کوئی ایسا بچہ ہے جس کی نہ ماں زندہ رہی نہ باپ اور کوئی بیمار ہے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں ہے کسی کو دق ہوگئی ہے کسی کو کینسر ہوگیا ہے کوئی فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہا ہے کسی کو ہارٹ اٹیک ہوگیا ہے اور بچارے کی موت واقع ہوگئی اور پھر بچے یتیم ہوگئے۔ کوئی ایک فرد بھی مصیبتوں سے بچا ہوا نہیں ہے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان کی تیسری پشت نہیں دیکھی تھی دوسری پشت

دیکھی تھی۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے کہ اس خاندان میں جو مصیبتیں اتنی کثرت سے نظر آتی ہیں مجھے اس کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ فلاں صاحب جو ان کے دادا تھے وہ زکوٰۃ کے تو مستحق نہیں تھے لیکن زکوٰۃ لے لیا کرتے تھے۔

غیر مستحق کو زکوٰۃ لینے کی نحوست

اور یہ حدیث میں نے اپنے والد ماجد ہی سے سنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالاً قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْه'

ترجمہ۔ زکوٰۃ کا مال جس مال میں مل جاتا ہے اس مال کو برباد کر کے چھوڑتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مستحق زکوٰۃ نہیں تھا لیکن اتنا مال اس کے پاس تھا کہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں تھا۔ اب پھر اگر زکوٰۃ لے لے گا تو جو کچھ مال اس کے پاس پہلے سے تھا یہ زکوٰۃ اس مال کو بھی برباد کر کے چھوڑے گی۔ یعنی جو مال بچا ہوا تھا وہ بھی اور جو زکوٰۃ کا لیا تھا وہ بھی بیماریوں میں، علاج معالجہ میں ضائع ہو جائے گا یا کوئی مقدمہ کھڑا ہو جائے گا یا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا یا ملازمت جاتی رہے گی یا بے روزگاری ہو جائے گی یا چوری ہو جائے گی یا کچھ نہ کچھ ایسا ہوگا جو کچھ لیا تھا وہ بھی گیا اور جو بچا ہوا تھا وہ بھی گیا۔

زکوٰۃ نہ دینے کا وبال

زکوٰۃ کا مال اپنے مال میں ملنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس نے اپنی زکوٰۃ کو اپنے مال کیساتھ ملا کے رکھا ہوا ہے تو اسکا باقی مال بھی برباد ہو کر رہیگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ

ترجمہ۔ سمجھداروں کیلئے بڑی عبرت ہے۔ (سورۃ الحشر)

ہمیں ان لوگوں کے حال سے عبرت حاصل کرنا چاہئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ آج ان کا کیا حال ہے؟ اور ہمیں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ مال کی ہوس انسان کو کتنی مصیبتوں میں مبتلا کرتی ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمارے ملک کے ایسے ارب پتی ہیں جو یا تو جیلوں میں پڑے ہیں یا جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں ایسے لوگوں کو آپ بھی جانتے ہیں جن کا اخبارات میں تذکرہ

آتا ہے' ایسے بعض لوگوں کو ہم بھی جانتے ہیں ہمارا بھی ان سے تعارف ہے وہ ہم سے ملتے جلتے بھی ہیں اس وقت بھی اربوں روپوں کے مالک تھے اور آج بھی اربوں روپوں کے مالک ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک بیرون ملک میں جانا ہوا وہاں ایک صاحب ملے جو ہم سے محبت کرتے ہیں مگر جرائم میں ملوث ہیں وہ پاکستان میں آئیں گے تو گرفتار کر لئے جائیں گے ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی ہیں اور وہ جلاوطنی کی حالت میں ایک فلیٹ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اب بھی ان کے پاس کروڑوں روپے ہیں لیکن ان سے ہزار درجے آرام وراحت کی زندگی اس مزدور کی ہے جو دن میں آٹھ گھنٹے محنت کر کے ڈیڑھ سو روپے کما لیتا ہے' بھرپور بھوک میں بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے' رات کو لیٹتا ہے تو گہری نیند سو جاتا ہے۔ یہ چین کی زندگی گزار رہا ہے یا وہ ارب پتی' جو روپے پیسے کی ہوس میں مبتلا تھا اور اس نے حرام وحلال کی پرواہ نہ کی۔ (اصلاحی مجالس)

اللہ تعالیٰ کے ہاں غریب لوگوں کی قدر

جو دنیا میں غربت کی زندگی گزاریں گے وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اور وہاں ایک دن دنیا کے ستر ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ایک سال کتنا لمبا ہوگا؟ اور پانچ سو سال کا عرصہ کتنا ہوگا؟ (یہ ایمان والوں کی بات ہو رہی ہے) دنیا میں ایمان والے غریب لوگ ان ایمان والے امیر لوگوں سے جن کو دنیا میں سکھ اور آسانیوں کی زندگی ملی' اللہ تعالیٰ ان کو پانچ سو سال پہلے جنت عطا فرمائیں گے اور جو بندہ دنیا میں بے صبری کرے گا وہ اپنے اجر کو کھو بیٹھے گا۔ (انمول موتی)

مقروض کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھتے تھے

حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جن کے اوپر دوسروں کا حق ہوتا، اس لئے نماز سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کر لیا کرتے تھے کہ اس پر کسی کا حق تو نہیں اسی وجہ سے ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا مگر حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے قرض کی

ادائیگی کی ذمہ داری لی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ ادا فرمائی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کا جنازہ لایا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھ دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو کیونکہ ان کے ذمہ قرض ہے تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پورا کرو گے؟ تو انہوں نے کہا جی ہاں میں ادا کر دوں گا۔

نوٹ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوحات ہوئیں تو مقروض کے قرض کا ذمہ خود لے لیتے تھے اور جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے۔ (رحمۃ للعالمین)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (نسائی شریف)

بیت المال امیر المومنین کی جاگیر نہیں

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے خوشخط ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط لکھنے پر مامور کیا تھا۔ پھر خلیفہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی انہیں اس کام پر مامور کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو بیت المال کا حساب کتاب لکھنے کا کام بھی سپرد کر دیا۔ جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو بیت المال کے خزانچی حضرت عبداللہؓ بن ارقم ہی ہو گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بڑی سخی طبیعت پائی تھی وہ بڑی بڑی رقمیں لوگوں کو انعام وعطیہ میں دیدیتے تھے۔ یہ خرچ تو وہ اپنے ذاتی مال سے کرتے تھے لیکن کبھی کبھی بیت المال سے مستعار لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک عزیز کو بہت بڑی رقم بطور عطیہ دینا منظور کی۔ حضرت عبداللہؓ بن ارقم خلیفہ عمر فاروقؓ کے دور کو دیکھ چکے تھے کہ وہ بیت المال کے برتن میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے خرچ کرنے کے طریقے جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حکم کے مطابق یہ رقم نہیں دی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن ارقم کو مزید حکم دیا: ''عبداللہ! تم ہمارے خزانچی ہو جیسے ہم حکم

دیں تم کو اسی طرح پورا کرنا چاہئے بیت المال کی رقم کس مصرف پر خرچ ہو یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے تمہارا نہیں۔ اب تم فوراً میرے حکم کے مطابق یہ رقم ادا کر دو"۔ حضرت عبداللہؓ بن ارقم نے جواب میں کہا "یا امیرالمؤمنین! معاف فرمائیں میں آپ کا ذاتی خزانچی نہیں ہوں۔ آپ کا خزانچی تو آپ کا غلام ہوسکتا ہے میں تو مسلمانوں کا خزانچی ہوں اور اس طرح کے اخراجات میں اپنے ہاتھ سے کرنا مسلمانوں کے ساتھ خیانت سمجھتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ بیت المال کی چابی منبر نبوی پر رکھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ (الفتنۃ الکبریٰ)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا

یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے افریقہ میں زکوٰۃ کی تحصیل پر مقرر کیا، میں نے زکوٰۃ وصول کی، جب میں نے اس کے مستحق تلاش کئے جن کو وہ رقم دی جائے تو مجھے ایک بھی محتاج نہیں ملا، اور ایک شخص بھی ایسا دستیاب نہیں ہوا جس کو زکوٰۃ دی جاسکے، عمر بن عبدالعزیز نے سب کو غنی بنادیا، بالآخر میں نے کچھ غلام خرید کر آزاد کئے اور ان کے حقوق کا مالک مسلمانوں کو بنادیا۔

ایک دوسرے قریشی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی مختصر مدت خلافت میں یہ حال ہوگیا تھا کہ لوگ بڑی بڑی رقمیں زکوٰۃ کی لے کر آتے تھے کہ جس کو مناسب سمجھا جائے دے دیا جائے لیکن مجبوراً واپس کرنی پڑتی تھیں کہ کوئی لینے والا نہیں ملتا، عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں سب مسلمان غنی ہوگئے، اور زکوٰۃ کا کوئی مستحق نہیں رہا۔

ان ظاہری برکات کے علاوہ...... جو صحیح اسلامی حکومت کا ثانوی نتیجہ ہے..... بڑا انقلاب یہ ہوا کہ لوگوں کے رجحانات بدلنے لگے، اور قوم کے مزاج و مذاق میں تبدیلی ہونے لگی، ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ہم جب ولید کے زمانہ میں جمع ہوتے تھے، تو عمارتوں اور طرز تعمیر کی بات چیت کرتے تھے، اس لئے کہ ولید کا یہی اصل ذوق تھا، اور اس کا تمام اہل مملکت پر اثر پڑ رہا تھا، سلیمان کھانوں اور عورتوں کا بڑا شائق تھا، اس کے زمانہ میں مجلسوں کا موضوع سخن یہی تھی، لیکن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں نوافل و طاعات، ذکر و تذکرہ، گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا، جہاں چار آدمی جمع ہوتے، تو ایک دوسرے سے پوچھتے

کہ رات کو تمہارا کیا پڑھنے کا معمول ہے؟ تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے؟ تم قرآن کب ختم کروگے؟ اور کب ختم کیا تھا؟ مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟ (تاریخ دعوت وعزیمت)

زکوٰۃ کی خوبی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

ایک خوبی اسلام میں یہ ہے کہ غرباء کیلئے امراء پر زکوٰۃ کو فرض فرمادیا جس میں صرف چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے اور کھیتی میں دسواں یا بیسواں حصہ۔ یہ ایسی مقدار ہے جس میں دینے والے پر کچھ بھی بار نہیں اور اگر پابندی سے سب ادا کریں تو اہل اسلام کے تمام فقراء ومعذورین کیلئے کافی ہے۔ کوئی بھی بھوکا ننگا نہ رہے مگر افسوس لوگ پابندی سے زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ پھر لطف یہ کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔ کمی نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پختگی کے ساتھ فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔ آخرت کا ثواب تو ملے ہی گا۔ زکوٰۃ سے دنیا میں بھی مال بڑھتا ہے۔ آفات سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے۔ (خطبات ۲)

ترغیب زکوٰۃ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

زکوٰۃ میں بھی عورتیں بہت سستی کرتی ہیں کہ اپنے زیوروں چھلوں کی زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ یاد رکھو! جتنا زیور عورت کو جہیز میں ملتا ہے وہ اس کی ملک ہے اس کی زکوٰۃ دینا اس پر واجب ہے اور جو زیور شوہر کے گھر سے ملتا ہے اگر وہ اس سے ان کی ملک کردیا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی ان پر واجب ہے اور اگر ملک نہیں کیا محض پہننے کے واسطے دیا ہے تو اس کی زکوٰۃ مردوں کے ذمہ واجب ہے۔ ہر سال اپنے زیور کا حساب کرکے جتنی زکوٰۃ اپنے ذمہ ہو فوراً ادا کردینی چاہئے۔ اس میں سستی کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے بہت سے غریبوں کو مال نہیں دیا۔ حالانکہ تم ان سے کچھ زیادہ نہیں ہو اکثر غرباء کمالات میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ نمازی بھی ہیں دیندار بھی ہیں پھر بھی جوان کو خدا نے مال نہیں دیا اور تم کو دیا ہے تو اس کی کیا وجہ؟ خدا نے امیروں کو اسی واسطے مال دیا ہے کہ وہ غریبوں کو دیا کریں کیونکہ ہر شخص اتنے ہی مال کا حق دار ہے جتنے کی اس کو ضرورت ہے پھر

پس تو خدا نے حاجت سے زیادہ مال دیا ہے وہ جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کو دینے کے واسطے ہے جن کو حاجت کے موافق بھی نہیں ملا اور اس میں خدا تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں کہ وہ غریبوں کو امیروں کے ہاتھ سے دلوانا چاہتے ہیں اس قاعدہ کا تو یہ مقتضا تھا کہ امیروں کو یہ حکم دیا جاتا کہ جتنا مال ان کی ضرورت سے زیادہ ہو سب غریبوں کو دیا کریں کیونکہ عقلاً وہ انہی کا حق ہے لیکن یہ خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس نے سارا مال دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف چالیسواں حصہ واجب کیا ہے پھر اس میں بھی کوتاہی کرنا بڑا ظلم ہے۔ (خطبات ج ۲۰)

مضاربت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

مضاربت یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور نفع میں دونوں شریک، لیکن اس میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نفع معین نہ کرے۔ جیسے آج کل معین کر لیتے ہیں کہ دس روپے ماہوار لیا کریں گے۔ یہ جائز نہیں ہے بلکہ حصہ معین کرے کہ تین چوتھائی مثلاً تیرا ایک اور چوتھا ہمارا یا نصف نصف مثلاً اگر شارع چاہتے تو اس عقد کو حرام کر دیتے اور اس کے نفع کو سود میں داخل کر دیا جاتا لیکن بندوں کی ضرورت پر نظر کر کے اس کی اجازت دے دی۔ غرض تجارت کرنے کی اجازت اور تجارت کرانے کی اجازت اس سے زیادہ اور کیا سہولت ہو سکتی ہے۔ پس اگر کسی کے پاس سو روپے ہوں اور سال میں دس روپے نفع ہو تو کچھ بعید نہیں تو اس میں اڑھائی روپیہ دے دینا کیا مشکل ہے۔ یہی سمجھ لیا جائے کہ ساڑھے سات ہی نفع ہوا ہے۔ پھر مزید براں وعدہ ہے اولئک ھم المضعفون یعنی زکوٰۃ دینے والے اپنے مال کو دوگنا چوگنا کرنے والے ہیں۔ یعنی زکوٰۃ سے یہ مت سمجھو کہ مال کم ہوتا ہے بلکہ بڑھتا ہے اور یہ بڑھنا آخرت میں تو ہوگا ہی دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم جب سے عشر دینے لگے ہیں اس وقت سے ہمارے یہاں پیداوار زیادہ ہونے لگی ہے اور دیکھئے ایک سرکاری قانون کی قدر اس لئے کرتے ہیں کہ تنخواہ میں سے کاٹ کر اور اس کا سود لگا کر بڑھا کر اس ملازم کو دیتی ہے۔ افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اس کے کہ دوگنا، چوگنا دے اور اس کی قدر نہیں اور پھر بڑھنا

دو گنے تک ہی نہیں بلکہ سات سو تک اور اس سے زیادہ بھی بڑھا دیتے ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی چھوہارہ صدقہ دیتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

دیکھئے! اگر احد پہاڑ کے ٹکڑے ایک چھوہارے کے برابر کریں تو کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اب بتلایئے کہ زکوٰۃ دینے سے کیا خسارہ ہوا؟ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم تو گن کر روپے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دینے کے بعد پھر گنتے ہیں تو کم ہو جاتا ہے۔ بڑھنا تو درکنار برابر بھی نہیں رہتا۔ بات یہ ہے کہ بڑھنے کی حقیقت اور غرض پر اگر نظر ہوتی تو یہ شبہ ہی نہ ہوتا۔ (خطبات ج ۲۳)

مال بڑھنے کی غرض

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

مال کے بڑھنے کی غرض یہ ہے کہ وہ بڑھا ہوا مال اپنے کام آئے چنانچہ اگر کسی کے پاس کروڑوں روپیہ ہو اور اس کے کام نہ آئے بلکہ فضولیات میں ضائع ہو جائے اور ایک شخص کے پاس دس روپے ہیں لیکن دس کے دس اس کے کام آئے تو یہ شخص اس سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ سو ہم کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ دو شخص ہیں اور ان کی برابر آمدنی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ ایک زکوٰۃ دیتا ہے اور تمام حقوق واجبہ ادا کر دیتا ہے۔ سو اس کی چین و آرام سے زندگی گزرتی ہے اور دوسرا شخص جو حقوق ادا نہیں کرتا وہ ہمیشہ پریشانی میں رہتا ہے۔ آج چوری ہو گئی' کل کوئی مقدمہ قائم ہو گیا۔ خود بیمار ہو گیا' بچے بیمار ہو گئے۔ عطار کے ہاں روپیہ جا رہا ہے' طبیب کی فیس میں خرچ ہو رہا ہے۔ بخلاف پہلے شخص کے کہ جس قدر آمدنی ہے وہ سب اس کے کام آ رہی ہے جو مال کے بڑھنے سے غرض ہے وہ اس کو حاصل ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ جس قدر لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ دے دیتے ہیں اور پھر جو لیتے ہیں وہ اپنے لئے نہیں وہ بھی تمہارے ہی لئے ہے۔ حاصل یہ کہ زکوٰۃ میں کچھ مشقت نہیں ہے بلکہ ہر طرح سے سہولت اور نفع ہی ہے۔ دینوی بھی اور اخروی بھی۔ (خطبات ج ۲۴)

زکوٰۃ کی برکات

حدیث شریف کی کتاب "سنن ابی داؤد" کے مصنف امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

شبرت قشاء ة بمصر ثلاثة عشر شبرا ورأيت اترجة على بعير بقطعتين قطعت وصيرت على مثال عدلين. (سنن ابی داؤد)

میں نے ایک مرتبہ مصر میں ایک ککڑی کو اپنی بالشت سے ماپا تو وہ تیرہ بالشت کی تھی۔ اس طرح میں نے ایک نارنگی دیکھی جس کے دو ٹکڑے کر کے اس کو ایک اونٹ کے اوپر لادا ہوا تھا ایک قطعہ اس کا اس کی کمر کے ایک طرف تھا اور دوسرا قطعہ دوسری طرف۔

"الانوار الساطعہ" کے مصنف لکھتے ہیں۔

(فائدہ) "گیہوں کا دانہ جب شروع میں جنت سے نکل کر آیا تھا تو بیضۂ نعامہ (سیمرغ کا انڈا) کے برابر تھا اور مکھن سے زیادہ نرم و ملائم تھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار، لیکن مرورِ ایام کے ساتھ چھوٹا ہوتا چلا گیا اور فرعون کے زمانہ تک مرغی کے بیضہ کے برابر ہو گیا اور ایک مدت تک اتنا ہی رہا یہاں تک کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کیا گیا تو اور وہ چھوٹا ہو گیا۔ کبوتر کے بیضہ کے برابر پھر اسی طرح وہ چھوٹا ہوتا گیا یہاں تک کہ موجودہ ہیئت پر آ گیا۔" (الانوار الساطعہ بحوالہ الدر المنضود)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "وقد حكى ابن القيم عن احمد بسنده انه رأى في بعض خزنة بني امية صرة فيها حنطة كنوى التمر." (بذل المجهود)

علامہ ابن قیم (جوزی رحمہ اللہ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام احمد سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے بنو امیہ کے بعض خزانوں میں ایک تھیلی دیکھی جس میں گیہوں کا ایک دانہ تھا جو مقدار میں کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا۔ (جواہر پارے)

فقیر کو جھڑکنے والا خود فقیر بن گیا

شہاب الدین محمد بن احمد الشبی (م ۸۵۰ھ) لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا، سامنے بھنی ہوئی مرغی

بھی رکھی تھی، اچانک ایک فقیر نے دروازے پر آ کر صدا لگائی۔وہ شخص دروازے کی طرف گیا اور اس فقیر کو خوب جھڑکا فقیر یونہی واپس چلا گیا۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصے بعد یہ شخص خود فقیر ہو گیا، سب نعمتیں ختم ہوگئیں۔ بیوی کو بھی طلاق دے دی۔اس نے کسی اور سے نکاح کر لیا، پھر ایک دن ایسا ہوا کہ یہ میاں بیوی اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور بھنی ہوئی مرغی سامنے تھی کہ کسی فقیر نے دروازہ کھٹکھٹایا میاں نے بیوی سے کہا کہ یہ مرغی اس فقیر کو دے آؤ چنانچہ وہ مرغی لے کر دروازے کی طرف گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ فقیر اس کا پہلا شوہر ہے۔خیر مرغی اسے دے کر واپس لوٹی تو رو رہی تھی۔میاں نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو بولی کہ یہ فقیر تو میرا پہلا میاں تھا، غرض پھر سارا قصہ اسے سنایا جو ایک فقیر کو جھڑکنے سے پیش آیا تھا اس کا میاں بولا خدا کی قسم وہ فقیر میں ہی تھا۔'' (المستطرف فی کل مستظرف)

ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر خدا ہمیں کوئی منصب کوئی عہدہ یا مال و دولت دے تو اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ سب چیزیں آنی جانی ہیں آج ہیں کل نہیں خدا جانے آج جو حالات ہیں وہ کل تک باقی رہتے ہیں یا نہیں، پھر کس برتے پر انسان گھمنڈ کرے۔(المستطرف فی کل مستظرف)

خلق اللہ کی دوستی

''سلطان محمود غزنویؒ (م ۴۲۱ھ) کی صورت اچھی نہ تھی ایک روز وہ اپنے حجرۂ خاص میں نماز پڑھ رہا تھا کہ دو غلاموں نے اسکے سامنے آئینہ اور کنگھی لا کر رکھ دی، اسکے بعد ہی اسکا وزیر شمس الکفاۃ احمد حسن حجرہ میں آیا اور تعظیم بجالایا، سلطان محمود نے نماز پڑھ کر اپنی قبا پہنی سر پر کلاہ رکھی لیکن آئینہ میں اپنے چہرہ کو دیکھ کر مسکرایا اپنے وزیر احمد حسن سے کہا کہ تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت میرے دل میں کیا خیال گزر رہا ہے وزیر نے کہا خداوند خود ہی بتائیں سلطان محمود نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھ کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ہونگے کیونکہ لوگ ایسے ہی بادشاہ کو اپنا دوست سمجھنے کے عادی ہیں جسکی صورت بھی اچھی ہو احمد حسن نے کہا خداوند! ایک ہی کام سے لوگ آپکو اپنی جان اور اپنے زن و فرزند سے عزیز تر رکھ سکتے ہیں اور آپکا فرمان آگ اور پانی پر بھی جاری ہو سکتا ہے سلطان نے پوچھا وہ کام میں کیا کروں احمد حسن نے کہا دولت کو اپنا دشمن سمجھیں پھر تمام لوگ آپکے دوست ہو جائینگے سلطان محمود کو یہ بات پسند آ گئی اور اسکے بعد سے اسکا ہاتھ بخشش اور خیرات کیلئے کشادہ ہو گیا اور پھر ہر طرف اسکی تعریف کی صدا گونجتی رہی۔ (بزم رفتہ کی سچی کہانیاں)

زکوٰۃ یا ٹیکس

اسلام نے ہر صاحب ثروت پر کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ زکوٰۃ فرض کی ہے جس کا مقصد سوسائٹی کے محروم اور پسے ہوئے افراد کی خبر گیری کے ساتھ ساتھ خود زکوٰۃ دینے والے کے نفس کا تزکیہ اور قرب الٰہی کا حصول بھی ہے چونکہ مسلمان زکوٰۃ عبادت سمجھ کر دیتا ہے اس لئے وہ عام طور پر زکوٰۃ کی چوری نہیں کرتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اس پر زکوٰۃ لازم ہو مگر وہ ظاہر یہ کرے کہ مجھ پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی حکومت کو نہیں اللہ کو خوش کرنے کیلئے کرتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ جب مدائن کی فتح میں ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ کسریٰ کا تاج لگا تو وہ اس کو اپنے دامن میں چھپا کر امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا جیسے کوئی چوری کا مال چھپا کر لاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حیرت ہوئی کہ جواہرات سے مرصع اتنا قیمتی تاج اور اس غریب سپاہی کی نیت خراب نہیں ہوئی کہ چھپا کر خیمہ ہی میں رکھ لیتا۔ آپ نے پوچھا تمہارا نام؟ اس نے دروازہ کی طرف منہ کر کے اور پیٹھ پھیر کر کہا کہ ''جس (کی رضا) کیلئے میں نے یہ کام کیا ہے وہ میرا نام جانتا ہے اور یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ بھی حال ہی میں پیش آیا ہے۔ ہوا یوں کہ ملائشیا کے ایک غریب مسلمان کی لاکھوں کی نہیں کروڑوں روپے کی لاٹری نکل آئی اور اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ صحافیوں کے پوچھنے پر اس نے جواب دیا کہ وہ ایک مل مزدور ہے اور دوستوں کے ساتھ بے خیالی میں ایک ٹکٹ وہ بھی خرید بیٹھا۔ انعام نکلنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ تو اسلام میں حرام ہے تو اس نے انعام لینے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ محض اللہ کے ڈر سے۔

یہی حال زکوٰۃ دہندہ کا ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے خدا کے خوف اور آخرت کی جواب دہی کے احساس سے کرتا ہے۔ بخلاف ٹیکس کے' چونکہ وہ حکومت کی پکڑ دھکڑ کے

خوف سے دیا جاتا ہے۔اس لئے ٹیکس چوری کی وبا عام ہے اور یہ وبا کس قدر عام ہے اس کا اندازہ آپ درج ذیل رپورٹ سے لگائیں۔

روزنامہ جنگ کے اسلام آباد کے وقائع نگار خصوصی کی رپورٹ کے مطابق جو (۱۱) اپریل کے جنگ کراچی میں چھپی ہے۔ مرکزی بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین جناب غلام یزدانی نے کہا ہے کہ ملک میں کھربوں روپے کے ٹیکس چوری کئے جا رہے ہیں اور اگر تمام پاکستانی دیانت داری سے ٹیکس ادا کریں تو پاکستان غیر ملکی قرضوں کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرلے گا۔ پاکستان میں جتنا ٹیکس وصول ہوتا ہے اس سے دس گنا ٹیکس چوری ہوتا ہے۔انہوں نے کہا کہ پاکستان کی ایک جدید ترین مارکیٹ جس میں ۲۵۰ دکانیں ہیں اور ہر دکان کی اوسطاً سیل چار پانچ لاکھ ہے۔ وہاں سے حکومت کو ۸۴ ہزار سالانہ انکم ٹیکس حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ وہاں سے کسی صورت میں بھی پندرہ بیس لاکھ روپے سے کم ٹیکس نہیں ہونا چاہئے۔ چیئرمین نے کہا کہ کراچی سے پشاور تک بڑے بڑے پلازوں' مارکیٹوں' بنگلوں کی ویلیو دس گنا کم دکھائی جاتی ہے۔ دس کروڑ روپے کا پلازہ ایک کروڑ کا دکھا کر رجسٹر کرایا جاتا ہے۔خدا ہمارے حکمرانوں کو عقل کے ناخن دے تاکہ وہ ٹیکسوں کی بھرمار کے بجائے زکوٰۃ' عشر اور صدقات کا نظام رائج کریں اور ان مفاسد اور خرابیوں کا سدباب ہوسکے۔ (خزینہ)

بخل اور حرص کے واقعات

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بخیل دنیاداروں اور دولت کے پجاریوں کے چند عبرت انگیز واقعات نقل کیے ہیں۔ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱- ایک آدمی نے اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ میری ساس بیمار ہوئی تو مجھ سے کہنے لگی کہ میرے لیے خبیص (ایک خاص قسم کا حلوہ) خرید لیجئے۔ چنانچہ میں نے وہ خرید کر دے دیا تھوڑی دیر بعد میرا چھوٹا بیٹا میرے پاس آ کر کہنے لگا نانی جان تو سونا نگل رہی ہیں۔ یہ سن کر جب میں اس کے پاس گیا وہ واقعتاً اس حلوے کے ساتھ سونا نگل رہی تھی۔ میں نے ڈانٹ کر اس کا ہاتھ روکا تو مجھ سے کہنے لگی۔ مجھے ڈر ہے کہ تم میرے مرنے کے بعد میری بیٹی پر کسی

اور کو پیاہ لاؤ گے ۔میں نے کہا کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ۔اس نے کہا تم قسم اُٹھاؤ۔ میں نے اس کے کہنے پر قسم کھالی ۔اس کے بعد اس نے سونے کا جمع کردہ ذخیرہ میرے حوالے کیا اور پھر انتقال کر گئی ۔کچھ عرصہ بعد میں نے قبر سے اس کا ڈھانچہ نکالا اور پانی چھڑک کر اس کو ہلایا تو اس سے تقریباً اسی دینار نکل آئے جو اس نے مرض الموت میں نگل لیے تھے۔

۲-ایک آدمی مسجد میں جھاڑو لگا کر اس مٹی سے اینٹیں بناتا تھا۔لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔ یہ مبارک مٹی ہے۔اس لیے میری خواہش ہے کہ میری قبر اس مٹی کی بنی ہوئی اینٹوں سے بنائی جائے ۔جب وہ مرا تو اس کی قبر اسی کی بنائی ہوئی اینٹوں سے تیار کی گئی ۔لیکن کچھ اینٹیں بچ گئیں ۔لوگوں نے انہیں ایک مکان کی تعمیر میں استعمال کیا۔اتفاقاً بارش ہوئی۔ تو وہ اینٹیں بہہ کر ٹوٹ گئیں اور ان میں سے سینکڑوں دینار باہر نکل آئے لوگوں نے جا کر اس کی قبر کی تمام اینٹوں کو نکال کر توڑا تو وہ سب دیناروں سے بھری ہوئی تھیں۔

۳-ایک شخص کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی ۔اس شخص کے پاس ایک ہزار دینار کی بڑی رقم تھی جو اس نے کہیں دفن کی ہوئی تھی ۔ایک مرتبہ وہ شخص بیمار ہوا تو اپنے ایک لڑکے سے کہنے لگا۔ بیٹا! تیرا دوسرا بھائی تو بالکل فضول اور آوارہ ہے ۔بہن کی شادی ہو گئی ہے ۔فلاں جگہ ایک ہزار دینار میں نے رکھے ہیں ۔میں تجھے صرف اس کا حق دار سمجھتا ہوں ۔لہذا میرے مرنے کے بعد تم وہ اپنے لیے نکال لینا۔ بیٹے کو جب معلوم ہوا تو اس نے باپ کے مرنے کا انتظار نہ کیا اور دینار نکال لیے کچھ دنوں بعد وہ شخص ٹھیک ہو گیا ۔بیٹے سے دینار لوٹانے کو کہا باپ نے بڑے اصرار اور لجاجت سے کہا بیٹا! وہ رقم بتادے ۔کہاں چھپائی ہے ۔ باپ کے شدید اصرار پر بیٹے نے وہ جگہ بتادی ۔ کچھ دنوں بعد باپ پھر بیمار ہوا۔اب بیٹے نے اصرار شروع کیا۔لیکن اس بار باپ بتانے کے موڈ میں نہ تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا اور مال کسی نامعلوم جگہ دفن کا دفن رہا۔

باب دوم

اسلام کی ایک مبارک صفت

سخاوت

عہد رسالت اور خیر القرون میں جود و
سخا کے مثالی واقعات جن کا مطالعہ
حرص و بخل کو ختم کر کے سخاوت اور
فیاضی کا ملکہ پیدا کرتا ہے۔

صدقہ اور سخاوت

سخاوت اللہ تعالیٰ کی نہایت پسندیدہ صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ

''اور جو بچایا گیا اپنے جی کی لالچ (حرص و بخل) سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔ (سورہ الحشر آیت: ۱۹)

اور ایک روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اسے دو عادتیں ناپسند ہیں پس جو دو عادتیں پسند ہیں وہ سخاوت اور خوش اخلاقی ہیں اور ناپسندیدہ عادتیں بدخلقی اور کنجوسی ہیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام میں لگا دیتا ہے۔'' (شعب الایمان)

حضرت حسن بصریؒ سے ایک مرسل روایت مروی ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''میری امت کے ابدال (نیک لوگ) اپنی نماز روزہ کی زیادتی سے نہیں بلکہ اپنے دلوں کی صفائی اور صفت سخاوت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔'' (شعب الایمان)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''دنیا میں لوگوں کے سردار سخی لوگ ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار متقی لوگ ہیں۔'' (الترغیب والترہیب للیافعی)

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے صفت سخاوت پر غور کیا تو اس کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ خوش گمانی رکھی جائے کہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُه وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ.

''اور جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ وہ اس کا عوض دیتا ہے۔ اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا''

اس کے برخلاف بخل اور کنجوسی کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ اس کا مرتکب نعوذ باللہ ، اللہ تعالیٰ سے یہ بدگمانی رکھتا ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے گا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا سرورکائنات فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں دیگر کمالات اور اوصاف حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا وہیں صفت سخاوت میں بھی آپ اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ جود وسخا والے تھے اور رمضان المبارک میں تو تیز رفتار ہوا کی طرح آپ سے صفت سخاوت کا ظہور ہوتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں فرمایا۔ (بخاری شریف) آپ کی سخاوت مبارکہ کا کچھ اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے اور اسے میں آپ کی خدمت میں لائی ہوں تاکہ آپ اسے زیب تن فرمالیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت شوق سے وہ چادر قبول فرمائی۔ پھر اسی چادر کو ازار کی جگہ پہن کر مجمع میں تشریف لائے۔

اسی وقت ایک صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے درخواست کی کہ حضرت یہ چادر مجھے عنایت فرمادیں، یہ تو بہت عمدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بہت اچھا۔ پھر کچھ دیر تشریف رکھنے کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور دوسرا ازار بدل کر وہ چادر سوال کرنے والے کو بھجوادی۔ یہ ماجرا دیکھ کر صحابہ کرام نے ان صحابیؓ پر تغیر کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تو تم نے یہ چادر مانگ کر اچھا

نہیں کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ''میں نے تو اپنے کفن میں استعمال کرنے کے لئے یہ درخواست پیش کی تھی''۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو آپکو اسی چادر میں کفن دیا گیا۔ رضی اللہ عنہ۔ (بخاری شریف)

دیہاتیوں کی بے ادبیوں کا تحمل

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین سے واپسی کے وقت دیہاتی لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگنا شروع کیا اور آپ کو گھیر لیا۔ یہاں تک کہ آپ ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچ گئے اور آپ کی چادر مبارک بھی اس میں الجھ گئی۔ اس وقت آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دیہاتیوں سے فرمایا کہ لاؤ میری چادر واپس کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر ان کنکریوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوں گے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کرڈالوں گا اور تم مجھے جھوٹا، بزدل یا بخیل نہ پاؤ گے۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ مسجد کے دروازے سے ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تشریف لائے اچانک پیچھے سے ایک دیہاتی نے آپ کی چادر مبارک کے کونے کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دیہاتی کے سینے کے قریب ہوگئے، پھر وہ دیہاتی آپ کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا کہ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے عطا کرنے کا حکم دیجئے۔ یہ سن کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور اسے کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ہمارے پاس آکر گفتگو فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف لائے، گفتگو فرمائی۔ پھر آپ اٹھ کر حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جانے لگے۔ آپ نے ایک سخت کنارے والی چادر زیب تن فرما رکھی تھی۔ اسی دوران ایک دیہاتی شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک چادر کی رگڑ سے سرخ ہوگئی۔ پھر کہنے لگا کہ

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ میرے دو اونٹ ہیں ان میں سے ایک پر کھجور اور ایک پر جو لادنے کا حکم دیجئے۔ اس لئے کہ آپ اپنے یا اپنے والد کے مال میں سے نہ دیں گے (بلکہ بیت المال سے دیں گے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم میرے ساتھ کی گئی حرکت کا فدیہ نہ دو گے میں تمہیں کچھ نہ دوں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب دیہاتی کا یہ گستاخانہ عمل دیکھا تو ہم اسے سزا دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ چنانچہ ہم ایسے رک گئے گویا کہ ہمیں رسیوں سے باندھ دیا گیا ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ اس دیہاتی کو ایک اونٹ پر کھجور اور ایک پر جو بھروا دو۔ اور اس نے جو ہمارے ساتھ کیا وہ ہم معاف کرتے ہیں۔ (مکارم الاخلاق)

سائل کے لئے قرض لینا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن تم میری ذمہ داری پر کوئی چیز خرید لو جب میرے پاس وسعت ہوگی تو میں ادا کر دوں گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے اس شخص کو یہ موقع دے دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی نہیں لگی ۔ پھر ایک انصاری شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو خرچ کئے جایئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ مت کیجئے۔

انصاری کی یہ بات سن کر پیغمبر علیہ السلام مسکرا اٹھے۔ اور آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت پھیل گئی۔ اور فرمایا کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ (مکارم الاخلاق)

ایک کوڑے کے بدلہ اَسّی بکریاں

عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ایک صحابی جو غزوہ حنین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا اور میرے پیر میں ایک سخت جوتا تھا میری اونٹنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب چل رہی تھی کہ اچانک بھیڑ کی وجہ سے اتنی قریب پہنچ گئی کہ میرے جوتے کا کنارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلی میں لگ گیا جس سے آپ کو تکلیف ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پیر پر کوڑا مارا، فرمایا کہ تم نے مجھے تکلیف پہنچائی پیچھے ہو جاؤ وہ صحابی فرماتے ہیں۔ پھر میں چلا گیا۔

اگلے دن معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تلاش کروا رہے ہیں، تو میرے دل میں احساس ہوا کہ شاید آپ کے پیر کو تکلیف پہنچانے کا قصہ ہے چنانچہ میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے جوتے سے میرے پیر کو تکلیف پہنچائی تھی جس کی وجہ سے میں نے تمہارے قدم پر کوڑا مارا تھا اب میں نے تمہیں اس کا بدلہ دینے کے لئے بلایا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس ایک کوڑے کی ضرب کے بدلے میں اسّی بکریاں عنایت فرمائیں۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ مانگنے کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے منع کر دیا، میں پھر حاضر ہوا آپ نے پھر منع کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ یا تو آپ مجھے عطا فرمائیں یا میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ پر بخل کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بخل سے بری کون سی بیماری ہو سکتی ہے، بات یہ ہے کہ جب تم مجھ سے مانگنے آئے تو میں نے تمہیں ایک ہزار دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ آپ نے مجھے تین ہزار گن کر عنایت فرمائے۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا اس وقت میرے پاس مال تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا آج تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں آدھا مال لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا عمر! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا۔ آدھا چھوڑ کر آیا ہوں۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کل مال لے کر حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دیا کہ اب آئندہ میں آپ سے سبقت لے جانے کا مقابلہ کبھی نہیں کروں گا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ یہ ساری رقم اللہ کے راستے میں خرچ کر دی۔ (الترغیب والترہیب للیافعی) اور بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن میں حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا مجھے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال نے نفع پہنچایا ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور عرض کیا کہ میں اور میرا مال تو صرف آپ ہی کے لئے ہے۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (اسد الغابہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی رشتہ دار نے ان سے سوال کیا۔ آپ نے اسے ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔

اس واقعہ پر لوگوں میں تبصرہ ہوا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص کو کیوں نکال دیا گیا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ شخص اللہ کے مال کے بارے میں سوال کرنے آیا تھا۔ اس میں سے اگر میں اسے دے دیتا تو پھر اللہ کے دربار میں قیامت کے دن خیانت کرنے والے حاکم کی صورت میں پیش ہو کر میں کیا معذرت کرتا۔ اگر اس شخص کو مانگنا تھا تو میرے ذاتی مال کا سوال کرتا۔ پھر آپ نے اسے دس ہزار درہم بھجوائے۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

غزوہ تبوک کے موقع پر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثالی قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے ۳۰۰ اونٹ مع سازوسامان صدقہ فرمائے۔ اور پھر ایک ہزار اشرفیاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انہیں آپ کی گود میں ڈال دیا۔

راوی کہتا ہے کہ وہ اشرفیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ '' مَاضَرَّ اِبْنُ عَفَّانَ مَافَعَلَ بَعْدَ هٰذَا۔ (آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرتے رہیں۔ ان کا کچھ نہ بگڑے گا) مطلب یہ ہے کہ اس صدقہ کی قبولیت کی برکت سے انہیں کامل خیر کی توفیق نصیب ہوگی۔ (مکارم الاخلاق)

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط سالی ہوئی۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کے علاقہ سے سو اونٹ غلہ منگایا۔ جب غلہ سے بھرے اونٹ مدینہ پہنچے تو شہر کے تاجر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اے امیر المؤمنین! جتنے درہم میں آپ نے یہ غلہ شام سے خریدا ہے، اسی کے برابر نفع دے کر ہم یہ غلہ خریدنے کو تیار ہیں۔

حضرت عثمان نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ قیمت لگ چکی ہے، تو تاجروں نے کہا کہ اچھا دوگنے نفع پر دے دیجئے۔ حضرت نے پھر جواب دیا کہ اس سے بھی زیادہ کا بھاؤ لگ چکا ہے۔ تاجر بھی نفع بڑھاتے رہے یہاں تک کہ پانچ گنے تک نفع پر آ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر بھی تیار نہ ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ اس کی اس سے بھی زیادہ قیمت لگ چکی ہے۔ یہ سن کر تاجروں نے کہا آخر کس نے آپ سے زیادہ قیمت لگائی۔ مدینہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دس گنا عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے، تو کیا تم لوگ اتنا یا اس سے زیادہ دیتے پر راضی ہو۔ تاجروں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کیا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارا غلہ مدینہ کے فقراء اور مساکین پر صدقہ ہے۔ اور وہ غلہ سب محتاجوں میں تقسیم فرما دیا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

ابو جعفر کہتے ہیں کہ اگرچہ انتقال کے وقت تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی لیکن شہادت کے دن آپ پر ستر ہزار درہم قرض تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آخر اتنا زیادہ قرض آپ پر کیسے ہو گیا، تو جواب ملا کہ بات یہ تھی کہ آپ کے وہ دوست احباب اور رشتہ دار جن کا مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ مقرر نہیں تھا آپ کے پاس آ کر سوال کرتے تو آپ انہیں مرحمت فرماتے جاتے تھے۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی جائیداد وغیرہ بیچ کر قرض ادا کیا اور ہر سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے سو غلام آزاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سنت کو زندہ رکھے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر بعد میں یہ سنت جاری نہ رہ سکی۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی زمین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچی۔ جب یہ رقم آپ کے پاس آئی تو آپ کو خیال ہوا کہ اگر یہ مال رات بھر رکھا رہا اور اسی دوران موت آ گئی تو کیا ہوگا لہٰذا اسے اپنے خدام کے ذریعہ مدینہ کے فقراء و مساکین اور بیوہ عورتوں کو رات بھر تقسیم کراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوتے ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔ (الترغیب والترہیب)

زیاد بن جریر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے ایک ہی مجلس میں ایک لاکھ درہم تقسیم فرما دیئے۔ جب کہ آپ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ اپنی چادر کا کنارہ خود ہی سی لیا کرتے تھے۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں دو تھیلیوں میں بھر کر اسی ہزار درہم روانہ فرمائے۔

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دن روزہ سے تھیں۔ مگر صبح سے طبق میں دراہم رکھ کر فقراء اور محتاجین کو تقسیم کرنے تشریف فرما ہوئیں اور شام تک ساری رقم تقسیم فرمادی۔ ایک درہم بھی باقی نہیں رہا۔ شام کو خادمہ افطار کیلئے حسب معمول روٹی اور تیل لائی اور عرض کیا کہ اماں جان! اگر آپ اس مال میں سے ایک درہم بچا کر اسکا گوشت منگا لیتیں تو آج اسی سے افطار کرلیا جاتا۔

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اگر تم پہلے سے یاد دلاتیں تو میں تمہاری خواہش پوری کردیتی۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر اللہ واسطے سوال کیا۔ تو حضرت سعیدؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے پانچ سو دے دو، غلام نے پوچھا کہ حضرت! دینار دوں یا درہم؟ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تو اصل میں درہم ہی دینے کا تھا مگر جب تم نے سائل کے سامنے دینار کا ذکر کردیا تو اب پانچ سو دینار ہی دے دو۔

یہ سن کر سائل رونے لگا حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میرے آقا! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ جیسے فضل و کرم والے کو زمین اپنے اندر کیسے سموئے گی۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سوال کرنے آیا۔ اس وقت ان کی باندی ان کے سامنے کسی خدمت میں لگی تھی۔ حضرت عبداللہ نے اس سائل سے کہا کہ اس باندی کو پکڑ کر لے جاؤ۔ یہ تمہاری ہے۔ یہ سن کر باندی بولی،

میرے آقا آپ نے تو مجھے مار ڈالا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ کیسے؟ باندی نے کہا آپ نے مجھے ایسے شخص کو ہبہ کر دیا جس کی تنگدستی نے اسے سوال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ باندی کی یہ بات سن کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سائل سے فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ باندی میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس شخص نے کہا بہت اچھا۔ جس قیمت پر آپ چاہیں اسے لے لیں، تو حضرتؓ نے فرمایا میں نے اسے سو اشرفی میں خریدا تھا اب تم مجھے دو سو اشرفی میں اسے دے دو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ باندی واپس لے لی اور سائل کو دو سو اشرفی دے کر فرمایا جب یہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر باندی نے عرض کیا۔ آقائے من! میری وجہ سے آپ کو بڑا بوجھ اٹھانا پڑا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تیری عزت میرے نزدیک تیرے اوپر خرچ کئے گئے مال سے زیادہ ہے۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنے پڑوس کے چالیس خاندانوں پر خرچ کیا کرتے تھے اور عیدین کے موقع پر ان کے لئے کپڑے وغیرہ بنا کر بھیجتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک بستی پر ہوا۔ گرمی سے بچنے کے لئے آپ ایک کھجور کے باغ میں ایک درخت کے سائے میں آرام فرما ہوئے، اسی دوران آپ نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام باغ کی نگرانی پر مامور ہے۔ اس کے لئے دوپہر کا کھانا لایا گیا جس میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے۔ جب اس غلام نے کھانے کا ارادہ کیا تو وہاں ایک کتا آ پہنچا۔ اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کے سامنے پھینک دیا۔ جب وہ کھا چکا تو دوسرا اور تیسرا ٹکڑا بھی پھینک دیا۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اس غلام سے پوچھا کہ روزانہ تمہارے کھانے کا کیا انتظام ہے؟ اس نے کہا کہ یہی روٹی کے تین ٹکڑے آ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا پھر تم نے اپنے مقابلہ میں کتے کو کیوں ترجیح دی؟ تو اس غلام نے جواب دیا، بات یہ ہے کہ یہ علاقہ کتوں کا نہیں ہے۔ یہ کتا بہت دور سے چل کر میرے پاس آیا ہے۔ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ یہ بیچارہ محروم واپس جائے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا پھر اب تم دن بھر کیا کرو گے؟ غلام نے

جواب دیا اب میں اگلے دن تک بھوکا رہوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ مجھے سخاوت پر ملامت کیجاتی ہے۔ حالانکہ یہ غلام تو مجھ سے بھی بڑا سخی ہے۔ پھر غلام سے پوچھا کہ اس باغ کا مالک کون ہے؟ اس نے بتایا کہ مدینہ میں رہنے والے فلاں شخص ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ تشریف لائے تو اس باغ کے مالک سے پورا باغ غلام سمیت خرید لیا اور پھر غلام کو بلا کر فرمایا کہ تو اللہ کیلئے آزاد ہے۔ اور یہ باغ تیری ملکیت ہے۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ معاویہ سے پوچھا گیا کہ یہ بتلائیے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت کہاں تک پہنچی ہوئی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنے مال میں سب لوگوں کو برابر کا شریک سمجھتے تھے جو بھی سائل آتا اسے بھرپور عطا کرتے۔ یہ نہ سوچتے کہ انہیں خود ضرورت ہے اس لئے دینے میں کمی کریں۔ اور نہ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ بعد میں محتاج ہو جائیں گے اس لئے ذخیرہ کر کے رکھیں۔ (شعب الایمان)

سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں بیس یا تیس اونٹ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا تا کہ لوگوں سے کھجوروں کا سوال کروں تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمرو بن عثمان اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما اپنے باغوں میں ہیں اس لئے ان سے جا کر مانگو۔

چنانچہ سب سے پہلے میں حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے دو اونٹ بھر کر کھجوریں عطا فرمائیں۔ پھر کسی شخص نے مجھے مشورہ دیا کہ تم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ میں ان کے باغیچے میں پہنچا۔ میں انہیں پہچانتا نہیں تھا۔ دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد غلام بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا پیالہ ہے۔ جس میں موٹی روٹی اور گوشت ہے اور وہ سب ملکر کھا رہے ہیں۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ اور دل میں سوچا کہ یہ آدمی تو شاید کچھ بھی نہ دے۔ بہر حال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ کھلایا۔ پھر پانی کی ایک چھوٹی نہر کی طرف گئے اور پانی پیا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے کچھ اونٹ لے

کر یہاں حاضر ہوا تھا۔ میرا ارادہ آپ حضرات سے کھجوریں لے کر انہیں بھر کر لے جانے کا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اپنے اونٹ لے آؤ۔ چنانچہ میں لیکر حاضر ہوا تو فرمایا کہ اس کوٹھڑی میں چلے جاؤ اس میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں جتنا بھر سکو، بھرلو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری اونٹنیاں بھرلی اور چلا آیا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ ہے سخاوت۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مہمان ہوئے۔ آپ نے اپنا مکان حضرت ابوایوب انصاریؓ کے لئے خالی فرما دیا۔ اور کہا کہ جس طرح آپ نے (ہجرت کے موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا اب میں بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا۔ پھر پوچھا کہ آپ پر کتنا قرض ہے؟

حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ بیس ہزار، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ ہزار عطا فرمائے اور ساتھ ہی بیس غلام دیکر فرمایا کہ گھر میں جو بھی سامان ہے وہ بھی آپ ہی کی ملک ہے۔ (مکارم الاخلاق)

خانوادۂ نبوت کی سخاوت کا نمونہ

حمید بن بلال کہتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنوامیہ کے دو آدمیوں میں بحث چھڑ گئی۔ ایک نے کہا کہ میرا خاندان زیادہ سخی ہے اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ ہمارا خاندان زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔ بالآخر یہ بات طے ہوئی کہ اپنے اپنے خاندان والوں سے۔ چندہ کا تجربہ کر کے فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ دونوں شخص اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔

اموی شخص نے اپنی قوم کے دس آدمیوں سے صرف ایک لاکھ روپے جمع کیے جب کہ ہاشمی شخص اولاً عبیداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے ایک لاکھ درہم عنایت کیے۔ پھر سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا انہوں نے ایک لاکھ تیس ہزار درہم دیئے پھر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے بھی ایک لاکھ تیس ہزار دیئے۔ اس طرح صرف تین حضرات سے تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم جمع ہو گئے۔

چنانچہ ہاشمی اپنے دعویٰ میں اموی پر غالب آ گیا۔ پھر یہ طے ہوا کہ یہ مال جن سے لیا ہے انہیں لوٹا دیا جائے۔ چنانچہ اموی شخص اپنا جمع کردہ مال لے کر مالکان کے پاس گیا اور پوری صورت واقعہ بتا کر مال واپس کر دیا اور ان سب نے قبول بھی کر لیا اور ہاشمی شخص جب مال لوٹانے گیا تو ان حضرات نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔ (مکارم الاخلاق)

حضرت لیث بن سعد رحمہ اللہ کی سخاوت

حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بڑے مالدار تھے۔ ان کی سالانہ آمدنی اسی ہزار اشرفی تھی لیکن کبھی بھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ وہ اپنا سب مال فقراء، دوست، احباب اور رشتہ داروں میں خرچ کر دیتے تھے اور سال کے ختم پر ان کے پاس بقدر نصاب مال باقی نہیں رہتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت شیشہ کے پیالہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر بیمار ہے۔ اسے شہد کی ضرورت ہے۔ اس پیالہ میں شہد عطا فرما دیں۔ آپ نے اسے شہد کا پورا برتن دینے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس نے تو صرف ایک پیالہ مانگا تھا۔ آپ نے پورا برتن دے دیا، تو آپ نے جواب دیا کہ اس نے اپنے اعتبار سے مانگا اور ہم نے اپنے اعتبار سے دیا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

قتیبہ فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد روزانہ متعدد مسکینوں پر صدقہ کیا کرتے تھے۔ نیز امام مالکؒ، ابن لہیعہ اور دیگر علماء کو ہدایا بھیجتے تھے۔ (شعب الایمان)

صلحاء امت کے یہ چند واقعات ہمارے لئے عبرت آموز اور نصیحت انگیز ہونے چاہئیں۔ ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے دل میں اپنے مال سے کیسا شدید لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور دوسروں کے مفاد کے مقابلہ میں ہمیں اپنا مفاد کتنا عزیز ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا تقاضا اور اپنے دل کو روحانی امراض سے بچانے کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہم اپنے مالوں میں حتی الوسع دوسروں کا بھی حق متعین کریں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے: نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ (مسند احمد)

یعنی اچھا مال نیک آدمی کے لئے بہترین مددگار ہے۔ وہ اس کو صحیح جگہ خرچ کر کے اپنے لئے آخرت میں بہت اونچے درجات حاصل کر سکتا ہے۔

قناعت اور زہد کے تابندہ نقوش

قناعت کا خزانہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام صفا پہاڑی پر تھے آپ نے فرمایا اے جبرائیل! اس ذات کی قسم جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا ہے! شام کو محمد کے اہل وعیال کے پاس نہ ایک چٹکی آٹا تھا اور نہ ایک مٹھی ستو۔ آپ کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے آسمان سے دھماکہ کی ایسی زوردار آواز سنی جس سے آپ گھبرا گئے۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کیا اللہ نے قیامت قائم ہونے کا حکم دے دیا ہے؟ حضرت جبرائیل نے عرض کیا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات سنتے ہی اسرافیل کو حکم دیا اور وہ اتر کر آپ کے پاس آئے ہیں۔

چنانچہ حضرت اسرافیل نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ نے جو بات حضرت جبرائیل سے کہی وہ اللہ تعالیٰ نے سنی اور اللہ نے مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپکی خدمت میں یہ پیش کروں کہ اگر آپ کہیں تو میں تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد، یاقوت، سونے اور چاندی کا بنادوں اور یہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلا کریں۔

اب آپ فرمائیں آپ بادشاہت والی نبوت چاہتے ہیں یا بندگی والی۔ حضرت جبرائیل نے آپ کو تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا نہیں میں بندگی والی نبوت چاہتا ہوں۔ (عند الطبرانی باسناد حسن)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھ پر یہ بات پیش فرمائی کہ میرے لئے مکہ کے پتھریلے میدان کو سونے کا بنادیا

جائے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ اے میرے رب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ آپ نے دو تین مرتبہ یہی کلمات ارشاد فرمائے تا کہ جب بھوک لگے تو میں آپ کے سامنے عاجزی کروں اور آپ کو یاد کروں اور جب پیٹ بھر کر کھاؤں تو آپ کا شکر ادا کروں اور آپ کی تعریف کروں۔ (عند الترمذی وحسنہ کذا فی الترغیب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا اے محمد! آپکے رب آپکو سلام کہہ رہے ہیں اور فرمار ہے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کے پتھریلے میدان آپ کے لئے سونے کے بنا دوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر عرض کیا نہیں، اے میرے رب! میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں تا کہ آپ کی تعریف کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تا کہ آپ سے مانگوں۔ (عند العسکری کذا فی الکنز)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب (یعنی غزوۂ خندق) میں ایک مشرک مارا گیا تو مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ اس کی لاش ہمیں دے دیں ہم آپ کو اس کے بدلے میں بارہ ہزار دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہ اس کی لاش میں خیر ہے اور نہ اس کی قیمت میں (لہٰذا اس کی لاش کچھ لئے بغیر ہی دے دو) امام احمد نے اس روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی لاش ان مشرکوں کو ویسے ہی دے دو اس لئے کہ اس کی لاش بھی ناپاک ہے اور اس کی قیمت بھی ناپاک ہے۔ چنانچہ آپ نے ان سے کچھ نہیں لیا (اور لاش ان کو ویسے ہی دے دی)۔ (اخرجہ البیہقی واخرجہ الترمذی ایضاً)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں ہی مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ پھر آپ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور مدینہ تشریف لے گئے تو میں موسم حج میں یمن گیا وہاں مجھے (حمیر کے نواب) ذی یزن کا جوڑا پچاس درہم میں بکتا ہوا نظر آیا۔ میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دینے کی نیت سے خرید لیا اور میں وہ جوڑا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور میں نے بہت کوشش کہ آپ اسے لے لیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور آپ نے فرمایا ہم

مشرکوں سے کچھ نہیں لیتے (اور تم مشرک ہو) لیکن اگر تم چاہو تو ہم قیمت دے کر تم سے یہ خرید لیتے ہیں۔۔ چنانچہ میں نے قیمت لے کر وہ جوڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔

پھر میں نے ایک دن دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ نے وہ جوڑا پہنا ہوا ہے۔ آپ اس جوڑے میں اتنے حسین نظر آ رہے تھے کہ میں نے اتنا حسین کبھی کوئی نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے وہ جوڑا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا میں نے وہ جوڑا جب اسامہ رضی اللہ عنہ کو پہنے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا اے اسامہ! تم نے ذی یزن (نواب) کا جوڑا پہن رکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میں ذی یزن سے بہتر ہوں اور میرا باپ اس کے باپ سے اور میری ماں اس کی ماں سے بہتر ہے۔ پھر میں مکہ مکرمہ آ گیا اور انہیں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بات سنائی جس سے وہ سب بڑے حیران ہوئے (کہ غلام کا بیٹا ہو کر بھی خود کو اور اپنے ماں باپ کو اسلام کی وجہ سے نوابوں سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہے) (عند الحاکم)

حضرت عبداللہ بن بریدہؒ کہتے ہیں کہ میرے چچا عامر بن طفیل عامری نے مجھے یہ قصہ سنایا کہ عامر بن مالک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گھوڑا ہدیہ میں بھیجا اور یہ لکھا کہ میرے پیٹ میں ایک پھوڑا ہے۔ اپنے پاس سے اس کی دوا بھیج دیں۔ عامر بن طفیل کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑا واپس کر دیا کیونکہ عامر بن مالک مسلمان نہیں تھے اور ان کو ہدیہ میں شہد کی ایک کپی بھیجی اور فرمایا اس سے اپنا علاج کر لو۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مُلَاعِبُ الْاَسِنَّۃِ (نیزوں کا کھلاڑی یہ عامر بن مالک کا لقب ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ ہدیہ لے کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا لیکن اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کر سکتا۔ (عند ابن عساکر ایضا کذا فی الکنز العمال)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا سب سے بڑی عقلمندی تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ پھر

آگے اور حدیث ذکر کی جس میں یہ مضمون بھی ہے کہ اگلے دن صبح کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بازار جانے لگے تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بازار۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اب آپ پر اتنی بڑی ذمہ داری (خلافت کی وجہ سے) آگئی ہے کہ جس کی وجہ سے اب آپ بازار نہیں جاسکتے (سارا وقت خلافت کی ذمہ داریوں میں لگائیں گے تو پھر یہ ذمہ داریاں پوری ہوسکیں گی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ! اتنا لگنا پڑے گا کہ اہل وعیال کے لئے کمانے کا وقت نہ بچے (تو پھر انہیں کہاں سے کھلاؤں گا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم (آپ کے لئے اور آپ کے اہل وعیال کے لئے بیت المال میں سے) مناسب مقدار میں وظیفہ مقرر کردیتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کا ناس ہو! مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے اس مال میں سے کچھ لینے کی گنجائش نہ ہو۔ چنانچہ (مشورہ سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا اور) انہوں نے دو سال سے زائد عرصہ (خلافت) میں آٹھ ہزار درہم لئے۔ جب ان کی موت کا وقت آیا تو فرمایا میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا مجھے ڈر ہے کہ مجھے اس مال میں سے لینے کی گنجائش بالکل نہیں ہے لیکن عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مجھ پر غالب آگئے اور مجھے ان کی بات مان کر بیت المال میں سے وظیفہ لینا پڑا لہٰذا جب میں مرجاؤں تو میرے مال میں سے آٹھ ہزار لے کر بیت المال میں واپس کردینا۔ چنانچہ جب وہ آٹھ ہزار (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے گئے تو آپ نے فرمایا اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! انہوں نے اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال دیا (کہ آدمی اپنی ساری جان اور سارا مال دین پر لگادے اور دنیا میں کچھ نہ لے۔) (اخرجہ البیہقی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط

حضرت عطا بن یسارؒ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک عطیہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تم نے یہ کیوں واپس کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا آپ نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی سے کچھ نہ لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا مقصد یہ تھا کہ مانگ کر نہ لیا جائے اور جو بغیر مانگے مل رہا ہو تو وہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے اسے لے لینا چاہئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! آج کے بعد میں کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا اور جو بغیر مانگے آئے گا اسے ضرور لوں گا۔ (اخرجہ مالک)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت عاتکہ بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو ایک بچھونا ہدیہ میں بھیجا۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ ایک ہاتھ لمبا اور ایک بالشت چوڑا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور وہ بچھونا دیکھا تو پوچھا یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ انہوں نے کہا یہ مجھے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ہدیہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھایا اور اس زور سے ان کے سر پر مارا کہ ان کے سر کے بال کھل گئے اور پھر فرمایا کہ ابوموسیٰ کو فوراً جلدی سے میرے پاس لاؤ (یعنی دوڑاتے ہوئے اتنی جلدی لاؤ کہ وہ تھک جائیں) چنانچہ وہ بڑی تیزی سے چلتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آتے ہی انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ میرے بارے میں جلدی نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میری عورتوں کو ہدیہ کیوں دیتے ہو؟ پھر وہ بچھونا اٹھا کر انکے سر پر مارا اور فرمایا اسے لے جاؤ ہمیں اسکی ضرورت نہیں۔ (اخرجہ ابن سعد وابن عساکر)

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زیادؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار دینار دینا چاہے تو حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے ان کی ضرورت نہیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اسے دے دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا ٹھہرو تو سہی (انکار میں جلدی نہ کرو) میں تمہیں اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سناتا ہوں پہلے اسے سن لو۔ پھر دل

چاہے تو لے لینا ورنہ نہ لینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجھے کوئی چیز عنایت فرمائی تو میں نے انکار میں وہی بات کہی جو تم اب کہہ رہے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کوئی چیز بغیر سوال اور لالچ کے ملے تو یہ اللہ کی عطا ہے اسے چاہئے کہ وہ اسے لے لے اور واپس نہ کرے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ نے خود یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ تو پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے وہ دینار لے لئے۔ (اخرجہ الشاشی وابن عساکر کذانی الکنز)

حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر بن حذیم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا بات ہے کہ اہل شام تم سے بڑی محبت کرتے ہیں؟ (یہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ شام میں گورنر رہے تھے) حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کے حقوق کا خیال رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ غم خواری کرتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دس ہزار دیئے انہوں نے وہ واپس کر دیئے اور یوں کہا میرے پاس بہت سے غلام اور گھوڑے ہیں اور میری حالت اچھی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں (گورنری کا) جو کام کر رہا ہوں یہ سب مسلمانوں پر صدقہ ہو یعنی اس کام کو کرنے کے بعد مسلمانوں کے بیت المال میں سے کچھ نہ لوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ایسا نہ کرو کیونکہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس ہزار سے کم مال دیا تھا تو میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ویسی بات کہی تھی جیسی تم مجھے اب کہہ رہے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ تمہیں بغیر سوال اور طلب کے دے رہے ہیں تو اسے لے لو کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے عطا ہے جو وہ تمہیں دے رہے ہیں۔ (عند الحاکم)

حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا۔ میں نے صدقات وصول کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

دے دیئے تو انہوں نے مجھے میری اس خدمت کا معاوضہ دینا چاہا اس پر میں نے کہا میں نے تو یہ کام صرف اللہ کے لئے کیا ہے اور اسکا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو میں تمہیں دے رہا ہوں اسے لے لو کیونکہ میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ صدقات وصول کرنے کا کام کیا تھا تو آپ نے اس پر مجھے کچھ دینا چاہا۔ میں نے بھی وہی بات کہی تھی جو تم کہہ رہے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب میں تمہیں کوئی چیز مانگے بغیر دیا کروں تو اسے لے کر یا خود کھالیا کرو یا دوسروں پر صدقہ کر دیا کرو (جمع نہ کیا کرو)۔ (عند ابن جریر کذا فی الکنز)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے دن حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو کچھ عطا فرمایا انہوں نے اسے کم سمجھا (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مانگا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور دے دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے دو مرتبہ دیا ہے ان دونوں میں سے کون سا زیادہ بہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلا (جو بن مانگے ملا تھا) اے حکیم بن حزام! یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے (جو دیکھنے میں خوشنما اور کھانے میں مزیدار لگتا ہے) جو اسے دل کی سخاوت کے ساتھ لے گا (یعنی دینے والا بھی دل کی خوشی سے دے اور لینے والا بھی لے کر جمع کرنے کی طبیعت والا نہ ہو بلکہ دوسروں کو دینے کا مزاج رکھتا ہو اور استغناء والا ہو) اور اسے اچھے طریقہ سے استعمال کرے گا اس کے لئے اس مال میں برکت دی جائے گی اور جو دل کی لالچ کے ساتھ لے گا اور اسے بری طرح استعمال کرے گا اس کیلئے اس مال میں برکت نہیں ہوگی اور یہ اس آدمی کی طرح ہو جائے گا جو مسلسل کھاتا جا رہا ہے اور اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے والے ہاتھ (یعنی لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے۔

حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ سے مانگنے میں بھی یہی بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ مجھ سے مانگنے میں بھی حضرت حکیم رضی اللہ عنہ

نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اب آپ کے بعد کبھی بھی کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔ راوی کہتے ہیں اس کے بعد حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے نہ تو مقررہ وظیفہ قبول کیا اور نہ عطیہ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا اور (جب وہ نہ لیا کرتے تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے اے اللہ! میں تجھے اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بلاتا ہوں تاکہ وہ اس مال میں سے اپنا حصہ لے لیں لیکن وہ ہمیشہ انکار کر دیتے ہیں۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی کہا کرتے کہ اللہ کی قسم! میں نے نہ آپ سے کچھ لینا ہے اور نہ آپ کے علاوہ کسی اور سے۔ (اخرجہ عبدالرزاق کذا فی الکنز)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ ایک عربی شخص حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا۔ انہوں نے اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اکرام کیا اور ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (سفارش کی) بات بھی کی۔ وہ آدمی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے) حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی وادی بطور جاگیر مانگی تھی کہ پورے عرب میں اس سے اچھی وادی نہیں ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مجھے عطا فرمادی ہے) اب میں چاہتا ہوں کہ اس وادی کا ایک ٹکڑا آپ کو دے دوں جو آپ کی زندگی میں آپ کا ہو اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کا۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے تمہارے اس ٹکڑے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آج ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جس نے ہمیں دنیا ہی بھلا دی ہے اور وہ سورۃ یہ ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ (سورۃ انبیاء، آیت ۱)

ترجمہ: "ان (منکر) لوگوں سے ان کا (وقت) حساب نزدیک آ پہنچا اور یہ (ابھی) غفلت (ہی) میں (پڑے ہیں اور اعراض) کیے ہوئے ہیں۔" (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مال واپس کرنا

حضرت ابوشعبہؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں کچھ

خرچہ دینا چاہا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ نکال کر ہم استعمال کر لیتے ہیں اور سواری اور مال برداری کے لئے کچھ گدھے ہیں اور ایک آزاد کردہ باندی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور کپڑوں میں ضرورت سے زائد ایک چوغہ بھی ہے مجھے ڈر ہے کہ ضرورت سے زائد رکھنے پر کہیں مجھ سے اس کا حساب نہ لیا جائے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

شام کے گورنر حضرت خبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تین سو دینار بھیجے اور یوں کہا کہ انہیں اپنی ضرورت میں خرچ کر لیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے لانے والے سے کہا یہ ان ہی کے پاس واپس لے جاؤ کیا انہیں ہمارے علاوہ کوئی اور نہ ملا جو اللہ کے بارے میں ہم سے زیادہ دھوکہ میں پڑا ہوا ہو (جو اللہ کے حکموں کو چھوڑ کر اس کے عذاب سے بے خوف ہو کر اس کی نافرمانیوں میں لگا ہوا ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ضرورت سے زیادہ مال رکھنے کو بھی غلط سمجھتے تھے) ہمارے پاس سایہ میں بیٹھنے کے لئے ایک مکان ہے اور بکریوں کا ایک ریوڑ ہے جو شام کو آ جاتا ہے اور ایک آزاد کردہ باندی ہے جو مفت میں ہماری خدمت کر دیتی ہے۔ بس یہی چیزیں ہمارے پاس ہیں اور کچھ نہیں ہے لیکن پھر بھی مجھے ضرورت سے زائد رکھنے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت حارث قریشی جو کہ شام میں رہا کرتے تھے ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بڑی تنگدستی میں ہیں تو انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تین سو دینار بھیج دیئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے کوئی ایسا اللہ کا بندہ نہیں ملا جو اس کے نزدیک مجھ سے زیادہ بے قیمت ہوتا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے پاس چالیس درہم ہیں اور پھر وہ مانگے تو وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال کرنے والا ہے (اور اس سے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے) اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس درہم، چالیس بکریاں اور دو خادم ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابورافع! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم فقیر ہو

جاؤ گے۔ میں نے کہا تو میں ابھی صدقہ کر کے اپنی آخرت کے لئے آگے نہ بھیج دوں (بعد میں تو فقیر ہو جاؤں گا صدقہ کرنے کے لئے کچھ پاس نہ ہو گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرور۔ لیکن آج کل تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ میں نے کہا چالیس ہزار اور وہ میں سارے اللہ کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے نہیں، کچھ صدقہ کر دو، کچھ اپنے پاس رکھ لو اور اپنی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ان کا بھی ہم پر اسی طرح حق ہے جس طرح ہمارا ان پر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ والد پر بچے کا حق یہ ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید سکھائے اور تیر اندازی اور تیرا کی بھی سکھائے اور جب دنیا سے جائے تو ان کے لئے حلال اور پاکیزہ مال چھوڑ کر جائے۔ میں نے پوچھا میں کس زمانے میں فقیر ہو جاؤں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد۔ ابو سلیم راوی کہتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ حضور کے بعد اتنے فقیر ہو گئے تھے کہ وہ بیٹھے ہوئے کہا کرتے تھے کوئی ہے جو نابینا بوڑھے پر صدقہ کرے۔ کوئی ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا کہ وہ ان کے بعد فقیر ہو جائے گا۔ کوئی ہے جو صدقہ کرے کیونکہ اللہ کا ہاتھ سب سے اوپر ہے اور دینے والے کا ہاتھ درمیان میں ہے اور لینے والے کا ہاتھ سب سے نیچے ہے اور جو مالدار ہوتے ہوئے بغیر ضرورت کے سوال کرے گا تو اس کے جسم پر ایک بدنما داغ ہو گا جس سے وہ قیامت کے دن پہچانا جائے گا اور مالدار کو اور طاقتور انسان کو جس کے جسم کے اعضاء ٹھیک ہوں صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔

راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے ان کو چار درہم دیئے تو انہوں نے ان میں سے ایک درہم اسے واپس کر دیا تو اس آدمی نے کہا اے اللہ کے بندے! میرا صدقہ واپس نہ کرو۔ انہوں نے فرمایا میں نے اس لئے ایک درہم واپس کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ضرورت سے زیادہ مال رکھنے سے منع فرمایا ہے (اور مجھے ضرورت تین کی ہے) ابو سلیم راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ بعد میں اتنے مالدار ہو گئے تھے کہ عشر وصول کرنے والا ان کے پاس بھی آیا کرتا تھا لیکن وہ فرمایا کرتے کاش ابو رافع رضی اللہ عنہ

فقیری کی حالت میں مرجاتا (دوبارہ مالدار نہ بنتا) اور غلام کو جتنے میں خریدتے اتنے ہی پر اسے مکاتب بنا دیتے (غلام کو مکاتب بنانے کی صورت یہ ہے کہ مالک اپنے غلام سے یوں کہے کہ تم مجھے اتنا مال کما کر لاؤ تو تم آزاد ہو جاؤ گے) (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کر دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے انہیں واپس کر دیا اور لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں اپنا دین دنیا کے بدلہ میں بیچ دوں؟ اور یہ کہہ کر مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ (اخرجہ الحاکم)

حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت میمونؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو چپکے سے اس ٹوہ میں لگایا کہ وہ یہ پتہ چلائیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا ارادہ ہے؟ آیا وہ (یزید کی بیعت نہ کرنے اور خود خلیفہ بننے کے لئے) جنگ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المؤمنین (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے ہیں اور آپ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ آپ خلیفہ وقت کے خلاف کیوں نہیں اٹھ کھڑے ہوتے؟ اگر آپ ایسا کریں تو ہم آپ سے بیعت ہونے کو تیار ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ کی اس رائے سے تمام لوگوں کو اتفاق ہے؟

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ باقی سب متفق ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر سب مسلمان اس رائے سے اتفاق کر لیں لیکن ہجر مقام کے تین آدمی اتفاق نہ کریں تو بھی مجھے اس خلافت کی ضرورت نہیں ہے اس سے

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ ان کا جنگ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ اس آدمی سے بیعت ہونے کے لئے تیار ہیں جس کی بیعت پر تمام لوگ اتفاق کرنے ہی والے ہیں؟ اور وہ آدمی آپ کے نام اتنی زمین اور اتنا مال لکھ دے گا کہ پھر آپ کو اور آپ کی اولاد کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ پر سخت حیرت ہے آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں اور آئندہ کبھی (اس کام کے لئے) میرے پاس نہ آئیں۔ آپ کا بھلا ہو۔ میرا دین آپ لوگوں کے دینار و درہم کی وجہ سے نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اس دنیا سے اس طرح جاؤں کہ میرا ہاتھ (دنیا کی آلائشوں سے) بالکل پاک صاف ہو۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو مکاتب بنایا (یعنی اسے فرمایا کہ اتنی رقم دے دو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے) اور مال کی ادائگی کی قسطیں مقرر کر دیں جب پہلی قسط کی ادائیگی کا وقت آیا تو وہ غلام وہ قسط لے کر ان کے پاس آیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا یہ مال تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟ اس نے کہا کچھ مزدوری کر کے کمایا ہے اور کچھ لوگوں سے مانگ کر لایا ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم مجھے لوگوں کا میل کچیل کھلانا چاہتے ہو؟ جاؤ تم اللہ کے لئے آزاد ہو اور مال جو تم لے کر آئے ہو وہ بھی تمہارا ہی ہے۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ عراق کے دیہات کے ایک چوہدری نے حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اس کی ایک ضرورت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی سفارش کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی وہ ضرورت پوری کر دی۔ اس پر اس چوہدری نے حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار بھیجے لوگوں نے بتایا کہ یہ اس چوہدری نے بھیجے ہیں تو انہیں واپس کر دیا اور فرمایا ہم نیکی بیچا نہیں کرتے۔ (اخرجہ ابن ابی الدنیا)

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن دینارؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا ذمہ دار ونگران مقرر کیا اور انہیں تین لاکھ اس خدمت کے عوض دینے چاہے تو حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لینے سے انکار کر دیا اور حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو تیس ہزار بطور معاوضہ کے دینے چاہے لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے تو اللہ کے لئے یہ کام کیا تھا۔ (اخرجہ البغوی)

حضرت عمرو بن نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ بن قرہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرو بن نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا جب رمضان شریف کا مہینہ آیا تو ایک آدمی دراہم کی تھیلی لے کر ان کے پاس آیا اور کہا امیر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے ہر قاری کی خدمت میں ہماری طرف سے عطیہ ضرور پہنچ گیا ہے (اس لئے آپ کی خدمت میں بھی بھیجا ہے) یہ دراہم اپنی ضرورت میں خرچ کر لیں تو حضرت عمرو بن نعمان نے لانے والے سے کہا جا کر ان سے کہہ دینا اللہ کی قسم! ہم نے قرآن دنیا حاصل کرنے کے لئے نہیں پڑھا اور وہ تھیلی ان کو واپس کر دی۔ (اخرجہ ابن ابی شیبۃ کذا فی)

حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قتیلہ بن عبدالعزیٰ بن عبد اسعد جو کہ بنو مالک بن حسل قبیلہ میں سے تھیں وہ ابھی مشرک ہی تھیں کہ وہ گوہ، روٹیاں اور گھی ہدیہ میں لے کر اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کا ہدیہ لینے سے انکار کر دیا اور انہیں اپنے گھر آنے سے روک دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ (سورۂ ممتحنہ: ۸)

ترجمہ: ’’اور اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔‘‘

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اپنی والدہ کا ہدیہ قبول کرلیں اور انہیں اپنے گھر آنے دیں۔ (اخرجہ احمد والبزار قال الہیثمی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مسکین عورت میرے پاس آئی وہ مجھے تھوڑی سی چیز ہدیہ کرنا چاہتی تھی مجھے اس کی غربت پر ترس آیا اس لئے مجھے اس سے ہدیہ لینا اچھا نہ لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ تم اس سے ہدیہ قبول کرلیتیں اور پھر اسے ہدیہ کے بدلے میں کچھ دے دیتیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم نے اس عورت کو حقیر سمجھا ہے۔ اے عائشہ! تواضع اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ)

غنا کی تعلیم

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ بہت زیادہ محتاج اور بدحال ہوگئے تو مجھے میرے گھر والوں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کچھ مانگ لوں۔ چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلی جو بات سنی تھی وہ یہ تھی کہ آپ فرما رہے تھے جو اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرے گا (غنا یہ ہے کہ دل میں دنیا کی طلب و حرص نہ رہے) اسے اللہ تعالیٰ غنا عطا فرمادیں گے اور جو عفت طلب کرے گا (عفت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی تمام منع کی ہوئی چیزوں سے اور مانگنے سے رکے اور پاکدامن ہو) اللہ تعالیٰ اسے عفت عطا فرمائیں گے اور جو ہم سے کوئی چیز مانگے گا اور وہ چیز ہمارے پاس موجود ہوئی تو ہم اسے اپنے لئے بچا کر نہیں رکھیں گے بلکہ ہم اسے وہ چیز دے دیں گے۔ یہ سن کر میں نے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ مانگا اور ویسے ہی واپس آ گیا (ہم نے فقر و فاقہ اور تکلیفوں کے ساتھ دین کی محنت کی جس کے نتیجہ میں) بعد میں دنیا ہم پر ٹوٹ پڑی۔ (اخرجہ ابن جریر)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کچھ وعدہ فرما رکھا تھا جب بنو قریظہ یہودیوں کا علاقہ فتح ہو گیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ اپنا وعدہ پورا فرمائیں اور مجھے عطا فرمائیں میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے جو اللہ سے غنا کو طلب کرے گا اللہ اسے غنی بنا دیں گے اور جو قناعت اختیار کرے گا اللہ اسے قناعت عطا فرما دیں گے (قناعت یہ ہے کہ انسان کو تھوڑی بہت جتنی دنیا ملے اسی پر راضی ہو جائے) جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنے دل میں کہا ایسی بات ہے تو پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ (اخرجہ البزار)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔ میں نے عرض کیا میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ثوبان کبھی بھی کسی سے کچھ نہیں مانگا کرتے تھے۔ (اخرجہ احمد والنسائی)

خیر والقرون میں مال کی وسعت پر رونے کے واقعات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہم نصیحت

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر اس طرح نماز جنازہ پڑھی گویا کہ آپ زندہ اور مردہ لوگوں کو رخصت فرما رہے ہیں (یعنی آپ کو اندازہ تھا کہ دنیا سے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے اس لئے زندہ لوگوں کو خاص خاص باتوں کی وصیت اور تاکید فرما رہے تھے اور مردہ لوگوں کے لئے بڑے اہتمام سے دعا و استغفار فرما رہے تھے کہ پھر اس کا موقع تو رہے گا نہیں) پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا میں تم لوگوں سے پہلے آگے جا رہا ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہ بنوں گا اور تم سے وعدہ ہے کہ حوض کوثر پر تم سے ملاقات ہوگی اور میں اپنی اس جگہ سے اس وقت حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے درمیان کے تمام پردے ہٹا دیئے ہیں) مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم شرک کرنے لگو بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ تم لوگ دنیا کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو۔ حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا میرے لئے آخری موقع تھا۔ (اخرجہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے بارہ میں فکر

حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین جزیہ لانے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ بحرین

سے بہت سامال (ایک لاکھ اسی ہزار یا دو لاکھ درہم) لے کر آئے۔ حضرات انصار نے جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے واپس آنے کی خبر سنی تو انہوں نے فجر کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ سب حضرات آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! (اپنی اس بات کو چھپایا نہیں) آپ نے فرمایا تمہیں خوشخبری دیتا ہوں اور خوشی حاصل ہونے کی امید رکھو (یعنی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو مال لائے ہیں اس میں سے تمہیں ضرور کچھ ملے گا) اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر کا ڈر نہیں ہے بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی تھی اور تم بھی اس کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو گے جیسے پہلوں نے کی تھی پھر یہ دنیا تمہیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جیسے اس نے ان کو ہلاک کیا تھا۔ (اخرجہ الشیخان کذا فی الترغیب)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کھڑے ہو کر فرمایا تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو یا تمہیں دنیا کا فکر و غم لگا ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ فارس اور روم پر تمہیں فتح دے دیں گے اور تم پر دنیا کی بہت زیادہ فراوانی ہوگی اور اس دنیا کی وجہ سے ہی تم لوگ صحیح راستے سے ہٹ جاؤ گے۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے خزانے آئے تو ان سے حضرت عبداللہ بن ارقم زہری رضی اللہ عنہ نے کہا آپ اسے بیت المال میں کیوں نہیں رکھ دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ ہم اسے بیت المال میں نہیں رکھیں گے بلکہ تقسیم کریں گے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے تو ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ تو اللہ کا شکر ادا کرنے اور خوشی و مسرت کا دن

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو بھی یہ مال دیا ہے اس مال نے ان کے درمیان بغض وعداوت ضرور پیدا کی ہے۔ (عند البیہقی ایضا)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ کسریٰ کا تاج حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا (تاج کے ساتھ کسریٰ کی زیب وزینت کا سامان بھی تھا) اس وقت وہاں لوگوں میں حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ بن ہرمز کے دونوں کنگن ان کے سامنے رکھ دیئے۔ حضرت سراقہ نے دونوں کنگن اپنے ہاتھوں میں ڈالے تو ان کے کندھوں تک پہنچ گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کنگن ان کے ہاتھوں میں دیکھے تو فرمایا الحمدللہ! اللہ کی قدرت دیکھو کہ کسریٰ بن ہرمز کے دو کنگن اس وقت بنو مدلج کے ایک دیہاتی سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کے دو ہاتھوں میں ہیں۔

پھر فرمایا اے اللہ! مجھے معلوم ہے کہ تیرے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ انہیں کہیں سے مال ملے اور وہ اسے تیرے راستے میں اور تیرے بندوں پر خرچ کریں لیکن تو نے ان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان کے لئے زیادہ بہتر صورت اختیار کرتے ہوئے ان سے مال کو دور رکھا۔ اور اے اللہ! مجھے معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ انہیں کہیں سے مال ملے اور وہ اسے تیرے راستے میں اور تیرے بندوں پر خرچ کردیں لیکن تو نے ان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان کے لئے زیادہ بہتر صورت اختیار کرتے ہوئے ان سے مال کو دور رکھا۔ (اور اب میرے زمانے میں یہ مال بہت زیادہ آرہا ہے) اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ یہ مال کا زیادہ آنا کہیں تیری طرف سے عمر کے خلاف داؤ نہ ہو۔ (یعنی کہیں اس سے عمر رضی اللہ عنہ کے دین اور آخرت کا نقصان نہ ہو) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:۔

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ ...تا... بَلْ لَا يَشْعُرُونَ (سورۃ مؤمنون۔ ۵۵، ۵۶)

ترجمہ:۔ ''کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ

لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے۔'' (عند البیہقی ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا میں ان کی خدمت میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے چمڑے کے دستر خوان پر سونا بکھرا پڑا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ اور یہ سونا اپنی قوم میں تقسیم کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سونا اور مال اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے دور رکھا اور مجھے دے رہے ہیں اب اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے یہ مال خیر کی وجہ سے دیا جا رہا ہے یا شر کی وجہ سے۔ پھر فرمایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ مال اس وجہ سے دور نہیں رکھا کہ ان دونوں کے ساتھ شر کا ارادہ تھا اور مجھے اس وجہ سے نہیں دے رہے ہیں کہ میرے ساتھ خیر کا ارادہ ہے (بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔) (اخرجہ ابو عبید ابن سعد)

مال کی کثرت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بلانے کے لئے میرے پاس ایک آدمی بھیجا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے اندر سے ان کے زور سے رونے کی آواز سنی۔ میں نے گھبرا کر کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اللہ کی قسم! امیر المؤمنین کو کوئی زبردست حادثہ پیش آیا ہے، (جس کی وجہ سے اتنے زور سے رو رہے ہیں) میں نے اندر جا کر ان کا کندھا پکڑ کر کہا اے امیر المؤمنین! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پریشان ہونے کی بہت بڑی بات ہے اور میرا ہاتھ پکڑ کر دروازے کے اندر لے گئے میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اوپر نیچے بہت سے تھیلے رکھے ہوئے ہیں۔

انہوں نے فرمایا اب خطاب کی اولاد کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں رہی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو میرے دونوں ساتھیوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہ مال دیتے اور وہ دونوں اسے خرچ کرنے میں جو طریقہ اختیار کرتے میں بھی

اسے اختیار کرتا۔ میں نے کہا آئیں بیٹھ کر سوچتے ہیں کہ اسے کیسے خرچ کرنا ہے۔

چنانچہ ہم لوگوں نے امہات المؤمنین (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات) کے لئے چار چار ہزار اور مہاجرین کے لئے چار چار ہزار اور باقی لوگوں کے لئے دو دو ہزار درہم تجویز کئے اور یوں وہ سارا مال تقسیم کر دیا۔ (اخرجہ ابوعبید والعدنی کذا فی الکنز ٢/ ٣١٨)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہمارے ہم مجلس تھے اور بڑے اچھے ہم مجلس تھے۔ ایک دن ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ ہم ان کے گھر میں داخل ہو گئے پھر وہ اندر گئے اور غسل کر کے باہر آئے اور ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر اندر سے ایک پیالہ آیا جس میں روٹی اور گوشت تھا۔ جب وہ پیالہ سامنے رکھا گیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ہم لوگوں نے ان سے کہا اے ابو محمد! (یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ اس لئے میرے خیال میں یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے ہمیں جو دنیا میں زندہ رکھا ہے اور دنیا کی وسعت ہمیں عطا فرمائی ہے۔ ہماری یہ حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے بہتر ہو اور ہمارے لئے اس میں خیر زیادہ ہو۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

حضرت یحییٰ بن جعدہؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے آئے۔ انہوں نے کہا اے ابوعبداللہ! آپ کو خوشخبری ہو آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر جائیں گے تو انہوں نے گھر کے اوپر اور نیچے والے حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس گھر کے ہوتے ہوئے میں کیسے (حوض کوثر پر جا سکتا ہوں؟) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تمہیں اتنی دنیا کافی ہے جتنا ایک سوار کے پاس سواری پر توشہ ہوتا ہے (اور میرے پاس توشہ سے کہیں زیادہ ہے) (اخرجہ ابویعلی والطبرانی)

حضرت حارثہ بن مضربؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے (اس زمانے کے دستور کے مطابق علاج کے لئے) اپنے پیٹ پر گرم لوہے سے سات داغ لگوا رکھے تھے۔ انہوں نے کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ تم میں سے کوئی بھی ہرگز موت کی تمنا نہ کرے تو میں ضرورت موت کی تمنا کرتا۔ ایک ساتھی نے عرض کیا (آپ ایسا کیوں فرما رہے ہیں؟) آپ ذرا خیال فرمائیں دنیا میں آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی اور ان شاء اللہ (مرنے کے بعد) آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے کہا اب جو میرے پاس اتنی دنیا جمع ہو گئی ہے اس کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ شاید میں ان کی خدمت میں نہ پہنچ سکوں۔ دیکھو یہ گھر میں چالیس ہزار درہم پڑے ہوئے ہیں۔ (عند ابی نعیم فی الحلیہ)

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں دیکھا ہے کہ میں ایک درہم کا بھی مالک نہیں تھا اور آج میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہوئے ہیں۔ پھر ان کے لئے جب کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا (مجھے تو ایسا اچھا اور مکمل کفن مل رہا ہے) اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کفن کی تو صرف ایک دھاری دار چادر تھی اور وہ بھی اتنی چھوٹی کہ اسے سر پر ڈالا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا آخر سر ڈھک کر پیروں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ (اخرجہ ابو نعیم)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کی۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور عطا فرمائیں گے۔ اب ہمارے کچھ ساتھی تو اس دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے اپنے اعمال اور اپنی محنت کا بدلہ دنیا میں کچھ نہیں لیا۔ ان میں سے ایک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جو جنگ احد کے دن شہید ہوئے وہ صرف ایک دھاری دار چادر ہی چھوڑ کر گئے تھے اور وہ اتنی چھوٹی تھی کہ جب ہم اس سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور جب اس سے ان کے پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا۔ آخر ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چادر سے ان کا سر ڈھانک دو اور ان کے

پاؤں پراذخر گھاس ڈال دو اور ہمارے بعض ساتھیوں کے پھل پک چکے ہیں جنہیں وہ چن رہے ہیں یعنی اب ان کو دنیا کی مال و دولت خوب مل گئی ہے۔ (عند البخاری، واخرجہ ابن سعد)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

قبیلہ بنو قیس کے ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا۔ ایک دفعہ انہوں نے کسریٰ کے ان خزانوں کا تذکرہ کیا جو اللہ نے مسلمانوں کو فتوحات میں دیئے تھے اور فرمایا جس اللہ نے تمہیں یہ خزانے دیئے اور تمہیں یہ فتوحات عطا فرمائیں اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ سارے خزانے روک رکھے تھے (حالانکہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام خیرات و برکات عطا فرمائی تھیں) اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس حال میں صبح کرتے کہ ان کے پاس نہ درہم و دینار ہوتا اور نہ ایک مد (۱۴ چھٹانک) غلہ، اے قبیلہ بنو عبس والے! پھر اس کے بعد اب یہ صورت حال ہے۔ پھر ہمارا چند کھلیانوں پر گزر ہوا جہاں اڑا کر دانوں سے بھوسہ الگ کیا جا رہا تھا اسے دیکھ کر فرمایا جس اللہ نے تمہیں یہ سب کچھ دیا ہے اور تمہیں یہ فتوحات عطا فرمائی ہیں اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ تمام خزانے روک رکھے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس حال میں صبح کرتے کہ نہ ان کے پاس دینار و درہم ہوتا اور نہ ایک مد غلہ۔ اے عبسی بھائی! پھر اس کے بعد اب (فراوانی کی) یہ صورت حال ہے۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابو سفیانؒ اپنے اساتذہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کرنے گئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ تو (انتقال کے بعد) اپنے ساتھیوں سے جا ملیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر جائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حال میں انتقال ہوا کہ وہ آپ سے راضی تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہ تو موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں اور نہ دنیا کے لالچ کی وجہ سے بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ وصیت

فرمائی تھی کہ گزارے کے لئے تمہارے پاس اتنی دنیا ہونی چاہئے جتنا کہ سوار کے پاس توشہ ہوتا ہے اور (میں اس وصیت کے مطابق عمل نہیں کر سکا کیونکہ) میرے اردگرد یہ بہت سے کالے سانپ ہیں یعنی دنیا کا بہت سا سامان ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ سامان کیا تھا؟ بس ایک لوٹا اور کپڑے دھونے کا برتن اور اسی طرح کی چند اور چیزیں تھیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ ہمیں کوئی وصیت فرما دیں جس پر ہم آپ کے بعد بھی عمل کریں۔ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب آپ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرنے لگیں اور کوئی فیصلہ کرنے لگیں اور جب آپ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز تقسیم کرنے لگیں تو اس وقت اپنے رب کو یاد کر لیا کریں یعنی کوئی بھی کام کرنے لگیں تو اللہ کا ذکر ضرور کریں۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عامر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت سلمان الخیر رضی اللہ عنہ (مدینہ میں شروع زمانے میں اسلام لانے کی وجہ سے یہ الخیر کہلاتے تھے) کی موت کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے ان پر کچھ گھبراہٹ محسوس کی تو انہوں نے کہا اے ابوعبداللہ! (یہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) آپ کیوں گھبرا رہے ہیں؟ آپ کو اسلام لانے میں دوسروں پر سبقت حاصل ہے اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی اچھی لڑائیوں میں اور بڑی بڑی جنگوں میں شریک ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا میں اس وجہ سے گھبرا رہا ہوں کہ ہمارے حبیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے جاتے وقت ہمیں یہ وصیت کی تھی کہ تم میں سے ہر آدمی کو سوار کے توشہ جتنا سامان کافی ہونا چاہئے (میں اس وصیت کی پابندی نہیں کر سکا) اس وجہ سے گھبرا رہا ہوں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب ان کا مال جمع کیا گیا تو اس کی قیمت پندرہ درہم تھی۔ ابن عساکر میں یہ ہے کہ پندرہ دینار تھی۔

ابونعیم نے حضرت علی بن بذیمہ سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا سامان بیچا گیا تو وہ چودہ درہم میں بکا۔ (کذا فی الترغیب)

حضرت ابو ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ قرشی رضی اللہ عنہ

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیمار

تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کرنے آئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو ان سے پوچھا اے ماموں جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا کسی درد نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے؟ یا دنیا کے لالچ میں رو رہے ہیں؟

انہوں نے کہا یہ بات بالکل نہیں ہے بلکہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت فرمائی تھی۔ ہم اس پر عمل نہیں کر سکے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کیا وصیت تھی؟ حضرت ابو ہاشم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی نے مال جمع کرنا ہی ہے تو ایک خادم اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک سواری کافی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے آج (اس سے زیادہ) مال جمع کر رکھا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت سمرہ بن سہم کی قوم کے ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا تو ان کے پاس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آئے۔ ابن حبان کی روایت میں۔ ہے کہ حضرت سمرہ بن سہم کہتے ہیں میں حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا تو وہ طاعون کی بیماری میں مبتلا تھے۔ پھر ان کے پاس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آئے اور رزین کی روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت ابو ہاشم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے ترکہ کا حساب کیا گیا تو اس کی قیمت تیس درہم بنی تھی اور اس میں وہ پیالہ بھی شمار کیا گیا جس میں وہ آٹا گوندھا کرتے تھے اور اسی میں وہ کھاتے تھے۔ (اخرجہ الترمذی والنسائی)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عامر کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو حسنہ مسلم بن اکیس کہتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو انہوں نے کہا اے ابو عبیدہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتوحات اور مال غنیمت کا تذکرہ کیا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عطا فرمائیں گے۔ اس میں ملک شام فتح ہونے کا بھی ذکر فرمایا اور فرمایا اے ابو عبیدہ! اگر تم (ان فتوحات تک) زندہ رہے تو

تمہیں تین خادم کافی ہیں۔ایک تمہاری روزمرہ خدمت کے لئے اور دوسرا تمہارے ساتھ سفر کرنے کے لئے اور تیسرا تمہارے گھر والوں کی خدمت کے لئے جوان کے کام کرتا رہے اور تین سواریاں تمہیں کافی ہیں۔ ایک سواری تمہارے گھر کے لئے۔ دوسری سواری تمہارے ادھر ادھر آنے جانے کے لئے۔تیسری سواری تمہارے غلام کے لئے

(اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تین خادم اور تین سواریاں رکھنے کو فرمایا تھا) اور میں اپنے گھر کو دیکھتا ہوں تو وہ غلاموں سے بھرا ہوا ہے اور اپنے اصطبل کو دیکھتا ہوں تو وہ گھوڑوں اور جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔اب میں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس منہ سے ملاقات کروں گا جبکہ آپ نے ہمیں یہ تاکید فرمائی تھی کہ تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو (قیامت کے دن) مجھے اسی حال میں ملے جس حال میں مجھ سے جدا ہوا تھا۔(اخرجہ احمد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زُہد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ قصہ سنایا اور فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ چٹائی پر تشریف فرما تھے۔میں اندر جا کر بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نے صرف لنگی باندھی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ جسم پر اور کوئی کپڑا نہیں ہے۔اس وجہ سے آپ کے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے ہیں اور مٹھی بھر ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جو اور کیکر کے پتے (جو کھال رنگنے کے کام آتے ہیں) ایک کونے میں پڑے ہوئے ہیں اور ایک بغیر رنگی ہوئی کھال لٹکی ہوئی ہے۔(اتنا کم سامان دیکھ کر) میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اے ابن الخطاب! میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیوں نہ روؤں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ چٹائی کے نشانات آپ کے جسم اطہر پر پڑے ہوئے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو مجھے نظر آ رہی ہے،ادھر کسریٰ و قیصر تو پھلوں اور نہروں (دنیا کی فراوانی)

میں ہوں اور آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ بندے ہو کر آپ کی یہ حالت ہے۔

آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا۔ (اخرجہ ابن ماجہ باسناد صحیح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک انصاری عورت میرے پاس آئی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک دیکھا کہ ایک چادر ہے جسے دوہرا کر کے بچھایا ہوا ہے (پھر وہ چلی گئی) اور اس نے میرے پاس ایک بستر بھیجا جس کے اندر اون بھری ہوئی تھی۔ جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو اسے دیکھ کر فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی تھی اس نے آپ کا بستر دیکھا تھا۔ پھر اس نے واپس جا کر میرے پاس یہ بستر بھیجا ہے۔

آپ نے فرمایا اے عائشہ! یہ واپس کر دو۔ اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا۔ (اخرجہ البیہقی)

حضرت ابو رافع کی بیوی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ ہمارے لئے وہ کھانا تیار کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ میں نے کہا اے میرے بیٹو! میں پکا تو دوں گی لیکن آج تمہیں وہ کھانا اچھا نہیں لگے گا (خیر تم لوگوں کا اصرار ہے تو میں پکا دیتی ہوں) چنانچہ میں اٹھی اور جو لے کر انہیں پیسا اور پھونک مار کر موٹی موٹی بھوسی اڑا دی پھر اس سے ایک روٹی تیار کی پھر اس روٹی پر تیل لگایا اور اس پر کالی مرچ چھڑکی پھر اسے ان کے سامنے رکھا اور میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کھانا پسند تھا۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا جس میں دودھ اور شہد تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پینے کی چیزوں کو ایک بنا دیا اور ایک پیالے میں دو سالن جمع کر دیئے (یعنی دودھ اور شہد میں سے ہر ایک پینے اور سالن کے کام آ سکتا ہے) مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

غور سے سنو! میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے

قیامت کےدن ضرورت سے زائد چیزوں کے بارے میں پوچھے میں تو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہوں کیونکہ جو بھی اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلند کریں گے اور جو تکبر کرے گا اللہ اسے گرائیں گے اور جو (خرچ کرنے میں) میانہ روی اختیار کرے گا اللہ اسے غنی کردیں گے اور جو موت کو کثرت سے یاد کرے گا اللہ اس سے محبت کریں گے۔ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط کذا فی الترغیب)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو آپ کی خدمت میں شہد ملا ہوا پانی پیش کیا گیا جب آپ نے اسے ہاتھ میں لیا تو رونے لگے اور ہچکیاں مار مار کر رونا شروع کردیا جس سے ہم سمجھے کہ انہیں کچھ ہوگیا ہے لیکن (رعب کی وجہ سے) ہم نے ان سے کچھ نہ پوچھا۔ جب آپ چپ ہوگئے تو ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! آپ اتنا زیادہ کیوں روئے؟ انہوں نے فرمایا (شہد ملا ہوا پانی دیکھ کر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا تھا اس کی وجہ سے رویا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ) میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اتنے میں میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو اپنے سے دور کر رہے ہیں لیکن مجھے کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے جسے آپ دور کر رہے ہیں مجھے تو کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا دنیا میری طرف بڑھی تو میں نے اس سے کہا دور ہو جا تو اس نے کہا آپ تو مجھے لینے والے نہیں ہیں (یعنی یہ تو مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے نہیں لیں گے میں ویسے ہی زور لگا رہی ہوں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اس واقعہ کے یاد آنے سے میں رویا تھا) اور شہد ملا ہوا پانی پینا میرے لئے مشکل ہوگیا اور مجھے ڈر لگا کہ اسے پی کر کہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ نہ جاؤں اور دنیا مجھ سے چمٹ نہ جائے۔ (اخرجہ البزار)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال پر کوئی دینار و درہم ترکہ میں نہ چھوڑا بلکہ انہوں نے تو انتقال سے پہلے ہی اپنا سارا مال بیت المال میں جمع کرا دیا تھا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

خلیفہ بننے کے بعد اپنے تمام دینار و درہم بیت المال میں جمع کرا دیے تھے اور فرمایا میں اپنے اس مال سے تجارت کیا کرتا تھا اور روزی تلاش کیا کرتا تھا اب مسلمانوں کا خلیفہ بن جانے کی وجہ سے تجارت کی اور کسب معاش کی فرصت نہ رہی۔ (اخرجہ احمد فی الزھد کذافی الکنز)

حضرت عطاء بن سائبؒ کہتے ہیں کہ جب مسلمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو گئے تو وہ حسب معمول صبح کو بازو پر چادریں ڈال کر بازار جانے لگے۔ ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ پر خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کی ذمہ داری آ چکی ہے اس کا کیا کریں گے؟ فرمایا پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں وہ آپ کے لئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک مہاجری کو اوسطاً جو ملتا تھا نہ کم نہ زیادہ، وہ مقرر کر دیا اور یہ بھی طے کیا کہ ایک جوڑا سردی میں ملا کرے گا اور ایک گرمی میں لیکن پرانا جوڑا واپس کریں گے تو نیا ملے گا اور روزانہ آدھی بکری کا گوشت ملے گا۔ جس میں سری، کلیجی، دل گردے وغیرہ نہیں ہوں گے۔ (عند ابن سعد کذافی الکنز)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت سالم بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والے اسی وظیفہ پر اکتفا کیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ وہ کچھ عرصہ اتنا ہی لیتے رہے لیکن وہ ان کی ضرورت سے کم تھا۔ اس لئے ان کے گزر میں تنگی ہونے لگی تو مہاجرین کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی جن میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ ہم آپ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کیسا رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم تو پہلے سے ان کا وظیفہ بڑھانا چاہتے ہیں چلو چلتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پہلے ہمیں ادھر ادھر سے ان کی رائے معلوم کرنی چاہئے (پھر ان سے براہ راست بات کرنی چاہئے) میرا خیال یہ ہے کہ ہم اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرتے ہیں اور ان سے کہہ دیں گے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہم لوگوں کے نام نہ بتائیں۔

چنانچہ یہ حضرات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ یہ بات ایک جماعت کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کریں اور انہیں کسی کا نام نہ بتائیں لیکن اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر نام بتانے میں حرج نہیں ہے۔ یہ بات کہہ کر وہ حضرات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چلے آئے۔ پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئیں اور نام لئے بغیر ان کی خدمت میں یہ بات پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہو گئے اور انہوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ بات کن لوگوں نے کہی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے پھر میں آپ کو ان کے نام بتا سکتی ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو میں انہیں ایسی سخت سزا دیتا جس سے ان کے چہروں پر نشان پڑ جاتے تم ہی میرے اور ان کے درمیان واسطہ بنی ہو اس لئے میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عمدہ لباس کون سا تھا؟ انہوں نے کہا گیروے رنگ کے دو کپڑے جنہیں کسی وفد کے آنے پر اور جمعہ کے خطبہ کے لئے پہنا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ہاں سب سے عمدہ کھانا کون سا کھایا؟ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم نے جو کی ایک روٹی پکائی پھر اس گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبے کی تلچھٹ الٹ کر اسے چپڑ دیا جس سے وہ روٹی خوب چکنی چپڑی اور نرم ہو گئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مزے لے کر اسے نوش فرمایا اور وہ روٹی آپ کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے ...

سے زیادہ نرم بستر کون سا تھا؟ انہوں نے کہا ہمارا ایک موٹا سا کپڑا تھا گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے ہر چیز میں ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے اور ضرورت سے زائد چیزوں کو اپنی اپنی جگہوں میں رکھا ہے (اور ان میں نہیں لگے) اور کم سے کم پر گزارہ کیا ہے۔ میں نے بھی ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا ہے اور اللہ کی قسم! ضرورت سے زائد چیزوں کو ان کی جگہوں پر رکھوں گا اور میں بھی کم سے کم پر گزارہ کروں گا۔ میری اور میرے دو ساتھیوں کی مثال ان تین آدمیوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے ان میں سے پہلا آدمی توشہ لے کر چلا اور منزل مقصود تک پہنچ گیا پھر دوسرے نے بھی اسی کا اتباع کیا اور اسی کے راستہ پر چلا تو وہ بھی اسی منزل تک پہنچ گیا۔ پھر تیسرے آدمی نے بھی اسی پہلے کا اتباع کیا۔ اگر وہ ان دونوں کے راستہ کا خود کو پابند بنائے گا اور ان جیسا توشہ رکھے گا تو ان کے ساتھ جا ملے گا اور ان کے ساتھ رہا کرے گا اور اگر وہ ان دونوں کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستہ پر چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ (اخرجہ الطبری)

بیت المال کے بارہ میں احتیاط

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانے تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے کچھ نہ لیا (اور مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں مشغولی کی وجہ سے تجارت میں لگنے کی فرصت بھی نہ تھی) اس وجہ سے ان پر تنگی اور فقر و فاقہ کی نوبت آ گئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان سے مشورہ لیا کہ میں امر خلافت میں بہت مشغول ہو گیا ہوں (کاروبار کی فرصت نہیں ملتی) تو میرے لئے بیت المال سے کتنا لینا مناسب ہے؟ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ بیت المال میں سے خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ یہی بات حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ نے کہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ دوپہر اور رات کا وقت کا کھانا لے لیا کریں۔ چنانچہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا۔(اخرجہ ابن سعد کذا فی منتخب الکنز)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ عمدہ کھانا کھاتا اور تم سب سے زیادہ نرم کپڑے پہنتا، لیکن میں اپنی نیکیوں کا بدلہ یہاں نہیں لینا چاہتا بلکہ آخرت میں لینا چاہتا ہوں اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ملک شام آئے تو ان کے لئے ایسا عمدہ کھانا تیار کیا گیا کہ انہوں نے اس جیسا کھانا اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا تو اسے دیکھ کر فرمایا ہمیں تو یہ کھانا مل گیا لیکن وہ مسلمان فقراء جن کا اس حال میں انتقال ہوا کہ ان کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہ ملتی تھی ان کو کیا ملے گا؟ اس پر حضرت عمر بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا انہیں جنت ملے گی یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرمایا اگر ہمارے حصہ میں دنیا کا یہ مال ومتاع ہے اور وہ جنت لے جائیں تو وہ ہم سے بہت آگے نکل گئے اور بڑی فضیلت حاصل کر لی۔ (اخرجہ عبد بن حمید وابن جریر کذا فی المنتخب)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کھانا کھلایا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا لگا کہ جیسے انہوں نے کم کھایا ہو (وہ لوگ عمدہ کھانا کھانے کے عادی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا موٹا جھوٹا اور سادہ تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے عراق والو! اگر میں چاہتا تو میرے لئے بھی عمدہ اور نرم کھانے تیار کئے جاتے جیسے تمہارے لئے کیے جاتے ہیں لیکن ہم دنیا کی چیزیں کم سے کم استعمال کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا بدلہ آخرت میں مل سکے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک قوم کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ان سے قیامت کے دن یہ کہہ دیا جائے گا:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (سورۃ احقاف:۲۰)

ترجمہ:۔ ”تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے۔“ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عتبہ بن فرقدؓ کہتے ہیں کہ میں کھجور اور گھی کے حلوے کے ٹوکرے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کچھ

' کھانے کی چیز ہے جسے میں اس وجہ سے آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ دن کے شروع میں لوگوں کی ضرورتوں میں لگے رہتے ہیں تو میرا دل چاہا کہ جب آپ اس سے فارغ ہو کر گھر جایا کریں تو اس میں سے کچھ کھالیا کریں اس سے ان شاء اللہ آپ کو طاقت حاصل ہو جایا کرے گی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹوکرے کو کھول کر دیکھا اور فرمایا اے عتبہ! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے ہر مسلمان کو ایسا ایک ٹوکرا حلوے کا دے دیا ہے؟ میں نے کہا اے امیر المومنین! میں اگر قبیلہ قیس کا سارا مال بھی خرچ کر دوں تو بھی یہ نہیں ہو سکتا (کہ ہر مسلمان کو حلوہ کا ایک ٹوکرا دے دوں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو مجھے تمہارے اس حلوے کی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے ایک بڑا پیالہ منگوایا جس میں سخت روٹی اور سخت گوشت کے ٹکڑوں سے بنا ہوا ثرید تھا (ہم دونوں اس میں سے کھانے لگے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ اسے بڑی رغبت سے کھا رہے تھے۔ میں کوہان کی چربی سمجھ کر ایک سفید ٹکڑے کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو اسے اٹھانے کے بعد پتہ چلتا کہ یہ تو پٹھے کا ٹکڑا ہے اور میں گوشت کے ٹکڑے کو چباتا رہتا لیکن وہ اتنا سخت ہوتا کہ میں اسے نگل نہ سکتا آخر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ ادھر ادھر ہو جاتی تو میں گوشت کے اس ٹکڑے کو منہ سے نکال کر پیالے اور دسترخوان کے درمیان چھپا دیتا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیذ (کھجور یا کشمش کا شربت) ایک بڑے پیالے میں منگایا جو سرکہ بننے والا تھا (اور خوش ذائقہ نہیں تھا) انہوں نے مجھ سے فرمایا پی لو۔ میں اسے لے کر پینے لگا لیکن حلق سے نیچے بڑی مشکل سے اتارا۔ پھر انہوں نے وہ پیالہ مجھ سے لیا اور اسے پی گئے۔

پھر فرمایا اے عتبہ! سنو ہم روزانہ ایک اونٹ ذبح کرتے ہیں اور اس کی چربی اور عمدہ گوشت باہر سے آنے والے مسلمانوں کو کھلا دیتے ہیں اس کی گردن آل عمر رضی اللہ عنہ کو ملتی ہے وہ یہ سخت گوشت کھاتے ہیں اور یہ باسی نبیذ اس لئے پیتے ہیں تاکہ یہ نبیذ پیٹ میں جا کر اس گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہضم کر دے اور یہ سخت گوشت ہمیں تکلیف نہ دے سکے۔ (اخرجہ هناد کذا فی منتخب الکنز)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے گھر تشریف لے گئے آپ کو پیاس لگی ہوئی تھی آپ نے اس آدمی سے پانی مانگا وہ شہد لے آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا شہد ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! (شہد پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو مزے لینے کی چیز ہے اس لئے) شہد ان چیزوں میں سے نہیں ہوگا جن کا مجھ سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایلہ شہر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے کافی لمبا سفر کر کے آئے تھے اس لئے مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے ان کا کھردرے کپڑے والا کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کرتا پادری کو دیا اور فرمایا اسے دھو بھی دو اور اس میں پیوند بھی لگا دو۔ وہ پادری کرتہ لے گیا اور اسے دھو کر اس میں پیوند بھی لگا دیا اور اس جیسا ایک اور کرتہ سی کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس پادری نے کہا آپ کا کرتہ ہے جسے میں نے دھو کر پیوند لگا دیا ہے اور یہ دوسرا کرتہ میری طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کرتے کو دیکھا اور اس پر ہاتھ پھیرا (وہ نرم اور باریک تھا) پھر اپنا کرتہ پہن لیا اور اس کا واپس کر دیا اور فرمایا یہ (پرانا) کرتہ اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے (کیونکہ یہ موٹا ہے)۔ (اخرجہ الطبری)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں ایسا اونی جبہ پہنتے تھے جس میں چمڑے کے پیوند بھی لگے ہوتے تھے اور کندھے پر کوڑا رکھ کر لوگوں کو ادب اور سلیقہ سکھانے کے لئے بازاروں میں چکر لگایا کرتے تھے اور گرے پڑے ٹوٹے ہوئے دھاگے اور رسیاں اور گٹھلیاں زمین سے اٹھا کر لوگوں کے گھروں میں ڈال دیتے تا کہ لوگ انہیں کام میں لے آئیں۔ (اخرجہ الدینوری وابن عساکر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے گزارہ کے قابل خوراک لیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں ایک جوڑا پہنتے۔ بعض دفعہ ان کی لنگی پھٹ جاتی تو اسے پیوند لگا لیتے لیکن (نیا جوڑا لینے کے لئے) وقت آنے سے پہلے اس کی جگہ بیت المال سے اور لنگی نہ لیتے اسی سے کام چلاتے رہتے اور جس سال مال

زیادہ آتا اس سال ان کا جوڑا پچھلے سال سے اور گھٹیا ہو جاتا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان سے اس بارے میں بات کی تو فرمایا میں مسلمانوں کے مال میں سے پہننے کے جوڑے لیتا ہوں اور یہ میری ضرورت کے لئے کافی ہیں۔ (اخرجہ ابن سعد کذا فی المنتخب)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت عبدالملک بن شدادؒ کہتے ہیں کہ میں نے جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا کہ ان پر عدن کی بنی ہوئی موٹی لنگی تھی جس کی قیمت چار یا پانچ درہم تھی اور گیروے رنگ کی ایک کوفی چادر تھی۔ حضرت حسنؒ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مسجد میں قیلولہ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک دن مسجد میں قیلولہ فرما رہے تھے اور جب وہ سو کر اٹھے تو ان کے جسم پر کنکریوں کے نشان تھے (مسجد میں کنکریاں بچھی ہوئی تھیں) اور لوگ (ان کی اس سادہ اور بے تکلف زندگی پر حیران ہو کر) کہہ رہے تھے یہ امیر المومنین ہیں یہ امیر المومنین ہیں۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت شرحبیل بن مسلمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو خلافت والا عمدہ کھانا کھلاتے اور خود گھر جا کر سرکہ اور تیل یعنی سادہ کھانا کھاتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زُہد

قبیلہ ثقیف کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے عکبرا قصبہ کا حاکم بنایا اور عراق کے ان دیہات میں مسلمان نہیں رہا کرتے تھے۔ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ظہر کے وقت میرے پاس آنا میں آپ کی خدمت میں گیا مجھے وہاں کوئی روکنے والا دربان نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس پیالہ اور پانی کا ایک کوزہ رکھا ہوا تھا انہوں نے ایک چھوٹا تھیلا منگوایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ مجھے امانتدار سمجھتے ہیں اس لئے مجھے اس تھیلے میں سے کوئی قیمتی پتھر نکال کر دیں گے۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس تھیلے میں کیا ہے؟ اس تھیلے پر مہر لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس مہر کو توڑا اور تھیلی کو کھولا تو اس میں ستو تھا۔ چنانچہ اس میں سے ستو نکال کر پیالے میں ڈالا اور اس میں پانی ڈالا اور خود بھی پیا

اور مجھے بھی پلایا۔ میں اتنی سادگی دیکھ کر رہ نہ سکا اور میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ عراق میں رہ کر یہ کھا رہے ہیں حالانکہ عراق میں تو اس سے بہت زیادہ کھانے کی چیزیں ہیں (عراق میں رہ کر صرف ستو کھانا بڑی حیرانگی کی بات ہے) انہوں نے کہا ہاں۔ اللہ کی قسم! میں بخل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا ہوں بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق ستو خریدتا ہوں (اور مدینہ سے منگواتا ہوں) ایسے ہی کھلے رہنے دوں تو مجھے ڈر ہے کہ (ادھر ادھر گر نہ جائیں اور اڑ نہ جائیں اور یوں) یہ ختم نہ ہو جائیں تو مجھے عراق کے ستو بنانے پڑیں گے۔ اس وجہ سے میں ان ستوؤں کو اتنا سنبھال کر رکھتا ہوں اور میں اپنے پیٹ میں پاک چیز ہی ڈالنا چاہتا ہوں۔

حضرت اعمشؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو دوپہر کا اور رات کا کھانا خوب کھلایا کرتے تھے اور خود صرف وہی چیز کھایا کرتے تھے جو ان کے پاس مدینہ منورہ سے آیا کرتی تھی۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہ بن شریکؒ کے دادا بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ فالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو فالودے کو مخاطب کر کے فرمایا اے فالودے! تیری خوشبو بہت اچھی ہے اور رنگ بہت خوبصورت ہے اور ذائقہ بہت عمدہ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مجھے جس چیز کی عادت نہیں ہے میں خود کو اس کا عادی بناؤں۔ (اخرجہ ابونعیم ایضا)

حضرت زید بن وہبؒ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے پاس باہر آئے اور انہوں نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی اور لنگی باندھی ہوئی تھی جس پر پیوند لگا رکھا تھا۔ کسی نے ان سے اتنے سادہ کپڑے پہننے کے بارے میں کچھ کہا تو فرمایا میں یہ دو سادہ کپڑے اس لئے پہنتا ہوں کہ میں ان کی وجہ سے اکڑ سے بچا رہوں گا اور ان میں نماز بھی بہتر ہو گی اور مؤمن بندے کیلئے یہ سنت بھی ہیں (یا عام مسلمان بھی ایسے سادہ کپڑے پہننے لگ جائیں گے)

حضرت مجمع بن سمعان تیمیؒ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر بازار گئے اور فرمایا مجھ سے میری یہ تلوار خریدنے کے لئے کون تیار ہے؟ اگر لنگی خریدنے کے لئے میرے پاس چار درہم ہوتے تو میں یہ تلوار نہ بیچتا۔ (اخرجہ یعقوب بن سفیان کذا فی البدایۃ)

حضرت عبداللہ بن زریرؒ کہتے ہیں کہ میں عید الاضحیٰ کے دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی

خدمت میں گیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے بھوسی اور گوشت کا حریرہ رکھا۔ ہم نے کہا اللہ آپ کو ٹھیک ٹھاک رکھے اگر آپ ہمیں یہ گیہوں کھلاتے تو زیادہ اچھا تھا کیونکہ اب تو اللہ نے مال بہت دے رکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن زریر! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خلیفہ وقت کے لئے اللہ کے مال میں سے صرف دو بڑے پیالے یعنی حلال ہیں ایک پیالہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے اور دوسرا پیالہ آنے والے لوگوں کے سامنے رکھنے کے لئے۔ (اخرجہ احمد کذا فی البدایۃ)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو وہ کجاوے کی چادر پر لیٹے ہوئے تھے اور گھوڑے کو دانہ کھلانے والے تھیلے کو تکیہ بنایا ہوا تھا۔ ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کے ساتھیوں نے جو مکان اور سامان بنالئے وہ آپ نے کیوں نہیں بنالیئے؟ انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! قبر تک پہنچنے کے لئے یہ سامان بھی کافی ہے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں صبح کے وقت میں اپنے گھر سے نکلا۔ بھوک بھی لگی ہوئی تھی بھوک کے مارے برا حال تھا۔ سردی بھی بہت تنگ کر رہی تھی۔ ہمارے ہاں بغیر رنگی ہوئی کھال پڑی ہوئی تھی جس میں سے کچھ بو بھی آ رہی تھی اسے میں نے کاٹ کر اپنے گلے میں ڈال لیا اور اپنے سینے سے باندھ لیا تاکہ اس کے ذریعہ سے کچھ تو گرمی حاصل ہو۔ اللہ کی قسم! گھر میں میرے کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی کوئی چیز ہوتی تو مجھے مل جاتی (وہاں بھی کچھ نہیں تھا) میں مدینہ منورہ کی ایک طرف کو چل پڑا وہاں ایک یہودی اپنے باغ میں تھا میں نے دیوار کے سوراخ سے اس کی طرف جھانکا تو اس نے کہا اے اعرابی! کیا بات ہے؟ (مزدوری پر کام کرو گے؟) ایک ڈول پانی نکالنے پر ایک کھجور لینے کو تیار ہو؟ میں نے کہا ہاں باغ کا دروازہ

کھولو۔ اس نے دروازہ کھول دیا میں اندر گیا اور ڈول نکالنے لگا اور مجھے ہر ڈول پر ایک کھجور دیتا رہا۔ یہاں تک کہ میری مٹھی کھجوروں سے بھر گئی اور میں نے کہا اب مجھے اتنی کھجوریں کافی ہیں۔ پھر میں نے وہ کھجوریں کھائیں اور بہتے پانی سے منہ لگا کر پیا۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور مسجد میں آپ کے پاس بیٹھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے اتنے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اپنی پیوند والی چادر اوڑھے ہوئے آئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان کا ناز و نعمت والا زمانہ یاد آ گیا اور اب ان کی موجودہ حالت فقر و فاقہ والی حالت بھی نظر آ رہی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور آپ رونے لگے پھر آپ نے فرمایا (آج تو فقر و فاقہ اور تنگی کا زمانہ ہے لیکن) تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم میں ہر آدمی صبح ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دوسرا اور تمہارے گھروں پر ایسے پردے لٹکائے جائیں گے جیسے کعبہ پر لٹکائے جاتے ہیں۔ ہم نے کہا پھر تو ہم اس زمانے میں زیادہ بہتر ہوں گے۔ ضرورت کے کاموں میں دوسرے لگا کریں گے ہمیں لگنا نہیں پڑے گا اور ہم عبادت کے لئے فارغ ہو جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ آج تم اس دن سے زیادہ بہتر ہو (کہ دین کا کام تم تکلیفوں اور مشقت کے ساتھ کر رہے ہو۔) (اخرجہ الترمذی وحسنہ وابو یعلی وابن راھویہ)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت پر صرف ایک کپڑا چھوڑا تھا جو اتنا چھوٹا تھا کہ جب اس سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھانکتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے پیروں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ (قال فی الاصابۃ)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے انہوں نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی جس پر

انہوں نے کھال کا پیوند لگا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بڑا ترس آیا اور آپ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی رقت طاری ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا اس دن تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جس دن تم میں سے ہر آدمی ایک جوڑا صبح پہنے گا اور ایک جوڑا شام کو اور کھانے کا ایک بڑا پیالہ اس کے سامنے رکھا جائے گا اور ایک اٹھایا جائے گا اور تم گھروں پر ایسے پردے لٹکاؤ گے جیسے کعبہ پر لٹکائے جاتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم تو چاہتے ہیں کہ ایسا ہو جائے اور ہمیں بھی وسعت اور سہولت حاصل ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ضرور ہو کر رہے گا لیکن آج تم لوگ اس دن سے بہتر ہو (کہ دین کا کام مجاہدوں کے ساتھ کر رہے ہو)۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایسے جھکے کہ گویا ان کو وصیت فرما رہے ہیں۔ پھر آپ نے سر اٹھایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی آنکھوں میں رونے کا اثر دیکھا۔ آپ دوبارہ ان پر جھکے۔ پھر آپ نے سر اٹھایا تو اس دفعہ آپ روتے ہوئے نظر آئے۔ پھر آپ ان پر تیسری مرتبہ جھکے پھر آپ نے سر اٹھایا تو اس دفعہ آپ سسکیاں لے رہے تھے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو۔ یہ آواز سے رونا شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ سے استغفار کرو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے ابو السائب! تم غم نہ کرو۔ تم دنیا سے چلے گئے اور تم نے دنیا سے کچھ نہ لیا۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے پانچ ہزار وظیفہ ملتا تھا اور وہ تقریباً تیس ہزار مسلمانوں کے امیر تھے۔ ان کا ایک جبہ تھا جس کے کچھ حصہ کو نیچے بچھا کر باقی کو اوپر اوڑھ لیا کرتے تھے اور اسی جبہ کو پہن کر لوگوں میں بیان کیا کرتے تھے جب انہیں وظیفہ ملتا تو اسے اسی وقت آگے خرچ کر دیا کرتے اس میں سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے اور اپنے ہاتھ سے

کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں بناتے تھے اور اس کی کمائی سے گزارہ کرتے تھے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (کسی درخت کے سایہ) میں بیٹھا کرتے تھے (اور مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کو انجام دیا کرتے تھے) اور سایہ گھوم کر جدھر جاتا خود بھی کھسک کر ادھر ہو جاتے۔ اس کام کے لئے ان کا کوئی گھر نہ تھا۔ ان سے ایک آدمی نے کہا کیا میں آپ کو ایک کمرہ نہ بنا دوں کہ گرمیوں میں اس کے سایہ میں رہا کریں اور سردیوں میں اس میں رہ کر سردی سے بچاؤ کر لیا کریں؟

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا ہاں بنا دو۔ جب وہ آدمی پشت پھیر کر چل پڑا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اسے زور سے آواز دے کر کہا کیسا کمرہ بناؤ گے؟ اس آدمی نے کہا ایسا کمرہ بناؤں گا کہ اگر آپ اس میں کھڑے ہوں تو آپ کا سر چھت کو لگے اور اگر آپ اس میں لیٹیں تو آپ کے پاؤں دیوار کو لگیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا پھر ٹھیک ہے۔ (عند ابن سعد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا زہد

حضرت ابو اسماءؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت وہ ربذہ بستی میں تھے۔ ان کے پاس ایک کالی عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اس پر نہ خوبصورتی کا کوئی اثر تھا اور نہ ہی خوشبو کا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کالی کلوٹی مجھے کیا کہہ رہی ہے؟ مجھے یہ کہہ رہی ہے کہ میں عراق چلا جاؤں (اور وہاں رہا کروں) میں جب عراق چلا جاؤں گا تو وہاں کے لوگ اپنی دنیا لے کر مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے (کیونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہوں اس لئے وہاں والے مجھے خوب ہدیے دیں گے اور یوں میرے پاس دنیا زیادہ ہو جائے گی اور ان کے کام بھی کرنے پڑیں گے جس کی وجہ سے عبادت اور اعمال کا وقت کم ہو جائے گا) اور میرے گہرے دوست (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے یہ عہد لیا ہے کہ پل صراط سے پہلے ایک پھسلن والا راستہ ہے جب ہم اس سے گزریں تو ہمارا بوجھ اتنا ہلکا ہو اور اتنا سمٹا ہوا ہو کہ ہم اسے اٹھا سکیں یہ ہماری نجات کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ بہ نسبت

اس کے کہ ہم اس راستہ پر گزریں اور ہمارا بوجھ بہت زیادہ ہو۔ (اخرجہ احمد)

حضرت ابراہیم تیمیؒ کے والد محترم کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا جیسے فلاں فلاں آدمیوں نے جائیداد بنائی ہے آپ بھی اس طرح جائیداد کیوں نہیں بنا لیتے؟ فرمایا میں امیر بن کر کیا کروں گا؟ مجھے تو روزانہ پانی یا دودھ کا ایک گھونٹ اور ہر ہفتہ گندم ایک قفیز (ایک پیمانہ کا نام ہے جس کی مقدار ہر علاقہ میں مختلف ہوتی ہے مصر میں قفیز سولہ کلوگرام کا ہوتا ہے) کافی ہے۔

ابونعیم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری روزی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صاع تھی۔ میں مرتے دم تک اس سے زیادہ نہیں کرسکتا۔ (اخرجہ ابونعیم)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تاجر تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں نے تجارت اور عبادت کو جمع کرنا چاہا لیکن ایسا ٹھیک طور سے نہ ہو سکا اس لئے میں نے تجارت چھوڑ دی اور عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہو سکتی کہ میں مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر خرید و فروخت کروں اور روزانہ مجھے تین سو درہم اس سے نفع ہو اور میں تمام نمازیں مسجد میں جماعت سے ادا کروں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے بیچنے کو حلال نہیں کیا اور سود کو حرام کیا ہے بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جنہیں تجارت اور بیچنا اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرسکتا۔ (عند ابی نعیم ایضا من طریق آخر)

حضرت خالد بن حدیر اسلمیؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا ان کے نیچے کھال یا اون کا بستر تھا اور ان کے اوپر اونی چادر تھی، اور کھال کے جوتے تھے اور وہ بیمار تھے اور انہیں خوب پسینہ آیا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا اگر آپ چاہتے تو اپنے بستر پر چاندی والا غلاف چڑھا لیتے اور زعفرانی چادر اوڑھتے جو کہ امیر المؤمنین آپ کے پاس بھیجا کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمارا ایک گھر ہے جہاں ہم جا رہے ہیں اور اسی کے لئے ہم عمل کر رہے ہیں (کہ جتنا مال آتا ہے سب دوسروں کو دے دیتے ہیں تا کہ اگلے گھر یعنی آخرت میں کام آئے)

حضرت حسان بن عطیہؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے کچھ ساتھی ان کے مہمان بنے۔ چنانچہ انہوں نے ان کو کھلایا پلایا اوران کی مہمانی کی لیکن (گھر میں سامان اور بستر وغیرہ کم تھے جس کی وجہ سے) کچھ ساتھیوں نے گھوڑے کی پشت پر کاٹھی کے نیچے جو چادر ڈالی جاتی ہے اس پر رات گزاری اور کچھ اپنے کپڑے پر جیسے تھے ویسے ہی لیٹے رہے۔ جب صبح کو حضرت ابوالدرداء ان کے پاس آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے یہ مہمان بستروں کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ محسوس کر رہے ہیں تو فرمایا ہمارا ایک گھر ہے ہم اسی کے لئے جمع کر رہے ہیں اور ہم نے لوٹ کر وہیں جانا ہے (اس لئے جتنا مال آتا ہے سب دوسروں پر خرچ کر دیتے ہیں اپنا کچھ نہیں بناتے ہیں)۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت افلحؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکم دے کر اہل بدر کے لئے خاص طور پر بڑے عمدہ جوڑوں کا کپڑا تیار کرواتے تھے (پھر اس سے جوڑے بنا کر اہل بدر کو بھیجا کرتے تھے) چنانچہ انہوں نے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کو ان میں سے ایک جوڑا بھیجا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے افلح! یہ جوڑا بیچ دو میں نے وہ جوڑا ڈیڑھ ہزار درہم میں بیچا تو انہوں نے فرمایا جاؤ اس ڈیڑھ ہزار درہم کے میرے لئے غلام خرید لاؤ۔ میں پانچ غلام خرید لایا۔ انہیں دیکھ کر فرمایا جو آدمی ڈیڑھ ہزار درہم کے پانچ غلام خرید کر انہیں آزاد کر سکتا ہے وہ اس رقم کے دو چھلکے (لنگی اور چادر کے) پہن لے واقعی وہ بہت بے وقوف ہے۔ (اے غلامو!) جاؤ تم سب آزاد ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جو جوڑے بھیجتے ہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ انہیں پہنتے نہیں ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے سو درہم کا ایک موٹا جوڑا بنوا کر ان کے پاس بھیج دیا۔

جب وہ قاصد جوڑا لے کر ان کے پاس آیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جوڑا دے کر تمہیں میرے پاس نہیں بھیجا۔ اس

قاصد نے کہا نہیں، آپ کے پاس ہی بھیجا ہے۔ انہوں نے وہ جوڑا لیا اور لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہا اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے یہ جوڑا میرے پاس بھیجا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے بھیجا ہے۔ ہم پہلے تمہارے پاس ان (قیمتی) جوڑوں میں سے بھجوایا کرتے تھے جو تمہارے اور تمہارے (بدری) بھائیوں کے لئے بنوایا کرتے تھے لیکن مجھے پتا چلا کہ تم اسے پہنتے نہیں ہو (اس لئے اس دفعہ میں نے تمہارے پاس یہ معمولی جوڑا بھیج دیا) انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! میں اگر چہ وہ جوڑا پہنتا نہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس جو بہترین چیز ہے مجھے اس میں سے ملے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حسب سابق وہی عمدہ جوڑا دے دیا۔ (اخرج عمر بن عبۃ کذا فی صفۃ الصلوۃ)

حضرت لجلاج غطفانی رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت لجلاج غطفانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہوں کبھی میں نے پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھایا۔ بس بقدر ضرورت کھاتا اور پیتا ہوں۔ امام بیہقی نے اس کے بعد مزید روایت کی ہے کہ وہ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ پچاس سال جاہلیت میں اور ستر سال اسلام میں۔ (اخرجہ الطبرانی باسناد لا باس بہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت حمزہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کھانا کھاتے جب ساتھ کھانے والا کوئی اور بھی ہوتا اور جب کھاتے تو چاہے کھانا کتنا زیادہ ہوتا پیٹ بھر کر نہ کھاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابن مطیعؒ ان کی عیادت کرنے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا جسم بہت دبلا ہو چکا ہے تو انہوں نے (ان کی بیوی) حضرت صفیہؓ سے کہا کیا تم ان کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کرتی ہو؟ اگر تم ان کی دیکھ بھال ٹھیک طرح سے کرو تو ہو سکتا ہے کہ یہ دبلا پن ختم ہو جائے اور کچھ تو جسم ان کا بن جائے اس لئے ان کے لئے عمدہ کھانا خاص طور سے اہتمام سے تیار کیا کرو۔

حضرت صفیہ نے کہا ہم تو ایسا ہی کرتے ہیں لیکن یہ اپنے کھانے پر تمام گھر والوں کو اور

(باہر کے) تمام حاضرین کو بلا لیتے ہیں (اور سارا کھانا دوسروں کو کھلا دیتے ہیں خود بہت کم کھاتے ہیں) لہٰذا آپ ہی ان سے اس بارے میں بات کریں تو اس پر حضرت ابن مطیع نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن (یہ ان کی کنیت ہے) اگر آپ اچھا کھانا کھالیا کریں تو اس سے آپ کی جسمانی کمزوری دور ہو جائے گی تو انہوں نے فرمایا آٹھ سال مسلسل ایسے گزرے ہیں کہ میں نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا صرف ایک مرتبہ ہی پیٹ بھر کر کھایا ہوگا اب تم چاہتے ہو کہ میں پیٹ بھر کر کھایا کروں جبکہ گدھے کی پیاس جتنی (تھوڑی سی) زندگی رہ گئی ہے۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبید اللہ بن عدیؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے وہ عراق سے آئے اور انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سلام کیا اور عرض کیا میں آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہے؟ انہوں نے کہا جوارش ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا جوارش کیا چیز ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا اس سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے چالیس سال سے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا میں اس جوارش کا کیا کروں گا؟ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا میں نے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی (یعنی کوئی تعمیر نہیں کی) اور نہ کھجور کا کوئی پودا لگایا ہے۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت ساعدہ بن سعد بن حذیفہؒ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث اور میرے جی کو سب سے زیادہ محبوب وہ دن ہے جس دن میں اپنے اہل وعیال کے پاس جاؤں اور مجھے ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ ملے اور وہ یوں کہیں کہ آج ہمارے پاس کھلانے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مریض کو اس کے گھر والے جتنا کھانے سے بچاتے ہیں اللہ تعالیٰ مؤمن کو اس سے زیادہ دنیا سے بچاتے ہیں اور باپ اپنی اولاد کے لئے خیر کی جتنی فکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ مؤمن کی آزمائش کا اہتمام کرتے ہیں۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

عہد صحابہ میں سخاوت وفیاضی کی روشن مثالیں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت اُم بکر بنت مسورؒ کہتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں بیچی اور یہ ساری رقم قبیلہ بنو زہرہ، غریب مسلمانوں، مہاجرین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تقسیم کردی۔ اس میں سے کچھ رقم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجی۔ انہوں نے پوچھا یہ مال کس نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے۔ پھر مال لے جانے والے نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے زمین بیچنے اوراس کی ساری قیمت کوتقسیم کردینے کا قصہ بیان کیا۔

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم ازواج مطہرات کے ساتھ شفقت کا معاملہ صرف صابرلوگ ہی کریں گے (پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دعا دی) اللہ تعالیٰ عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کے سلسبیل چشمے سے پلائے۔ (اخرجہ الحاکم)

حضرت جعفر بن برقانؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار گھرانے آزاد کیے۔ (ایک روایت میں ہے کہ تیس ہزار باندیاں آزاد کیں) (اخرجہ الحاکم)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم

حضرت مالک الدار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چارسو دینار لے کر ایک تھیلی میں ڈالے اور غلام سے کہا یہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس

لے جاؤ اور انہیں دینے کے بعد گھر میں تھوڑی دیر کے لئے کسی کام میں مشغول ہو جانا اور دیکھنا کہ وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں چنانچہ وہ غلام اس تھیلی کو ان کے پاس لے گیا اور ان سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین آپ سے فرما رہے ہیں کہ آپ یہ دینار اپنی ضرورت میں خرچ کر لیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں اس کا صلہ عطا فرمائے اور ان پر رحم فرمائے۔ پھر فرمایا اے باندی! ادھر آؤ۔ یہ سات دینار فلاں کے پاس لے جاؤ، یہ پانچ دینار فلاں کے پاس اور یہ پانچ دینار فلاں کے پاس لے جاؤ۔ اس طرح انہوں نے سارے دینار ختم کر دیئے۔ اس غلام نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساری بات بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے ہی دینار تیار کر کے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لئے رکھے ہوئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام سے فرمایا یہ دینار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اور انہیں دینے کے بعد گھر میں کسی کام میں مشغول ہو جانا اور دیکھنا کہ وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ غلام دینار لے کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین فرما رہے ہیں کہ آپ یہ دینار اپنی ضرورت میں خرچ کر لیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں اس کا صلہ عطا فرمائے۔ پھر فرمایا اے باندی! ادھر آؤ! فلاں کے گھر میں اتنے لے جاؤ، فلاں کے گھر میں اتنے اور فلاں کے گھر میں اتنے لے جاؤ۔ اتنے میں ان کی بیوی آ گئیں اور انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم بھی مسکین ہیں ہمیں بھی کچھ دیں تھیلی میں صرف دو دینار بچے ہوئے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ دو دینار ان کی طرف لڑھکائے غلام نے واپس آ کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقسیم کا سارا قصہ سنایا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور (دوسروں پر سارا مال خرچ کرنے میں) یہ سب ایک جیسے مزاج کے ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مال تقسیم کرنا

حضرت میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مجلس میں

بائیس ہزار درہم آئے انہوں نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی سارے تقسیم کر دیئے۔ حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے۔ سال گزرنے سے پہلے ہی انہوں نے سارے خرچ کر دیئے اور ان میں سے کچھ باقی نہ رہا۔

حضرت ایوب بن وائل راسبیؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا تو مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی نے یہ قصہ سنایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے چار ہزار، ایک اور آدمی کی طرف سے چار ہزار اور ایک اور آدمی کی طرف سے دو ہزار (کل دس ہزار) اور ایک جھالر والی چادر آئی۔ پھر وہ بازار گئے اور اپنی سواری کے لئے ایک درہم کا چارہ ادھار خریدا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کے پاس اتنا مال آیا ہے (اس لئے میں بڑا حیران ہوا کہ ان کے پاس اتنا مال آیا ہے اور یہ ایک درہم کا چارہ ادھار خرید رہے ہیں اس لئے) میں ان کی باندی کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم سچ سچ بتانا۔ کیا حضرت ابو عبدالرحمٰن (یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) کے پاس حضرت معاویہ کی طرف سے چار ہزار اور ایک اور آدمی کی طرف سے چار ہزار اور ایک اور آدمی کی طرف سے دو ہزار اور ایک چادر نہیں آئی ہے؟ اس نے کہا ہاں آئی ہے۔

میں نے کہا میں نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ ایک درہم کا ادھار چارہ خرید رہے تھے (تو یہ کیا بات ہے؟ اتنے مال کے ہوتے ہوئے وہ ادھار کیوں خرید رہے تھے؟) اس باندی نے کہا رات سونے سے پہلے ہی انہوں نے وہ دس ہزار تقسیم کر دیئے تھے اور پھر وہ چادر اپنی کمر پر ڈال کر باہر چلے گئے تھے اور وہ بھی کسی کو دے دی۔ پھر گھر واپس آئے چنانچہ میں نے (بازار میں جا کر) اعلان کیا اے تاجروں کی جماعت! تم اتنی دنیا کما کر کیا کرو گے؟ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح دوسروں پر سارا مال خرچ کر دو) کل رات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دس ہزار کھرے درہم آئے تھے وہ (انہوں نے رات ہی میں سارے خرچ کر دیئے اس لئے) آج اپنی سواری کے لئے وہ ایک درہم کا ادھار چارہ خرید رہے تھے۔ (اخرجہ ابن نعیم فی الحلیۃ)

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مجلس میں بیس ہزار سے زیادہ درہم آئے تو انہوں نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی وہ سب تقسیم کر دیئے اور

مزید ان کے پاس جو پہلے سے تھے وہ بھی سب دے دیئے اور جو کچھ پاس تھا وہ ختم کر دیا تو ایک صاحب آئے جن کو دینے کا ان کا پرانا معمول تھا۔ (اب اپنے پاس تو دینے کے لئے کچھ بچا نہیں تھا اس لئے) جن کو دیا تھا ان میں سے ایک آدمی سے ادھار لے کر ان صاحب کو دیئے۔

حضرت میمون کہتے ہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کنجوس ہیں۔ یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جہاں خرچ کرنے سے (آخرت کا) نفع ہوتا ہے وہاں خرچ کرنے میں بالکل کنجوس نہیں ہیں (ہاں اپنے اوپر خرچ نہیں کرتے اور خواہ مخواہ نہیں دیتے)(اخرجہ ابن سعد)

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت ابو اسحاقؒ کہتے ہیں کہ قبیلہ کندہ کے ایک آدمی پر میرا قرض تھا۔ میں اس کے پاس (قرضہ وصول کرنے کے لئے) فجر سے پہلے آخر رات میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ میں نے وہیں نماز پڑھی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو امام نے ہر آدمی کے سامنے کپڑوں کا ایک جوڑا، جوتی کا ایک جوڑا، اور پانچ سو درہم رکھے۔ میں نے کہا میں اس مسجد والوں میں سے نہیں ہوں (لہٰذا مجھے نہ دو) پھر میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ (یہ لوگوں کو کیوں دے رہے ہیں؟) لوگوں نے بتایا حضرت اشعث بن قیس مکہ مکرمہ سے آئے ہیں (اس خوشی میں وہ ہر نمازی کو دے رہے ہیں۔)(اخرجہ الطبرانی)

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما

حضرت اُم درہؒ کہتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم آئے۔ انہوں نے اسی وقت وہ سارے تقسیم کر دیئے۔ اس دن ان کا روزہ تھا میں نے ان سے کہا کہ آپ نے اتنا خرچ کیا ہے تو کیا آپ اپنے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتیں تھیں کہ افطار کے لئے ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں؟ انہوں نے کہا (مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ میرا روزہ ہے) اگر تو مجھے پہلے یاد کرا دیتی تو میں گوشت منگا لیتی۔ (اخرجہ ابن سعد کذا فی الاصابۃ)

اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہ

حضرت محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سودہ رضی اللہ

عنہا کے پاس درہموں سے بھرا ہوا تھیلا بھیجا۔ حضرت سودہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے بتایا یہ درہم ہیں تو (حیران ہوکر تعجب سے) فرمایا ارے کھجوروں کی طرح تھیلے میں درہم (یعنی اتنے بڑے تھیلے میں تو کھجوریں ڈالی جاتی ہیں درہم تو تھوڑے ہوا کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ درہم بھیج دیئے ہیں) اور پھر انہوں نے وہ سارے درہم تقسیم کر دیئے۔ (اخرجہ ابن سعد بسند صحیح کذا فی الاصابۃ)

اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت برہ بنت رافع کہتی ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں عطایا تقسیم کیں تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا حصہ بھیجا۔ جب وہ مال ان کے پاس پہنچا تو فرمانے لگیں اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے۔ میری دوسری بہنیں اس مال کو مجھ سے زیادہ اچھے طریقے سے تقسیم کرسکتی ہیں (اس لئے ان کے پاس لے جاؤ) لانے والوں نے کہا یہ سارا مال آپ کا ہی ہے۔ (فرمانے لگیں سبحان اللہ! اور ایک کپڑے سے پردہ کرلیا اور فرمایا اچھا رکھ دو اور اس پر کپڑا ڈال دو۔ پھر مجھ سے فرمایا اس کپڑے میں ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی بھر کر بنو فلاں کو اور بنو فلاں کو دے آؤ۔ یہ سب ان کے رشتہ دار تھے اور یتیم تھے، یوں یہ تقسیم فرماتی رہیں یہاں تک کہ کپڑے کے نیچے تھوڑے سے درہم بچ گئے تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔

اے اُم المؤمنین! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ اللہ کی قسم! اس مال میں ہمارا بھی تو حق ہے فرمایا اچھا کپڑے کے نیچے جتنے درہم ہیں وہ سب تمہارے۔ ہمیں کپڑے کے نیچے پچاسی درہم ملے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ! اس سال کے بعد مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عطا نہ ملے۔ چنانچہ (ان کی دعا قبول ہوگئی اور) ان کا انتقال ہوگیا (اخرجہ ابن سعد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مثالی حالات

حضرت عمرانؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرورت پیش آتی تو بیت المال کے نگران کے پاس آتے اور اس سے ادھار لے لیتے۔ بعض دفعہ آپ تنگ دست ہوتے (اور

قرض واپس کرنے کا وقت آجاتا) تو بیت المال کا نگران آکر ان سے قرض ادا کرنے کا تقاضا کرتا اور ان کے پیچھے پڑجاتا۔ آخر حضرت عمر قرض کی ادائیگی کی کہیں سے کوئی صورت بناتے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ کو وظیفہ ملتا تو اس سے قرض ادا کرتے۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک تجارتی قافلہ ملک شام بھیجنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے چار ہزار قرض لینے کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس قاصد سے کہا جاکر امیر المؤمنین سے کہہ دو کہ وہ اب بیت المال سے چار ہزار ادھار لے لیں۔ بعد میں بیت المال میں واپس کردیں۔

جب قاصد نے واپس آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا جواب بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑی گرانی ہوئی۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عبدالرحمٰن سے ملاقات ہوئی تو ان سے کہا تم نے ہی کہا تھا کہ عمر چار ہزار بیت المال سے ادھار لے لے۔ اگر (میں بیت المال سے ادھار لے کر تجارتی قافلہ کے ساتھ بھیج دوں اور پھر) تجارتی قافلہ کی واپسی سے پہلے میں مرجاؤں تو تم لوگ کہو گے کہ امیر المؤمنین نے چار ہزار لئے تھے اب ان کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے یہ ان کے چار ہزار چھوڑ دو (تم لوگ تو چھوڑ دو گے) اور میں ان کے بدلے قیامت کے دن پکڑا جاؤں گا۔ نہیں، میں بیت المال سے بالکل نہیں لوں گا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم جیسے لالچی اور کنجوس آدمی سے ادھار لوں تاکہ اگر میں مرجاؤں تو وہ میرے مال میں سے اپنا ادھار وصول کر لے۔ (اخرجہ ابن سعد ایضاً)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا تو ان کی صاحبزادی اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع پہنچی۔ انہوں نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اس لئے اس مال میں آپ کے رشتہ داروں کا حق بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اے میری بیٹی! میرے رشتہ داروں کا حق میرے مال میں ہے اور یہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت ہے، تم اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہتی ہو، جاؤ تشریف لے جاؤ! چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ

عنہا کھڑی ہوئیں اور چادر کا دامن گھسیٹتی ہوئی واپس چلی گئیں۔ (اخرجہ احمد فی الزھد کذافی منتخب الکنز)

حضرت اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بحرین سے مشک اور عنبر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسی عورت مل جائے جو تولنا اچھی طرح جانتی ہو اور وہ مجھے یہ خوشبو تول دے تاکہ میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر سکوں۔ ان کی بیوی حضرت عاتکہ بنت زید بن عمر بن نفیل رضی اللہ عنہ نے کہا میں تولنے میں بڑی ماہر ہوں، لایئے میں تول دیتی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ تم سے نہیں تلوانا۔ انہوں نے کہا کیوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ تو اسے اپنے ہاتھوں سے ترازو میں رکھے گی (یوں کچھ نہ کچھ خوشبو تیرے ہاتھوں کو لگ جائے گی اور کنپٹی اور گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اور یوں تو اپنی کنپٹی اور گردن پر اپنے ہاتھ پھیرے گی اس طرح تجھے مسلمانوں سے کچھ زیادہ خوشبو مل جائے گی۔ (اخرجہ احمد فی الزھد فی منتخب الکنز)

حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری شادی کی تو ایک مہینہ تک اللہ کے مال میں سے (یعنی بیت المال میں سے) مجھے خرچ دیتے رہے پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دربان) یرفا کو مجھے بلانے بھیجا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا میں خلیفہ بننے سے پہلے بھی یہی سمجھتا تھا کہ میرے لئے بیت المال سے اپنے حق سے زیادہ لینا جائز نہیں اور اب خلیفہ بننے کے بعد یہ مال میرے لئے اور زیادہ حرام ہوگیا ہے کیونکہ اب یہ میرے پاس بطور امانت ہے اور میں تمہیں اللہ کے مال میں سے ایک مہینہ خرچ دے چکا ہوں۔ اب تمہیں اس میں سے اور نہیں دے سکتا ہوں۔ ہاں میں تمہاری مدد اس طرح کر سکتا ہوں کہ غابہ میں میری جائیداد ہے۔ تم اس کا پھل کاٹ کر بیچ دو۔ پھر (اس کے پیسے لے کر) اپنی قوم کے کسی تاجر کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو جب وہ کوئی چیز خریدنے لگے تو تم اس کے ساتھ شرکت کر لو (اس سے جو نفع ہو، اس سے) خرچہ لے کر اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے رہو۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کچھ اونٹ خریدے اور ان کو

بیت المال کی چراگاہ میں چھوڑ آیا۔ جب وہ خوب موٹے ہو گئے تو میں انہیں (بیچنے کے لئے بازار) لے آیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بازار تشریف لے آئے اور انہیں موٹے موٹے اونٹ نظر آئے تو انہوں نے پوچھا یہ اونٹ کس کے ہیں۔ لوگوں نے انہیں بتایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہیں تو فرمانے لگے! اے عبداللہ بن عمر! واہ واہ! امیر المومنین کے بیٹے کے کیا کہنے! میں دوڑتا ہوا آیا اور میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! کیا بات ہے؟

آپ نے فرمایا یہ اونٹ کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا میں نے یہ اونٹ خریدے تھے اور بیت المال کی چراگاہ میں چرنے کے لئے بھیجے تھے۔ (اب میں ان کو بازار لے آیا ہوں) تاکہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح انہیں بیچ کر نفع حاصل کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں بیت المال کی چراگاہ میں لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہوں گے امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹوں کو چراؤ اور امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹوں کو پانی پلاؤ (میرے بیٹے ہونے کی وجہ سے تمہارے اونٹوں کی زیادہ رعایت کی ہو گی اس لئے) اے عبداللہ بن عمر! ان اونٹوں کو بیچو اور تم نے جتنی رقم میں خریدے تھے وہ تو تم لے لو اور باقی زائد رقم مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو۔ (اخرجہ سعید بن منصور)

صلۂ رحمی کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خیرات کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اور کچھ نہ ہو تو زیور ہی خیرات کریں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ حکم سن کر اپنے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ اگر کچھ حرج نہ ہو تو جو کچھ مجھے خیرات کرنا ہے وہ میں تم ہی کو دے دوں۔ تم بھی تو محتاج ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خود تم جا کر پوچھو۔

یہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر حاضر ہوئیں۔ وہاں دیکھا کہ ایک بی بی اور کھڑی تھیں اور وہ بھی اسی ضرورت سے آئی تھیں۔ ہیبت کے مارے ان دونوں کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ اندر جا کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتیں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ حضرت سے جا کر کہو۔ دو عورتیں کھڑی پوچھتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے خاوندوں اور یتیم بچوں پر جو ہماری گود میں ہوں۔ صدقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلتے چلتے یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ کہنا کہ ہم کون ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون پوچھتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ایک قبیلۂ انصاری کی بی بی ہے...اور ایک زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون زینب؟ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہہ دو کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا قرابت کی پاسداری کا علیحدہ اور صدقہ کرنے کا علیحدہ....(بخاری و مسلم)

ایک نواب کی بے مثال سخاوت

نام بھی مظفر تھا اور رہتے بھی مظفر نگر میں تھے۔ پورا نام تھا ''نواب ظفر علی خان'' مظفر نگر آج

کل تو ہندوستان میں ایک ضلع ہے۔ان بھلے وقتوں میں نواب صاحب کی جاگیر تھی۔نواب صاحب کو تعمیرات کا شوق تھا۔اسی شوق براری کیلئے اپنے ایک وسیع و عریض باغ کے بیچوں بیچ ایک بنگلہ بنوایا۔خرچ بھی خوب کیا اور نگرانی بھی خود کی بن کر تیار ہوا تو دیکھنے والوں نے کہا:"کہنے کو تو بنگلہ ہے مگر حقیقت میں محل ہے"۔واقعتاً تھا بھی ایسے ہی لوگ دیکھتے اور دانتوں تلے انگلیاں دبا لیتے۔

نواب صاحب کا ارادہ تھا کہ اس کا افتتاح بڑی شان و شوکت سے کریں گے۔اسی ارادے کے پیش نظر صفائیاں دھلائیاں وغیرہ ہو رہی تھیں۔ریشمی پردے اور فرش فروش بچھائے جا رہے تھے۔آرائش و زیبائش کا کام آخری مراحل میں تھا کہ انہی دنوں مظفر نگر کے رہائشی ایک غریب آدمی کی بیٹی کی شادی طے پا گئی۔لڑکے والوں نے کہا: ہم بارات میں سو آدمی لائیں گے۔لڑکی والوں کی پریشانی تھی کہ بارات ٹھہرائیں گے کہاں؟اس زمانے میں میرج ہال تو تھے نہیں۔غریب باپ اسی سوچ اور فکر میں غلطاں تھا کہ ایک خیر خواہ سیانے نے کہا"بارات ٹھہرانے کی جگہ تو میں بتا دیتا ہوں لیکن اگر"

غریب باپ نے حیران اور سوالیہ نگاہوں سے اپنے خیر خواہ کو دیکھا اور پوچھا:"لیکن اگر کیا؟"

"اگر تمہاری قسمت اچھی ہو اور نواب مظفر خان مان جائیں""کیا مطلب؟"

مطلب یہ کہ نواب صاحب نے جو نیا بنگلہ بنایا ہے وہ بالکل خالی ہے۔انہوں نے ابھی اس میں رہائش تو اختیار نہیں کی۔ایک دو دن تمہاری بیٹی کی بارات ٹھہر جائے تو کوئی مسئلہ نہیں۔صفائیاں وغیرہ تو ویسے بھی ابھی ہو رہی ہیں۔نواب صاحب رحم دل اور غریب پرور آدمی تھے۔لڑکی کا باپ نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت سے اپنی حاجت پیش کر دی۔

"بنگلہ میں دے دوں گا مگر ایک شرط ہے"۔نواب صاحب نے منہ پکا کر کے کہا"سرکار! میں غریب مسکین آپ کی شرط کیا پوری کر سکتا ہوں؟ ویسے جو حکم دیں گے پورا کروں گا"۔کریم بخش عرف کریمو نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔نواب صاحب مسکرائے اور فرمایا:"جتنے دن بارات ٹھہرے گی اس کا تین وقت کا کھانا بھی میری طرف سے ہوگا"۔کریم بخش کی آنکھوں میں احسان مندی سے آنسو آ گئے۔اس نے پگڑی کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:"نواب صاحب! آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔ساری زندگی بھی لٹا دوں تو آپ کے احسان کا بدلہ نہیں

ہوسکتا" نواب صاحب نے کہا: "میاں کریمو! اب میرے بنگلے کا افتتاح تمہاری بیٹی کی بارات سے ہی ہوگا۔ یہ لو چابیاں اور جہاں مزید صفائی کی ضرورت ہو خود ہی کر لینا"۔

بارات دو دن بنگلے میں ٹھہری اور زردے۔ پلاؤ اور متنجن کی دیگیں پک پک کر آتی رہیں۔ رخصتی کے وقت عورتوں بچوں سمیت ہر باراتی کو ایک ایک جوڑا بھی نواب صاحب کی طرف سے دیا گیا۔ بارات رخصت ہوئی تو کریم بخش احسان کے بوجھ تلے دبا، شکریے کے احساس میں ڈبڈباتی آنکھوں سے نواب صاحب کی خدمت میں چابیاں واپس کرنے آیا تو نواب صاحب نے چابیوں کا گچھا لوٹاتے ہوئے کہا: "میاں! یہ بنگلہ تو باغ سمیت ہم نے تمہاری بیٹی کو دے دیا بلکہ اسی وقت دے دیا تھا جب تم بارات کے ٹھہرانے کی اجازت لینے آئے تھے۔ (ضربِ مؤمن)

ایک غلام کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک چراگاہ سے گزر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ ایک کتا آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ حبشی غلام نے ایک روٹی نکال کر اسے دے دی پھر دوسری اور اس کے بعد تیسری بھی اس کے سامنے ڈال دی۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ اے غلام تجھے روز کتنی روٹیاں ملتی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہی جو آپ نے دیکھیں۔ اس پر میں نے پوچھا کہ پھر تو نے اٹھا کر ساری کیوں اس کتے کو دے دیں؟ غلام نے جواب دیا کہ یہ کتوں کی جگہ نہیں ہے۔ یہ کتا کہیں دور سے اُمید لے کر آیا ہے۔ اس لیے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس کی محنت ضائع کی جائے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی یہ بات مجھے اتنی پیاری لگی کہ میں نے اس غلام سمیت اس چراگاہ اور بکریوں کو ان کے مالک سے خرید لیا۔ غلام آزاد کر دیا اور اس سے کہہ دیا کہ یہ سب بکریاں اور چراگاہ تیری ملک ہیں۔ میں نے یہ سب کچھ تمہیں بخش دیا۔ غلام نے مجھے دُعا دی۔ بکریاں اور چراگاہ سب کچھ صدقہ کر دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

زکوٰۃ کی برکت کا ایک واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''آپ بیتی'' میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنے بچپن میں اپنے والد صاحب سے اور دوسرے لوگوں سے بھی یہ قصہ سنا کہ ضلع سہارن پور میں ''بہٹ'' سے آگے انگریزوں کی کچھ کوٹھیاں تھیں۔ اس کے قرب و جوار میں بہت سی کوٹھیاں کاروباری تھیں۔ جن میں ان انگریزوں کے کاروبار ہوتے تھے اوران مسلمان ملازم ان میں کام کیا کرتے تھے۔ وہ انگریز دہلی کلکتہ وغیرہ بڑے شہروں میں رہتے تھے۔ کبھی کبھی معائنہ کے طور پر آ کر اپنے کاروبار کو دیکھ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اس جنگل میں آگ لگی۔ قریب قریب ساری کوٹھیاں جل گئیں۔ ایک کوٹھی کا ملازم اپنے انگریز آقا کے پاس دہلی بھاگا ہوا گیا اور جا کر واقعہ سنایا کہ حضور سب کی کوٹھیاں جل گئیں آپ کی بھی جل گئی۔ وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا۔ نہایت اطمینان سے لکھتا رہا۔ اس نے التفات بھی نہیں کیا۔ ملازم نے دوبارہ زور سے کہا کہ حضور سب جل گیا۔ اس نے دوسری دفعہ بھی لاپرواہی سے جواب دے دیا کہ میری کوٹھی نہیں جلی اور بے فکر لکھتا رہا۔

ملازم نے جب تیسری دفعہ کہا تو انگریز نے کہا کہ میں مسلمانوں کے طریقہ پر زکوٰۃ ادا کرتا ہوں اس لیے میرے مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ملازم تو جواب دہی کے خوف کے مارے بھاگا ہوا گیا تھا کہ صاحب کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کی۔ وہ انگریز کے اس لاپرواہی کے جواب کو سن کر واپس آ گیا۔ آ کر دیکھا تو واقعی میں سب کوٹھیاں جل چکی تھیں مگر اس انگریز کی کوٹھی باقی تھی۔

تین حضرات کی سخاوتیں

ہثیم بن عدی کہتے ہیں کہ تین افراد کا بیت اللہ میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ اس دور کا سب سے بڑا سخی کون ہے؟ ایک نے کہا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرا ابولاقیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرا ابولانہیس عرابہ اوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

گفتگو نے طول کھینچا ہر ایک اپنے حق میں دلائل دے رہا تھا۔ حتیٰ کہ آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ کچھ لوگ بھی اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص بولا بھائیو! کیوں لڑائی

کرتے ہو؟ ایسا کرو کہ ہر شخص اپنے پسندیدہ شخص کے پاس چلا جائے۔ اس سے کچھ مانگے اور جو کچھ دے۔ وہ آ کر یہاں بتا دے پھر اس بات کا جائزہ لے لیتے ہیں کہ بڑا سخی کون ہے؟

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدت مند ان کے گھر گیا اور ان سے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے! میں مسافر ہوں اور زادِ راہ ختم ہے۔ مدد کا طلبگار ہوں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت گھوڑے پر سوار کہیں جانے کے لیے تیار تھے۔ اسی وقت گھوڑے سے نیچے اُترے اور فرمایا گھوڑے کی رکاب پر پاؤں رکھو اور اس پر سوار ہو جاؤ اب یہ تمہارا ہے۔ اس کے ساتھ ایک تھیلا بھی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ بھی تمہارا ہے اور ہاں اس میں ایک تلوار بھی ہے۔ اس کو معمولی نہ سمجھنا۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ہے۔

جب وہ خوبصورت سا گھوڑا لے کر اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا اور تھیلا کھولا تو اس میں چار ہزار دینار اور ریشمی چادریں تھیں اور ان سب پر مستزاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار تھی۔

قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدت مند ان کے گھر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے لونڈی نے پوچھا تمہاری کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا مسافر ہوں اور زادِ راہ ختم ہو گیا ہے لونڈی نے کہا تمہاری اس معمولی حاجت کے لیے شیخ کو اُٹھانا اچھی بات نہیں یہ تھیلی پکڑو اس میں سات سو دینار ہیں۔ اس وقت قیس کے گھر میں یہی کچھ موجود ہے۔ گھر کے ساتھ ہی حویلی میں اونٹ بندھے ہوئے ہیں۔ اپنی مرضی کا اونٹ پسند کر لو اور غلام کو اپنی خدمت کے لیے لے کر سفر پر روانہ ہو جاؤ۔

تھوڑی دیر کے بعد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اُٹھ بیٹھے۔ لونڈی نے قصہ بیان کیا کہنے لگے۔ بہتر تھا مجھے اُٹھا لیتی اور میں خود اس کی حاجت پوری کرتا۔ نہ معلوم جو کچھ تم نے اسے دیا ہے۔ اس کی ضرورت کے مطابق ہے یا نہیں۔ تاہم تم نے جو اچھا کام کیا ہے۔ اس کے بدلے میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔

اُدھر عرابہ اوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدت مند بھی ان کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ عرابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ نماز کے لیے گھر سے نکل رہے تھے۔ دو غلاموں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے: ۰ ے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مسجد

کی طرف رُخ کیے ہوئے تھے۔اس آدمی نے کہا اے عرابہ! میری بات سنیں گے؟ عرابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے۔ بولو کیا کہتے ہو؟ کہنے لگا۔ میں مسافر ہوں اور میرا زادِ راہ ختم ہوگیا ہے۔ عرابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ غلاموں کے کندھوں سے ہٹائے اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر زور سے مارا اور کہنے لگے۔عرابہ نے اپنا تمام مال و دولت خرچ کر دیا ہے مگر یہ دو غلام باقی ہیں ۔تم ان دونوں کو لے جاؤ۔ اب یہ تمہارے ہوگئے اس آدمی نے کہا۔ حضرت! ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔آپ خود سخت ضرورت مند ہیں ۔ میں انہیں نہیں لوں گا عرابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے سنو! اب یہ تمہارے ہیں اور اگر تم چاہو تو آزاد کردو اور چاہو تو رکھ لو ۔یہ کہنے کے بعد آگے بڑھے۔ دیوار کا سہارا لیا اور ٹٹولتے ہوئے مسجد کی طرف چل دیئے۔

اس شخص نے ان دونوں غلاموں کو ہمراہ لیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگیا تینوں دوست پھر سے اکٹھے ہوئے۔ ہر ایک نے اپنے عطیے اور سلوک کا ذکر کیا اور ان تینوں کی تعریف کی کہ بلاشبہ یہ تینوں بہت سخی ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں ۔اب رہا یہ فیصلہ کہ سب سے بڑا سخی کون ہے؟ تو فیصلہ عرابہ اوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہوا کیوں کہ انہوں نے سارا مال تنگ دستی کے باوجود خرچ کر دیا تھا۔

اصل دولت کیا ہے؟

کہتے ہیں ایک نیک شخص کو کہیں سے سونے کی اینٹ مل گئی۔اس خوشی میں وہ ساری رات سوچتا رہا اور طرح طرح کے منصوبے بناتا رہا۔ کہ اب تو میں اچھے اچھے کھانے کھاؤں گا۔ بہترین لباس پہنوں گا۔ بہت سارے نوکر چاکر کام کاج کے لیے رکھ لوں گا اور مزے سے زندگی بسر کروں گا۔ سونے کی اینٹ کیا مل گئی۔ وہ رات بھر یادِ الٰہی سے غافل رہا اور سونے ہی کے خیالوں میں کھویا رہا۔

صبح ہوئی تو خوش خوش گھر سے نکلا چلتے چلتے قبرستان کے قریب سے گزرا۔ تو دیکھا کہ ایک شخص اینٹیں بنانے کے لیے قبر کی مٹی گوندھ رہا ہے یہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹ گیا... عالم برزخ کے حالات کو یاد کر کے رونے لگا اور سوچنے لگا۔

شاید میرے مرنے کے بعد میری قبر کی مٹی سے بھی لوگ اینٹیں بنائیں گے۔ آہ! میرے عالی شان مکانات اور عمدہ ملبوسات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ سونے کی اینٹ مل جانے پر خوش ہونا اور غفلت میں زندگی گزارنا تو سراسر دھوکہ ہے۔ ہاں۔ اگر دل لگانا ہی ہے تو اللہ رب العزت سے لگانا چاہیے۔ اسی خالق و مالک کی محبت کو دل میں بسانا چاہیے۔ چنانچہ اس نے سونے کی اینٹ کو ترک کر دیا اور زہد و تقویٰ اختیار کر کے بارگاہِ خداوندی میں عالی رُتبہ حاصل کر لیا۔

جب کایہ پلٹ گئی

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خزانے میں تشریف لے گئے تو سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے "بیت المال میں لاکھوں روپیہ جمع تھا۔ سونے چاندی کو خطاب کر کے فرمایا یا دنیا غری غیری اے دنیا دھوکہ کسی اور کو دینا۔ ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں اور خزانچی کو اسی وقت حکم دیا کہ غربا میں دولت تقسیم کی جائے رات بھر دولت تقسیم ہوئی اندازہ لگایا تو لاکھوں روپے تقسیم ہوئے یہ لوگ تھے جو پہلے ایک ایک پائی کے لئے جان دیتے تھے اور آج خزانے پڑے ہوئے ہیں اور اس کو خطاب کر رہے ہیں کہ ہم تجھ پر رکھنے والے نہیں۔ ہم تجھ پر مرنے والے نہیں ہیں یہ کایا پلٹ کہاں سے ہوئی! اس قرآن نے ہی تو دلوں کو بدل دیا تھا روحوں کو پلٹ کر رکھ دیا تھا پہلے مال کی محبت تھی اب کمال کی محبت ہوئی پہلے مخلوق کی محبت تھی اب خالق کی محبت شروع ہوئی اور محبت میں مستغرق ہو گئے۔ غرق ہو گئے۔ کہاں سے کہاں پہنچ گئے (خطبات طیب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ لکھ پتی صحابہ میں سے ہیں ایک دن گھر میں تشریف لائے تو اہلیہ محترمہ نے دیکھا کہ کچھ غمگین اور اداس ہیں پوچھا کہ آج آپ اداس کیوں ہیں فرمایا کہ خزانے میں روپیہ زیادہ جمع ہو گیا ہے دل کے اوپر بوجھ پڑ رہا ہے کہ اتنی خرافات کہاں میرے سر پر لد گئی۔ اس کی وجہ سے غمگینی ہے بیوی بھی صحابیہ تھیں انہوں نے کہا کہ پھر غم کی کیا بات ہے اللہ کے نام پر غربا کو تقسیم کر دو۔ بس تشریف لے گئے اور خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ غربا میں

روپیہ تقسیم کیا جائے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی جائے تمام رات مدینہ کی گلیوں میں روپیہ تقسیم ہوتا رہا صبح کو جو حساب لگایا تو رات بھر میں چھ لاکھ روپیہ تقسیم ہوا صبح کو گھر پہنچے بہت ہشاش بشاش بیوی کے ہاتھ چومے اور کہا کہ بہت عمدہ تدبیر بتلائی تھی میرا دل ہلکا ہو گیا تو پہلے یہ کیفیت تھی کہ ان کا دل ہلکا ہوتا تھا جب دولت زیادہ ہوتی تھی یا آج ہلکا ہونے لگا جب دولت ختم ہو جائے یہ کایا پلٹ نہیں تھی تو اور کیا تھا انقلاب نہیں تھا تو اور کیا تھا (خطبات طیب)

ایک نواب کی غریب پروری کا عجیب واقعہ

ایک غریب آدمی ایک نواب کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ شکل صورت سے کسی اچھے خاندان کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنا حال زار بیان کرتے ہوئے کہا یہ بات سرکار کی شان کے خلاف ہوگی کہ میں اپنا حسب نسب بیان کروں میں ایک ضرورت مند ہوں میری تین بیٹیاں ہیں۔ ان کی شادی کی عمریں تیزی سے گزرتی جارہی ہیں۔ آپ نے ایک لاکھ روپے کا عظیم عطیہ دینے کا حکم دیا تھا۔ ایسے موقع پر خوشامدی اور نکمے درباروں کو بہت تکلیف پہنچی۔ ایک لاکھ روپے کا سن کر وہ بری طرح جل اُٹھے۔ آخر افسر خزانہ اور دوسرے مصاحبوں نے آپس میں مشورہ کر کے ایک منصوبہ تیار کیا۔ خزانے سے ایک لاکھ روپے کی رقم نکال کر اس راستے پر ڈھیر کر دی جہاں سے آپ کا گزر ہوتا ہے۔

کسی نے اس تماشے کا سبب پوچھا تو کہا گیا کہ شاید نواب صاحب نے اپنی آنکھ سے ایک لاکھ روپے نہیں دیکھے۔ اگر وہ ایک بار بھی چاندی کے سکوں کے سوا گز چوڑے سوا گز لمبے اور سوا گز اونچے چبوترے کو دیکھ لیتے تو اتنی بیدردی سے شاہی خزانے کو نہ لٹاتے۔ ہم آج سرکار کو یہی دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ہونٹوں کی ایک حرکت سے جو چیز لوگوں کو بخش دیتے ہیں۔ اس کی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ تمام حاسدوں نے منصوبے کی بہت تعریف کی ہے اور اس عجیب و غریب تماشے کا انجام دیکھنے کے لیے رُک گئے ہیں۔ دربار ختم ہوا۔ نواب صاحب دربار ہال سے نکل کر ایوان خاص کی طرف بڑھے۔ اچانک ان کی نظر روپوں کے ڈھیر پر پڑی۔ چونک کر رُکے اور افسر خزانہ سے پوچھنے لگے۔ یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا۔ آج سرکار نے ایک شخص کو

ایک لاکھ روپے عنایت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ وہی رقم ہے جو خزانے سے نکالی جا رہی ہے۔

نواب صاحب چند لمحوں تک چاندی کے اس انبار کو دیکھتے رہے اور پھر شرمندگی کے انداز میں بولے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ ایک لاکھ روپے بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر آج اپنی غلطی کا احساس ہوا خیر ابھی وقت ہے۔ اس شخص کو مزید ایک لاکھ روپے دے دو کیونکہ اس کی ضرورت زیادہ ہے اور روپے کا ڈھیر کم۔ یہ کہہ کر وہ اپنے ایوان خاص میں داخل ہو گئے۔ حاسدوں کا شرم کے مارے برا حال ہو گیا اور وہ اپنی نظروں میں گر گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ جلنے والے کا منہ کالا اور یہ سخی حاکم کون تھے؟ ریاست اودھ کے نواب آصف الدولہ جو اپنی سخاوت کے لیے مشہور تھے۔

باکمال لوگ.... باکمال اولاد

جس وقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو آپ نے چار کروڑ روپے ترکہ میں چھوڑے تھے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بڑے صاحبزادے حضرت صدر الدین مسند پر بیٹھے تو انہوں نے حکم دیا کہ میرے حصہ کے ایک کروڑ روپے فقراء میں تقسیم کر دیے جائیں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ کے والد نے باوجود یاد خداوندی کے چار کروڑ روپے جمع کیے اور آپ اس طرح اتنی بڑی رقم ختم کیے ڈالتے ہیں؟ فرمایا میرے والد بڑے عالی ظرف تھے۔ ان کے پاس چار کروڑ روپے موجود تھے پھر بھی خدا تعالیٰ کی یاد کیا کرتے تھے مگر میرا یہ حال ہے کہ جب سے میں نے سنا ہے کہ میرے حصہ میں ایک کروڑ روپے آئے ہیں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان روپوں کی وجہ سے میں خدا سے غافل نہ ہو جاؤں اس لیے ان کا تقسیم کر دینا ہی بہتر ہے۔

اہل عرب کی سخاوت

قیس بن سعد عرب کا ایک بڑا دریا دل اور غنی سردار تھا۔ اس کی شہرت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ ایک بار اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے کبھی اپنے سے زیادہ سخی بھی کسی شخص کو اپنی زندگی میں پایا اس نے کہا کہ ہاں ایک بار ہم ایک جنگل میں ایک اعرابی کے یہاں کئی روز ٹھہرے اور ہمارے میزبان نے روزانہ ایک اونٹ ہمارے لیے ذبح کیا تاکہ ہم کو تازہ

گوشت ملتا رہے جب وہاں سے روانہ ہوئے تو ہم نے مخفی طور سے سو دینار اس کے گھر میں رکھ دیئے اور اس کی بیوی سے کہا کہ ہماری طرف سے اپنے شوہر کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کر کے بغیر خدا حافظ کیے چلے جانے کی بہت کچھ عذر و معذرت کر دینا۔ چنانچہ یہ کہہ کر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ دن نکل رہا تھا کہ ایک شخص ہمارے پیچھے چلاتا ہوا نظر آیا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اے کمینے سوارو! ذرا ٹھہر جاؤ تم مجھے مہمان داری کی قیمت دے رہے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ یا تو یہ رقم واپس لے لو ورنہ تم سب کو ابھی اپنے نیزہ سے ہلاک کر دوں گا۔ ہم نے وہ روپیہ واپس لے لیا اور چلے آئے اس کی سخاوت بے شک حیرت ناک ہے۔

عہد فاروقی میں زہد وقناعت کی تابندہ مثال

حضرت سعد بن عمیرؓ بیت المقدس اور فلسطین کے والی بنائے گئے تھے اور ایک عرصے تک بنے رہے پھر حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا حضرت عمرؓ اپنے گورنروں اور عمال کا امتحان کیا کرتے تھے کہ کہیں وہ ظلم کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں کہیں ان سے عدل و انصاف کی رسی چھوٹ تو نہیں گئی۔ دوسرے آدمیوں کے ذریعے بھی جانچ کراتے تھے اور خود بھی رات کو بھیس بدل بدل کر نکلتے تھے کہ مخلوق کی اخلاقی حالت کیسی ہے۔

غرض انہوں نے ایک خادم کو شام بھیجا کہ جا کر ذرا سعد بن عمیر کی خبر لاؤ کہ کس حالت میں ہیں؟ اور پانچ سو روپے کی تھیلی دی کہ میری طرف سے ہدیے کے طور پر پیش کر دینا۔ مقصد جانچ کرنا تھا۔ خادم پہنچا۔ حال یہ ہے کہ سعد فلسطین کے گورنر ہیں اس متمدن ملک کے کہ جہاں کھیت اور پھل اور سبزہ زاروں کی کوئی کمی نہیں مگر گورنر صاحب ایک خس پوش کچے سے مکان میں دروازے پر بیٹھے ہوئے رسیاں بٹ رہے تھے۔ رسیاں بٹ بٹ کے پیٹ پالتے تھے اس سے جو پیسے ملتے تھے ان سے گزر اوقات کرتے تھے۔ بیت المال اور خزانے پر بار نہیں ڈالتے تھے۔

غرض خادم پہنچا تو کھڑے ہو گئے۔ بہت محبت سے ملے۔ خادم نے حضرت عمرؓ کا پیغام پہنچایا بہت خوش ہوئے۔ اب حضرت عمرؓ تو گورنر کی جانچ کر رہے تھے کہ گورنر صاحب نے امیر المؤمنین کی جانچ شروع کر دی۔ خادم سے کہا کہ عمر تو بڑا مالدار ہو گیا ہو گا اس واسطے کہ

امیرالمؤمنین ہیں خزانے اس کے ماتحت میں ہیں ہزاروں لاکھوں روپیہ جمع کرایا ہوگا؟ خادم نے کہا کہ نہیں! حضرت عمرؓ کا وہی زہد وقناعت قائم ہے جو زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر قائم تھا وہی جو کی روٹی۔ وہی پیوندوں کے کپڑے وہی زہد وہی قناعت کہا الحمدللہ! خدا نے ہمیں ایسا امیر دیا کہ جو خزانوں پر قابض ہو کر پھر بھی زاہد اور متقی ہے۔

اس کے بعد سوال کیا کہ حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمات تو آتے ہوں گے۔ خوب جانبداریاں کرتا ہوگا۔ اپنے رشتہ داروں کی حمایت کرتا ہوگا۔ دوستوں کو جتاتا ہوگا؟ خادم نے کہا کہ نہیں حضرت عمرؓ غریب کو اور امیر کو ایک نگاہ سے دیکھتے ہیں پبلک کے تمام افراد ان کی نگاہ میں یکساں ہیں وہ عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں کہا: الحمدللہ! خدا نے ہمیں ایسا امیر دیا جو عادل بھی ہے منصف بھی ہے کامل بھی ہے۔ غرض وہ تو جانچ کر رہا ہے امیرالمؤمنین کی طرف سے گورنر کی اور گورنر جانچ کر رہے ہیں امیرالمؤمنین کی کہ ان میں تو کوئی فرق نہیں آیا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو خادم نے پانچ سو روپے کی تھیلی پیش کی کہ حضرت عمرؓ نے بطور ہدیہ کے دی ہے۔

بس یہ دیکھتے ہی غصے سے چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ یہ مال عمرؓ کے باپ کا ہے جو ہزار ہزار پانچ پانچ سو تقسیم کرتا ہے۔ اس کے باپ کا خزانہ ہے؟ کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ذاتی طور پر دیئے ہیں تو کہا اچھا عمرؓ سرمایہ دار بن گیا ہے کہ پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار روپیہ ہدیہ کے طور پر بھیجتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

غرض ہدیہ قبول کرلیا مگر اس ہدیہ کا حشر یہ ہوا کہ اپنے بدن سے چادر اتاری اور جہاں کوئی غریب گزرا چادر میں سے دو تین بالشت کی ایک پٹی پھاڑ دی اور دس بیس روپیہ اس میں باندھ کر اس کے سامنے پھینک دیئے۔ کوئی یتیم گزرا پھر ایک پٹی پھاڑی دس بیس باندھے اس کے آگے ڈال دیئے۔ شام تک روپیہ بھی ختم ہوگیا اور گورنر صاحب کی چادر بھی ختم ہوگئی۔ اخیر میں بیوی نے کہا میرے ہاں کئی دن سے فاقہ ہے کچھ مجھے بھی دیدو تو خفا ہو گئے دو تین درہم پھینک دیئے کہ تو بھی اگر اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنا چاہتی ہے تو بھر لے تجھے مبارک ہو تو یہ کیفیت تھی۔

اس کے بعد خادم نے پیغام دیا کہ حضرت عمرؓ کا جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کریں۔ آپ کو بلایا ہے۔ فرمایا کہ چلو۔ اسی وقت لاٹھی ہاتھوں میں لے کر کھڑے ہو گئے۔ ڈھائی سو میل کے سفر

کیلئے تیار ہوگئے۔نہ اونٹنی نہ سواری۔کہا بس چلو اور پیدل ہی امیر المومنین کی طرف روانہ ہوگئے۔
حضرت عمرؓ کو اطلاع دے دی گئی کہ فلاں دن پہنچیں گے۔حضرت عمرؓ شہر سے باہر استقبال کے لئے تشریف لائے۔ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن عمیرؓ کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے۔بہت حیران ہوئے کہ یہ غصہ کیوں لیکن سمجھ گئے کہ یہ اس ہدیہ کا اثر ہے۔
حضرت سعدؓ نے کہا کہ شہر میں قیام گاہ پر بعد میں چلیں گے۔پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہولیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرلیں۔چنانچہ سب تشریف لے گئے۔
روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر حضرت سعد بن عمیرؓ نے سلام کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! میں عمرؓ کی منحوس خلافت میں زندہ نہیں رہنا چاہتا جو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ہاتھوں سے کاٹ دی تھیں عمر پھر وہی پہنانا چاہتا ہے اور پانچ پانچ سو روپے ہدیے کے ہمارے پاس بھیجتا ہے میں اس منحوس دور خلافت میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔انہوں نے رو رو کر یہ دعا کی۔
اب حضرت عمرؓ کی باری آئی۔انہوں نے دعا کی یا رسول اللہ میں اس وقت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں جب تک میری حکومت میں سعد بن عمیرؓ جیسے افراد موجود ہیں اور جب یہ نہ رہیں تو میں بھی زندگی نہیں چاہتا تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ چند ہی دن کے بعد سعد بن عمیرؓ کی وفات ہوئی اور ان کے بیس دن کے بعد ہی حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔
تو دولت پر قابض ہونے کے بعد اور ملکوں پر حکمراں ہونے کے بعد یہ زہد وقناعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر تھا....(خطبات حکیم الاسلام)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی سخاوت وزہد کا واقعہ

ایک دن دیوبند کے ایک صاحب نے آ کر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کیا اور کچھ رقم طلب کی حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فوراً ہی پانچ روپے عنایت فرمائے۔
کسی نے عرض کیا کہ:''حضرت! یہ شخص تو علماء کو گالیاں دیتا ہے''
آپ نے فرمایا:''اسی وجہ سے تو میں نے اس کو روپے دیئے ہیں تا کہ اس کو خیال تو ہو

گا کہ علماء سے تو روپے ملتے ہیں ان کو گالیاں نہیں دینی چاہئیں...(انفاس قدسیہ)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی دارالعلوم دیوبند میں جتنے دن پڑھاتے تھے اس کے علاوہ ایک دن کی بھی تنخواہ لینا گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ کے سلسلہ میں سفر کرنا پڑا۔ مگر سوائے خواندگی ایام تعلیم کے ایک پیسہ بھی نہیں لیا... مرض الوفات میں ایک مہینہ کی رخصت بیماری وغیرہ اور اس کے علاوہ چھٹیاں جو قانوناً حق تھیں مگر نہیں لیں۔ ان ایام میں تنخواہ جو ایک ہزار روپیہ سے کچھ زیادہ ہوتی تھی مدرسہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں بھیجی گئی تو آپ نے یہ فرما کر واپس کر دیا کہ:

''جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی...''

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے گھر تشریف لے گئے اور اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ:

''حضرت (شیخ مدنی رحمہ اللہ) کا زہد و تقویٰ اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا مگر اس میں شرعاً کوئی سقم نہیں ہے بلکہ حق ہے اگر آپ فرمادیں تو وہ پیسے میں آپ کی خدمت میں پیش کروں''

اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ: ''جس چیز کو حضرت (مدنی رحمہ اللہ) نے پسند نہیں فرمایا۔ اس کو میں کس طرح پسند کر سکتی ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ... بس آپ کی صرف دعا کی ضرورت ہے'' (حکایات و عملیات مدنی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے خوب مال دیا تھا لیکن ان کے دل میں مال کی محبت نہیں تھی۔ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بئر رومہ ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ اس وقت مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی مشکل کا سامنا تھا۔ وہ اس یہودی سے پانی خریدتے تھے۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی دشواری کا سامنا ہے تو وہ یہودی کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ کنواں فروخت کر دو۔ اس نے کہا میری تو بڑی کمائی ہوتی ہے میں تو

نہیں بیچوں گا۔ یہودی کا جواب سن کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ آدھا بیچ دیں اور قیمت پوری لے لیں۔ وہ یہودی نہ سمجھ سکا۔ اللہ والوں کے پاس فراست ہوتی ہے۔ یہودی نے کہا ہاں ٹھیک ہے آدھا حق دوں گا اور قیمت پوری لوں گا۔ چنانچہ اس نے قیمت پوری لے لی اور آدھا حق دے دیا اور کہا کہ ایک دن آپ پانی نکالیں اور دوسرے دن ہم پانی نکالیں گے۔

جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے پیسے دے دیئے تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ میری باری کے دن مسلمان اور کافر سب بغیر قیمت کے اللہ کیلئے پانی استعمال کریں جب لوگوں کو ایک دن مفت پانی ملنے لگا تو دوسرے دن خریدنے والا کون ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ یہودی چند مہینوں کے بعد آیا اور کہنے لگا جی آپ مجھ سے باقی آدھا بھی خرید لیں۔ آپ نے باقی آدھا بھی خرید کر اللہ کیلئے وقف کر دیا۔ (خطبات فقیر)

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سخاوت

ابوالحسن مدائنیؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ان کے سامان کے اونٹ ان سے جدا ہو گئے۔ یہ بھوکے پیاسے چل رہے تھے ایک خیمہ پر ان کا گزر ہوا اس میں ایک بوڑھی عورت تھی۔ ان حضرات نے اس سے پوچھا کہ ہمارے پینے کو کوئی چیز (پانی یا دودھ لسی وغیرہ) تمہارے پاس موجود ہے؟

اس نے کہا ہے۔ یہ لوگ اپنی اونٹنیوں پر سے اترے۔ اس بڑھیا کے پاس ایک بہت معمولی سی بکری تھی اس کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا کہ اس کا دودھ نکال لو اور اس کو تھوڑا تھوڑا پی لو۔

ان حضرات نے اس کا دودھ نکالا اور پی لیا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز بھی ہے؟

اس بڑھیا نے کہا کہ یہی بکری ہے اس کو تم میں سے کوئی ذبح کر دے تو میں پکا دوں گی انہوں نے اس کو ذبح کیا اس نے پکایا۔ یہ حضرات کھا پی کر جب شام کو چلنے لگے تو انہوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی لوگ ہیں اس وقت حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں اگر ہم زندہ سلامت واپس مدینہ پہنچ گئے تو تُو ہمارے پاس آنا۔ تیرے اس احسان کا بدلہ دیں گے یہ حضرات تو یہ فرما کر چلے گئے شام کو جب اس کا خاوند (کہیں جنگل وغیرہ سے) آیا تو اس

بڑھیا نے ہاشمی لوگوں کا قصہ سنایا۔ وہ بہت خفا ہوا کہ تُو نے اجنبی لوگوں کے واسطے بکری ذبح کرڈالی۔ معلوم نہیں کون تھے کون نہیں تھے۔ پھر کہتی ہے کہ ہاشمی تھے۔ غرض وہ خفا ہوکر چپ ہو گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو غربت نے جب بہت ستایا تو یہ محنت مزدوری کی نیت سے مدینہ منورہ گئے۔ دن بھر مینگنیاں چگا کرتے اور ان کو بیچ کر گزر کیا کرتے۔ ایک دن وہ بڑھیا مینگنیاں چگ رہی تھی۔ حضرت حسنؓ اپنے دروازے کے آگے تشریف رکھتے تھے جب یہ وہاں سے گزری تو اس کو دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اس کو پہچان لیا اور اپنے غلام کو بھیج کر اس کو اپنے پاس بلوایا اور فرمایا کہ اللہ کی بندی تُو مجھے بھی پہچانتی ہے؟

اس نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا آپؓ نے فرمایا کہ میں تیرا وہی مہمان ہوں دودھ اور بکری والا۔ بڑھیا نے پھر بھی نہ پہچانا اور کہا کیا خدا کی قسم تم وہی ہو۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا میں وہی ہوں اور یہ فرما کر آپؓ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک ہزار بکریاں خریدی جائیں۔ چنانچہ فوراً خریدی گئیں اور ان بکریوں کے علاوہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) نقد بھی عطا فرمائے اور اپنے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسینؓ نے دریافت فرمایا کہ بھائی نے کیا بدلہ عطا فرمایا؟

اس نے کہا ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر اتنی ہی مقدار دونوں چیزوں کی حضرت حسینؓ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد اس کو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس بھیج دیا انہوں نے تحقیق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کیا کیا مرحمت فرمایا اور جب معلوم ہوا کہ یہ مقدار ہے تو انہوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے اور یہ فرمایا کہ اگر تُو پہلے مجھ سے مل لیتی تو میں اس سے بہت زیادہ دیتا۔ یہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر خاوند کے پاس پہنچی کہ یہ اس ضعیف اور کمزور بکری کا بدلہ ہے.....(احیاء العلوم)

امام مالک رحمہ اللہ کی سخاوت

اہل سنت والجماعت کے جلیل القدر امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ اپنے حالات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو مسجد نبوی میں امام مالکؒ دکھائی دیئے ایک چادر کا تہبند باندھے ہوئے تھے دوسری چادر اوڑھے ہوئے تھے اور بلند آواز میں

حدیث روایت کر رہے تھے .... میں نے جلدی سے ایک تنکا اٹھا لیا .... وہ جب کوئی حدیث سناتے تو میں اس تنکے کو اپنے لعاب دہن میں تر کر کے اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتا امام مالکؒ میری یہ حرکت دیکھ رہے تھے مگر مجھے خبر نہ تھی آخر مجلس ختم ہوگئی اور امام مالکؒ دیکھنے لگے کہ سب کی طرح میں بھی اٹھ کر جاتا ہوں یا نہیں؟ میں بیٹھا ہی رہا تو انہوں نے مجھے اشارے سے بلایا میں قریب پہنچا تو کچھ دیر بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔

پھر فرمایا: ''تم حرم کے رہنے والے ہو؟ مکی ''قریشی ہو؟'' میں نے کہا ''جی ہاں'' فرمایا: ''سب اوصاف پورے ہیں مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سنا رہا تھا اور تم تنکا لئے اپنے ہاتھ سے کھیل رہے تھے'' میں نے جواب دیا: ''کاغذ پاس نہیں تھا اس لئے جو کچھ آپ سے سنتا تھا اسے ہتھیلی پر لکھتا جاتا تھا

اس پر امام مالکؒ نے ہاتھ کھینچ کر دیکھا اور فرمایا: ''ہاتھ پر تو کچھ بھی نہیں لکھا'' میں نے عرض کیا ''ہاتھ پر لعاب باقی نہیں رہتی لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں مجھے سب یاد ہو چکی ہیں' امام مالکؒ کو تعجب ہوا کہنے لگے سب نہیں ایک ہی حدیث مجھے سنا دو میں نے فوراً کہا ''ہم سے مالک نے نافع اور ابن عمرؓ کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے'' اور امام مالکؒ ہی کی طرح میں نے ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا پھر وہ پوری 25 حدیثیں سنا دیں جو انہوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے مجلس کے خاتمے تک سنائی تھیں۔

میں امام مالکؒ کے یہاں آٹھ مہینے رہا پوری مؤطا حفظ ہوگئی۔ مجھ میں اور امام مالکؒ میں اس قدر محبت اور بے تکلفی پیدا ہوگئی تھی کہ انجان دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ مہمان کون ہے اور میزبان کون ہے۔ حج کے بعد مجھے ایک نوجوان دکھائی دیا صاف ستھرے کپڑے پہنے کھڑا تھا۔ اس کی نماز بھی اچھی تھی۔ میں نے نام پوچھا اس نے بتا دیا۔ معلوم ہوا کہ وہ کوفے کا باشندہ ہے۔ میں نے کہا ''کوفے میں کتاب وسنت کا عالم و مفتی کون ہے؟''

اس نے جواب دیا ''ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں'' یہ سن کر میرے دل میں عراق جانے کا شوق پیدا ہوا .... امام مالکؒ کے پاس آیا اور ان کا عندیہ معلوم کیا۔ انہوں نے حصول علم کے لئے میری ہمت افزائی کی اور زاد سفر کا

انتظام کر کے مجھے رخصت کرنے کے لئے علی الصباح بقیع تک آئے۔

چوبیس دن میں ہم کوفہ پہنچے۔ وہاں مسجد میں عصر کے وقت محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ سے ملاقات ہوئی۔ میری باتوں سے ان کو گمان ہوا۔ پوچھنے لگے کہ: ''امام مالکؒ کو تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں امام مالکؒ ہی کے پاس سے آ رہا ہوں'' سوال کیا: ''موطا دیکھی ہے؟ میں نے کہا موطا حفظ بھی کر چکا ہوں۔''

محمد بن حسنؒ اس پر متعجب ہوئے اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا اور ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ لکھا ہر دو مسئلوں کے درمیان خاصی جگہ سادہ چھوڑی اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ان مسائل کا جواب موطا سے لکھ دو میں نے سب مسئلوں کے جواب لکھے اور کاغذ امام محمد بن حسنؒ کے سامنے رکھ دیا اس کے بعد امام محمد بن حسنؒ نے مجھے خادم کے ہمراہ اپنے گھر بھیجا۔ کچھ دیر بعد امام محمدؒ بھی گھر پر آ گئے۔ انہوں نے ایک ہزار درہم کا قیمتی جوڑا مجھے پہنایا اور اپنے کتب خانہ سے امام ابو حنیفہؒ کی تالیف ''کتاب الاوسط'' نکال کر دی۔ الٹ پلٹ کر دیکھی اور رات کو اسے حفظ کرنا شروع کر دیا۔ صبح ہونے سے پہلے پوری کتاب حفظ ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد میں نے امام محمدؒ سے سفر کی اجازت چاہی انہوں نے فرمایا: میں اپنے کسی مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ میرے پاس جو مال و دولت موجود ہے اس میں سے آدھا تم لے لو' اس کے بعد انہوں نے اپنے صندوق کی ساری نقدی منگوائی۔ تین ہزار درہم نکلے وہ میرے حوالے کر دیئے اور میں بلاد فارس و عراق کی سیاحت کرنے لگا۔

اب مجھے تین برس اور ہو چکے تھے اسی اثناء میں حاجی حجاز سے لوٹنے مجھے ایک نوجوان ملا۔ میں جا کر اس سے امام مالکؒ اور حجاز کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے کہا: ''امام مالکؒ تندرست ہیں اور بہت دولت مند ہو گئے ہیں'' یہ سن کر شوق ہوا کہ امام صاحب کو غربت میں دیکھ چکا ہوں اور اب دولت مندی میں بھی ان کو دیکھنا چاہئے میں نے سفر کی تیاری کی۔

ستائیسویں دن مدینہ منورہ پہنچا۔ مسجد نبوی میں نماز پڑھی اب کیا دیکھتا ہوں کہ لوہے کی ایک کرسی مسجد میں رکھی ہے۔ کرسی پر قباطی مصر کا تکیہ جما ہوا ہے اور کرسی پر لکھا ہے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ امام مالک بن انس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پوری

مسجد عطر سے مہک اٹھی ۔ان کے ساتھ چار سو (400) یا اس سے بھی زیادہ مجمع تھا اپنی مجلس میں پہنچے تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہوگئے ۔امام صاحب کرسی پر بیٹھ گئے ۔آپ نے اپنے شاگردوں کے سامنے جراح عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا ۔میں نے اپنے بغل کے ایک جاہل آدمی کو اس کا جواب سکھا دیا اس نے بلند آواز میں جواب سنا دیا ۔دوسرے شاگردوں کے جوابات غلط تھے دو تین بار یہی صورت پیش آئی ۔تب امام صاحب اس جاہل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''یہاں آؤ'' وہ جگہ تمہاری نہیں ہے ۔اس شخص نے صاف بتا دیا کہ میری بغل میں ایک نوجوان بیٹھا ہے وہی مجھے یہ جوابات بتا رہا تھا ۔اب تو امام صاحب نے میری طرف گردن اٹھائی اور قریب بلایا ۔میں حاضر ہوا تو غور سے دیکھ کر پوچھا۔

''شافعی ہو؟'' میں نے کہا ''ہاں'' فرمایا: ''علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں اسے تم پورا کرو'' میں نے تعمیل کی جراح عمد کے چار سو مسئلے پیش کئے مگر کوئی شخص جواب نہ دے سکا امام صاحب نے میری پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے تحسین کی۔

صبح نماز فجر ادا کر کے ہم مسجد سے نکلے تو میرا ہاتھ امام مالکؒ کے ہاتھ میں تھا اور دروازے پر خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے تھے ۔میرے منہ سے نکل گیا: ''ایسے خوبصورت گھوڑے تو میں نے آج تک نہیں دیکھے ۔'' امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ ''یہ ساری سواریاں بھی تمہارے لئے ہدیہ ہیں ۔'' میں نے عرض کیا: ''کم از کم ایک جانور تو آپ اپنے لئے رکھ لیجئے'' اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: ''مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندواؤں جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں'' تین دن بعد مکہ کو روانہ ہو گیا مگر اس حال میں کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر و برکت اور مال و متاع کے بوجھ آگے آگے جا رہے تھے ۔

حدود حرم کے قریب والدہ مکرمہ چند عورتوں کے ساتھ ملیں انہوں نے مجھے گلے سے لگا لیا میں نے آگے بڑھنا چاہا والدہ کہنے لگیں: ''کہاں؟'' میں نے کہا: ''گھر چلیں''

بولیں: ''ہائے افسوس! کل تو مکہ مکرمہ سے فقیروں کی صورت میں گیا تھا اور آج امیر بن کے لوٹا ہے تاکہ اپنے چچیرے بھائی بندوں پر گھمنڈ کرے'' میں نے کہا ''پھر کیا کروں؟'' کہنے

لگیں: ''منادی کرادے کہ بھوکے آئیں اور کھائیں پیدل آئیں اور سواری لے جائیں۔ ننگے آئیں اور کپڑا لیں۔ اس طرح دنیا میں بھی تیری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا اجر بھی محفوظ رہے گا'' میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ خبر امام مالکؒ نے بھی سنی اور کہلا بھیجا جتنا دے چکا ہوں اتنا ہی ہر سال بھیجتا رہوں گا چنانچہ گیارہ سال انہوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

فقیہ مصر امام شافعی رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ علیہا جب امید سے تھیں تو انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ان سے ایک ستارہ نکلا جو ملک مصر کے اوپر افق پر جا کر چمکنے لگا۔ حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے تعبیر دی کہ جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ ملک مصر کا امام اور رہنما بنے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی ذات سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اور وہ ان کا ہمیشہ بڑا احترام کرتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سوار ہوتے تو یہ ان کے پیچھے پیچھے پیدل ان سے سوالات کرتے جاتے تھے۔ ان کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے تیس برس سے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے لئے دعا نہ کی ہو۔

چار محدثین کی غیبی مدد

چار نوجوان اتفاق سے مصر کی ایک جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ چاروں طالب علم تھے ایک دوسرے سے تعارف ہوا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چاروں کا نام محمد تھا۔ ایک نے اپنا نام محمد بن جریر بتایا۔ دوسرے نے محمد بن اسحاق تیسرے نے محمد بن مزوری اور چوتھے نے محمد بن ہارون بتایا۔ چاروں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ''سبحان اللہ'' ان کا کام بھی ایک ہی تھا اور نام بھی ایک۔ تمام دن استاد صاحبان سے حدیث کا علم حاصل کرتے۔ شام کو اپنے مکان میں آ کر دن بھر کی یاد کی ہوئی احادیث کو ایک رجسٹر میں لکھ لیتے۔ ایک دن ایک نے کہا بھائیو! ہماری جمع شدہ رقم ختم ہو چکی ہے۔ کوئی بات نہیں ہم مزدوری کر لیں گے۔ دوسرے نے کہا۔

مزدوری کرنے پر اعتراض نہیں۔ اس طرح ہم احادیث کا علم کس طرح حاصل کریں گے۔ تیسرے نے کہا ہاں! اس طرح تو ہم تاجر بن جائیں گے۔ چوتھے نے کہا تب پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم میں سے صرف ایک مزدوری کرے۔ باقی تین علم حاصل کریں۔ قرعہ اندازی کر لی

جائے۔قرعہ ڈال ڈالا گیا تو محمد بن اسحاق کا نام نکلا وہ بولے پہلے میں اپنے رب سے استخارہ کر لوں۔یہ کہہ کرانہوں نے نماز کی نیت باندھ لی۔ایسے میں باہر سے آواز آئی۔کیا وہ یہی گھر ہے؟

کسی نے کہا ہاں یہی ہے۔نشانیاں تو وہی ہیں باہر کی آواز سن کر یہ چونک گئے ۔گھبرا گئے۔سارا شہر اس وقت نیند کی آغوش میں تھا پھر یہ کون لوگ تھے جوان کے مکان کے باہر جمع تھے۔ایسے میں دستک ہوئی۔آواز آئی۔السلام علیکم! کیا ہم اندر آسکتے ہیں ۔ہم بادشاہ کے قاصد ہیں۔وہ ایک ساتھ بولے۔

وعلیکم السلام! تشریف لایئے۔محمد بن ہارون نے دروازہ کھول دیا۔وہ کئی آدمی تھے ان کے ہاتھوں میں روشنی کے لئے قندیلیں تھیں۔چہروں سے سوجھ بوجھ والے لوگ لگ رہے تھے ۔ان میں سے ایک نے کہا آپ میں سے محمد بن جریر کس کا نام ہے۔جی میرا نام ہے۔یہ سن کر اس نے کہا یہ لیجئے پانچ سو دیناروں کی تھیلی پھر اسنے کہا اور آپ میں سے محمد بن نصر کون ہے؟

آنے والوں نے ایک تھیلی انہیں تھما دی پھر بولا محمد بن اسحاق کون ہے یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔محمد بن نصر نے بتایا۔یہ تھیلی ان کی ہے آپ میں سے محمد بن ہارون کون ہیں؟

نام معلوم کر کے ایک تھیلی انہیں دے دی گئی۔اب یہ چاروں حیران ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے آنے والوں میں سے ایک نے ان کی حیرت دور کرنے کے لئے کہا۔مصر کے بادشاہ احمد بن طولون کل دوپہر اپنے محل میں سو رہے تھے۔انہوں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا وہ ان سے کہہ رہا تھا محمد نام کے چار طالب علم بھوک سے پریشان ہیں اور تُو میٹھی نیند سو رہا ہے ۔بادشاہ نے اس شخص سے آپ لوگوں کا پتہ نشان پوچھا اور یہ تھیلیاں بطور ہدیہ بھیجی ہیں اور اس نے قسم دے کر کہا ہے کہ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو انہیں ضرور اطلاع دی جائے تا کہ وہ مزید رقم ارسال کرسکیں بادشاہ کے آدمی تسلیاں دے کر چلے گئے لیکن اس کے بعد یہ چاروں پھر مصر میں نہ ٹھہرے وہاں سے نکل گئے تا کہ دولت کے چکر میں دین کے علم سے محروم نہ ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی کمال سخاوت

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جب کبھی رقہ شہر میں جایا کرتے تھے تو ایک نوجوان ان سے آ کر ملا کرتا تھا اور وہ آ کر کبھی مسائل پوچھتا۔کبھی دوسری باتیں پوچھتا۔ایک مرتبہ جب

رقہ شہر جانا ہوا تو وہ نوجوان نہیں آیا اور نہ اس نے آ کر ملاقات کی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ آ کر ملاقات کیا کرتا تھا۔ وہ نظر نہیں آ رہا ہے وہ کہاں گیا؟

لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرضہ بہت ہو گیا تھا اور جس شخص کا قرضہ تھا اس نے اس کو گرفتار کرا دیا ہے۔ اس لئے وہ جیل میں ہے۔ ان کو بڑا دکھ ہوا۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کتنا قرضہ ہو گیا تھا؟

لوگوں نے بتایا کہ دس ہزار دینار پھر معلوم کیا کہ کس کا قرضہ تھا؟

لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص کا قرضہ تھا۔ چنانچہ آپ اس شخص کی تلاش میں نکلے۔ اور پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پہنچے اور جا کر اس سے کہا کہ ہمارا ایک دوست ہے۔ تمہارا قرضہ اس کے ذمے ہے جس کی وجہ سے وہ جیل میں ہے۔ میں وہ قرضہ تمہیں ادا کر دیتا ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ میرے سامنے وعدہ کرو اور قسم کھاؤ کہ میرے جیتے جی اس کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ قرضہ کس نے ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس نے قسم کھالی کہ میں نہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے دس ہزار دینار اس کو دے دیئے اور اسے کہا کہ اب اس کو رہا کرا دو۔ چنانچہ اس نے جیل جا کر اس کو رہا کرا دیا۔

جب وہ نوجوان جیل سے رہا ہو کر شہر میں آیا تو اس کو پتہ چلا کہ چند روز سے حضرت عبداللہ بن مبارک یہاں آئے ہوئے تھے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے کب نکلے ہیں؟

لوگوں نے بتایا کہ ابھی نکلے ہیں۔ چنانچہ وہ نوجوان آپ کے پیچھے دوڑا اور راستے میں آپ کو پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ تم جیل میں ہو؟

اس نے جواب دیا کہ ہاں میں جیل میں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرما دی انہوں نے پوچھا کہ کیسے نکلے؟ اس نوجوان نے کہا کہ بس اللہ تعالیٰ نے غیب سے کوئی فرشتہ بھیج دیا۔ اس نے میرا قرضہ ادا کر دیا۔ اس لئے مجھے رہائی مل گئی۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرو اور میں بھی تمہارے لئے دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہائی عطا فرما دے۔

وہ نوجوان بعد میں کہتے ہیں کہ ساری زندگی مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میرا قرضہ ادا کرنے والے عبداللہ بن مبارک ہیں۔ اس لئے کہ اس شخص نے عبداللہ بن مبارک کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں آپ کی زندگی میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ لیکن جب عبداللہ بن مبارک کی وفات ہو گئی اس وقت اس شخص نے مجھے بتایا کہ تمہاری رہائی کا سبب درحقیقت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے (تاریخ بغداد)

مثالی تاجر کی مثالی سخاوت

درج ذیل واقعات کلکتہ کے ایک ایسے دریادل فیروز نامی تاجر کے ہیں جو سستے زمانے میں کروڑ پتی ہونے کے باوجود ایسے رقیق القلب اور منفرد دل و دماغ کے مالک تھے اگر چہ ان کی تجارت موزے اور بنیان کی تھی لیکن انہوں نے یہ تجارت ایسی مثالی کی جو ہمارے لئے بھی مشعل راہ ہے اور پھر ان کا صدقہ خیرات اور خدمت خلق کا ایسا جذبہ جو منجانب اللہ عطا ہوا تھا وہ بھی مثالی ہے۔

ایک ہزار نہیں دس ہزار

ایک مولوی صاحب اپنے مدرسہ سکول کے چندہ کیلئے فیروز صاحب کے ہاں حاضر ہوئے مولوی صاحب سے انہوں نے ایک ہی سوال کیا کہ آپ کو کتنے روپے کی ضرورت ہے؟ انہوں نے اپنے والہانہ اور مفکرانہ انداز میں جواب دیا کہ جو کچھ آپ خوشی سے دے سکیں۔

فیروز صاحب کی سخاوت اور دریا دلی کی داد دینی پڑتی ہے۔ انہوں نے چیک بک مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے دی کہ جتنی رقم چاہیں درج کر دیں اور انہوں نے اس زمانے میں روپے کی قیمت کو دیکھتے ہوئے ایک ہزار روپیہ لکھا جسے دیکھ کر اس بادشاہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے جیب سے قلم نکال کر رقم کی داہنی جانب ایک صفر اور بڑھا کر دس ہزار کا چیک مولوی صاحب کے حوالے کر دیا۔

ایک صاحب کہتے ہیں میں فیروز صاحب کے پاس گیا تو ان کے پاس خالص چاندی سے تراشا ہوا ایک شاندار مسجد کا ماڈل رکھا ہوا تھا اس کی نوعیت معلوم کرنے کا طبیعت پر تقاضا تھا۔

خوش قسمتی سے مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کا ان کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔ ایک روز ان کی وساطت سے وہاں پہنچ گیا اور باتوں باتوں میں جب مساجد کا ذکر چھڑا تو میں نے دریافت کیا کہ یہ

نمونہ آپ نے کس غرض سے دکان میں سجا رکھا ہے اور اس کا موزہ بنیان کی تجارت سے کیا واسطہ ہے۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ جواب دیں مولانا ہی نے اس کی داستان سنانی شروع کر دی۔ جب جاپان میں مبلغین اسلام کی کوششوں کے نتیجے میں وہاں کے باشندوں کو اسلام سے وا۔تگی پیدا ہوئی تو ایک مسجد کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ پہلے تو زمین کا حصول ہی جوئے شیر لانے سے کم ثابت نہ ہوا۔ پھر دوسرا مرحلہ تعمیر کا تھا۔ ان لوگوں کے پاس اتنی رقم بھی موجود نہ تھی کہ متوسط درجے کی ایک مسجد تعمیر کرا سکیں۔ اس لئے ان ممالک سے جو جاپان کے ساتھ تجارت کرتے تھے ۔چندہ کرنے کی سبیل نکال گئی۔ سنگاپور اور رنگون میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو کلکتے کا رخ کیا اور ہوتے ہوتے یہ لوگ فیروز صاحب کے پاس پہنچے اور انہیں اس طرف توجہ دلائی۔

توانہوں نے مختلف سوالات کئے' عمارت کا نقشہ دیکھا اور اخراجات کا تخمینہ لگایا تو پتہ چلا پچاس ہزار صرف ہوگا جس میں سے اب تک دس ہزار کے لگ بھگ جمع ہو چکا ہے۔ فیروز صاحب نے دریافت کیا کہ آپ مجھ سے کتنی توقع رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی دانست میں بہت بڑھ چڑھ کر ایک ہزار کی رقم مانگی لیکن اس مرد مومن نے ساٹھ ہزار کا چیک ان کے حوالے کر کے کہا کہ آپ دوسروں کے چندے واپس کر دیں اور صرف اس روپے سے مسجد تعمیر کریں بلکہ اگر اس کی زینت اور سامان کے لئے مزید ضرورت ہو تو مجھے لکھیں۔

سستا زمانہ تھا اور جاپان تو قیمتوں کے لحاظ سے ارزاں ترین ملک مشہور تھا۔ سال بھر کے اندر ہی ایک عالیشان مسجد تعمیر ہو گئی اور منتظمین نے بچی ہوئی رقم سے اس کا نمونہ بنوا کر ان کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ اس کار خیر کی یادگار کے طور پر دکان کی زینت رہے۔

تجارت اور صداقت

ایک روز فیروز صاحب کی طرف گزر ہوا تو دیکھا کہ سڑک کے ایک جانب موزوں کا کئی فٹ اونچا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور اپنی پسند کی جرابیں چھانٹ کر لے جاتے ہیں۔ کوئی ایک جوڑا چھانٹ کر لے گیا کوئی دو تین۔ نہ کوئی دیکھنے والا نہ پوچھنے والا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ ایک جہاز یہ سامان لے کر جاپان سے آ رہا تھا۔ راستے میں باد و باراں کے طوفان نے اسے اس طرح گھیر لیا کہ

موزوں کی تمام پڑیاں نم ہو گئیں تھیں ہلکے ہلکے داغ بھی نمودار ہو گئے۔ لوگوں نے کہا کہ اس مال کو نصف قیمت پر فروخت کر دیجئے اور باقی خسارہ جہاز اور بیمہ کمپنی سے وصول کر لیجئے مگر انہوں نے فرمایا کہ میرا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا کہ میرے نام پر کوئی ناقص شے بازار میں بکے خواہ وہ کتنی سستی کیوں نہ ہو۔ انسان پہلے اپنا دامن صاف رکھے۔ تب کہیں اس کا نامہ اعمال صحیح ہو گا۔ چنانچہ اب کئی دن سے یہ مال غریبوں میں مفت تقسیم ہو رہا ہے اور اب بھی بہت کچھ باقی رہ گیا ہے۔

فیروز صاحب کے ابتدائی حالات

جو انہوں نے اپنے دوست کی درخواست پر خود سنائے کہ ابتدائے عمر میں ناداری اور تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا۔ مجبور ہو کر وطن چھوڑا اور بلا ٹکٹ بے سرو سامان کلکتہ پہنچ گیا۔ وہاں کچھ روز مانگ تانگ کے کچھ پیسے جمع کئے اور چورنگی پر کھڑے ہو کر موزے بیچنے لگا۔ رات کو فٹ پاتھ پر پڑ رہتا۔

ایک روز سردی زیادہ تھی۔ ہاتھ پاؤں اکڑنے لگے اور تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا کریں۔ دوران خون تیز کرنے کے لئے بھاگنے لگا۔ اندھیرے میں ٹھوکر لگی تو گر پڑا۔ سخت چوٹ لگی۔ اس حالت میں دیکھ کر ایک شریف انسان نے ہاتھ پکڑا اور اٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور حالات سے آگاہ ہو کر پیشکش کی کہ اب تم میرے ہی گھر رہو۔

فیروز صاحب جب یہ حالات بیان کر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں فرط جذبات سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ کہنے لگے کہ انہوں نے میرے ساتھ ایسی شفقت برتی کہ والدین کی یاد دل سے محو ہو گئی۔ ان کی اخلاقی اور مالی امداد سے میرے کاروبار میں بڑی ترقی ہوئی لیکن ان کا سب سے بڑا احسان' جو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ ہے کہ وہ مجھے گاہ بگاہ یاد دلاتے رہتے کہ تم کیا تھے اور اب خدا کی مہربانی اور عنایت سے کیا بن گئے۔ اس لئے ایک تو کبھی اللہ کو نہ بھولو اور دوسرے یاد رکھو کہ اس دنیا میں تمہاری طرح کے لاکھوں انسان ہیں جو تمہاری امداد کے مستحق ہیں اور خدا تعالٰی دیکھ رہا ہے کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔ وہ انسان کو دیکر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی۔ ناداری میں تو خدا خوب یاد آتا ہے لیکن صاحب ثروت ہونے کے بعد اکثر انسان مغرور ہو جاتے ہیں۔

سادگی فیروز صاحب کی دکان، وضع قطع، لباس اور طور طریق دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ لوگ انہیں کنگ کے لقب سے کیوں یاد کرتے ہیں۔ وہ بادی النظر میں متوسط طبقے کے کھاتے پیتے انسان معلوم ہوتے تھے۔

ان کی مثال برف کے اس تودے کی سی ہے جس میں صرف پانچواں حصہ پانی کی سطح سے اوپر دکھائی دیتا ہے اور باقی ۴/۵ پانی کے اندر چھپا رہتا ہے۔ ان کے زیر زمین گودام دیکھئے تو آپ کو ان کی دولت کا اندازہ ہوگا۔ نام تو یہ ہے کہ موزہ، رومال اور بنیان جیسی ناچیز اشیاء کی تجارت کرتے ہیں لیکن نہ صرف کلکتہ بلکہ تمام ہندوستان کی منڈیوں اور بازاروں پر ان کی اجارہ داری قائم ہے بلکہ لوگ انہی کی چھاپ کا مال لینا پسند کرتے ہیں۔

اللہ کی امداد

جاپان ایک صنعتی ملک ہے اور اس کی معیشت کا دارومدار صنعت پر ہے۔ دن رات کا کوئی گھنٹہ ایسا نہیں ہوتا کہ کارخانوں میں کام نہ ہوتا ہو۔ وہاں فیروز صاحب کا ایک آرڈر پہنچتا ہے تو اتنا مال سارے ملک سے اکٹھا کرنے کے بعد بھی کمی رہ جاتی ہے۔ ہمارے ہاں نکاسی کی یہ کیفیت ہے کہ اگر ان کا سامان لانے والے جہاز جن کی تعداد کم از کم دس بارہ ہوتی ہے ایک ہفتے کی تاخیر سے پہنچیں تو منڈیوں میں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

صفائی معاملات کی برکت

ایک اور صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ معاملات کے بڑے کھرے ہیں اور جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے ایمان ہے یا ڈنڈی مارتا ہے۔ اس سے لاکھوں تک کا کاروبار منقطع کر لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ لکھنو کے کسی تھوک فروش نے ان کو لکھا کہ کچھ عرصے سے جاپانی مال کی آمد میں کمی ہوگئی ہے جس کا اثر موزہ بنیان پر بھی پڑ رہا ہے۔ دوسرے تجار نے قیمتوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ اگر ہم بھی موزے کی قیمت میں ایک آنہ اور بنیان میں دو آنے کا اضافہ کر دیں تو طلب و رسد میں توازن پیدا ہو جائے گا اور قبل اس کے کہ کوئی جواب موصول ہوتا۔ اس تاجر نے من مانی قیمت وصول کرنی شروع کر دی۔ فیروز صاحب کو معلوم ہوا تو

انہوں نے اس تاجر کا نام ہمیشہ کیلئے اپنی فہرست سے خارج کر دیا اور اسے لکھا کہ منافع خوروں اور بے ایمانوں کا میری تجارت سے نہ کبھی واسطہ رہا ہے اور نہ آئندہ رہے گا۔

ایک دفعہ فیروز صاحب کے علم میں آیا کہ یتیم خانے میں رہنے والے بچوں کے پاؤں پھٹ جاتے ہیں اور بعض اوقات ان سے خون بہنے لگتا ہے اس لئے انہیں جاڑوں میں جرابوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے حکم دے دیا کہ ہر سال کافی تعداد میں موزے یتیم خانے کو مفت دیئے جائیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ملک کے تمام یتیم خانوں کی فہرست طلب کر کے سب کی ضروریات کے مطابق اسی قسم کا انتظام کر دیا۔

تقسیم زکوٰۃ کیلئے انوکھا طریقہ

زکوٰۃ تو اس زمانے کا ہر تاجر مسلمان بالالتزام نکالا ہی کرتا تھا لیکن اس کی تقسیم کا انتظام ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق کرتا تھا مثلاً اگر کوئی اپنی کل رقم سائلوں اور فقیروں کو دینا ثواب سمجھتا تو اس کے کھاتوں میں یتیم خانوں، تعلیمی اداروں یا غریب بیواؤں کا کوئی خانہ نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر دیوبند کی امداد کرتا تھا تو اسلامیہ کالج کے واسطے ایک پیسہ نہ نکالتا۔

لیکن فیروز صاحب نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنا ہی طریقہ ایجاد کیا تھا۔ انہوں نے اس غرض کیلئے ایک بڑے دیانتدار، متقی اور عمر رسیدہ مولوی صاحب کا تقرر کر رکھا تھا جن کا اس بھری پڑی دنیا میں کوئی رشتے دار نہ تھا۔ یہ صاحب کلکتے میں گھومتے پھرتے، لوگوں سے ملتے، اہل محلہ کے حالات معلوم کرتے اور دوسرے علاقوں کا بھی سفر کرتے جہاں وہ مسجدوں میں ٹھہرتے اور غربا و مساکین کا کھوج لگاتے، پھر خود ہی طے کرتے کہ کس کو کتنی رقم دی جائے اور آیا وہ نقد کی صورت میں ہو یا جنس اور کپڑے کی۔

ایک صاحب کہتے ہیں۔

کہ فطری تجسس مجھے ان مولوی صاحب کی خدمت میں بھی لے گیا۔ اول تو انہوں نے اس سلسلے میں کچھ بتانے سے ہی گریز کیا۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ حالات سے پردہ اٹھانے لگے اور یہ دیکھ کر

بڑی حیرت ہوئی کہ جس طرح قرآن میں گردن چھڑانے کیلئے یعنی غلام کو آزاد کرانے پر بہت زور دیا گیا۔ اسی طرح ان کا بھی دیرینہ تجربہ یہ تھا کہ ہم میں سب سے پریشان حال وہ شخص ہے جو سود کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ ایسے شخص کیلئے سب سے بڑی دشواری یہ ہوتی ہے کہ وہ کچھ زور بازو سے کماتا ہے وہ سودخور بنیا لے جاتا ہے اور اسے اور اس کے بیوی بچوں کو فاقہ کشی سے نجات نہیں ملتی۔ اس لئے وہ سب سے پہلے ایسے لوگوں کی گلوخلاصی کراتے مگر ساتھ ہی مصحف پاک پر ہاتھ رکھوا کر قسم دلواتے کہ وہ آئندہ کبھی سود کے چکر میں گرفتار نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ صدقات اور خیرات کی مدات جداگانہ تھیں جن میں قومی چندے' دینی مدارس' علی گڑھ یونیورسٹی' تعمیر مسجد' غریب گھرانوں میں شادی کے اخراجات اور عزیز و اقارب کی امداد شامل تھی۔ بعض اوقات تو ان کھاتوں کی ساری رقم چند مہینوں میں صرف ہو جاتی اور اگر انہیں اطلاع ہوتی تو اپنی جمع پونجی میں سے معتد بہ رقم اس کے حساب میں جمع کرا دیتے لیکن فراخدلی کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے کبھی یہ نہ کہا کہ جیب دیکھ کر خرچ کیا کرو یا آئندہ کے واسطے محتاط رہو۔

دوست کے ساتھ مثالی تعاون

ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ دوستوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک بڑا ہمدردانہ اور مخلصانہ تھا۔ ڈھاکہ کے ایک بڑے تاجر سے دیرینہ مراسم تھے۔ ان کا ایک بڑا کارخانہ تھا جس کی مصنوعات عام طور پر پسند کی جاتی تھیں اور ان کی مانگ روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ابنائے وطن (ہندو) اس صورت حال سے بے انتہا پریشان تھے۔ آخر ان سب نے مل کر نہ صرف یہ کہ ان کی فیکٹری میں ہڑتال کرادی بلکہ مشینوں کو بھی نذر آتش کرا دیا۔ ادھر ناد ہندوں نے آتی رقم بھی داب لی اور وہ دیوالیہ ہو کر نان شبینہ کے محتاج ہو گئے۔

فیروز صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ان کو کلکتہ بلوالیا اور اسی طرح ایک کارخانہ قائم کر کے اس کا مہتمم مقرر کر دیا۔ پھر چند سال بعد اس کی آمدنی مقررہ حد تک

پہنچ گئی۔توکل کا غذات ان کے حوالے کر کے خود دست کش ہو گئے۔

یہ تھے جناب فیروز صاحب اللہ پاک انکی حسنات کو قبول فرمائے اور انکی مغفرت فرمائے آمین۔(ماہنامہ محاسن اسلام شمارہ ۸۸)

تنگ دست مسلمانوں کے لئے سامان تسلی

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ میں تشریف فرما تھے' وہاں صرف ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے' جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات بن گئے تھے اور سرہانے کی جانب کچھ چمڑے لٹک رہے تھے' پائتی کی جانب ببول کی کچھ پتیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ ان چمڑوں کو ان سے دباغت دیا جا سکے۔حضرت عمرؓ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور عرض کرنے لگے!

اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ وغیرہ جو شرک و کفر میں مبتلا ہیں' خدا کی عبادت نہیں کرتے وہ تو چین و آرام سے زندگی بسر کریں اور آپ اس تنگی کی حالت میں' آپ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت عطا فرما دیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کمال ادب تھا کہ امت کی وسعت کے لئے دعا کی درخواست کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اے عمر بن خطاب! کیا تم ابھی تک شک میں پڑے ہوئے ؟''

''ان لوگوں کو ان کی لذیذ چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئیں''

مطلب یہ کہ تمام آسائش و آرام کفار کو دنیا ہی میں مل گیا ہے۔آخرت میں وہ محروم رہیں گے اور ہم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ

شمائل ترمذی میں ایک صحابی حضرت زاہر بن حرام اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ بہت خوبصورت انداز سے نقل کیا گیا ہے۔

یہ دیہات کے رہنے والے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیہاتی تحفہ لایا کرتے تھے، سبزی ترکاری وغیرہ جو بھی دیہات میں ان کو میسر ہوتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ لایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تحفہ بہت خوشی کے ساتھ قبول فرمالیا کرتے تھے اور یہ صورت وشکل کے اعتبار سے قبول صورت نہیں تھے لیکن ان کی سیرت اور کمال ایمان اعلیٰ درجہ کا تھا، جب یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دیہات واپس جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو کچھ تحفہ دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ مدینہ کے بازار میں حضرت زاہر اپنا سامان فروخت فرما رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے پیچھے کی طرف سے آکر اچانک ان کی آنکھوں کو بند کر کے دبالیا، اب ان کو تو نظر نہیں آیا، اور معلوم بھی نہیں کہ کون ہے...... ان کے ذہن میں یہ بات ہے کہ عام لوگوں میں سے کوئی ہے... زور زور سے شور مچا کر کہنے لگے کہ یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو، پھر کن انکھیوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو بجائے چھوڑ دو کہنے کے اپنی پیٹھ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے چپکا دیا کہ محبوب حقیقی کے سینے سے میرے بدن کا لگ جانا خیر و برکت ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے اس بندے کو کون خریدے گا؟ حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! اگر آپ مجھے بیچیں گے تو نہایت گھاٹا ہوگا اس لئے کہ مجھ جیسے بدصورت کو بیچنے سے کیا پیسہ مل سکے گا اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ اللہ کے یہاں کم قیمت اور سستے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک آپ بڑے قیمتی ہیں۔ (شمائل ترمذی)

اس واقعہ سے ہر شخص کو عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ اور اس کے

رسول کی محبت کا مدار انسانوں کے دلوں پر ہے جس نے تقویٰ کا اعلیٰ مقام حاصل کرلیا ہے اس نے حب خدا اور حب رسول کا بھی اعلیٰ مقام حاصل کرلیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کالے تھے مگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسامہ سے محبت سب سے زیادہ تھی۔

اہل عرب کی کمال سخاوت

اصمعی نامی ایک شخص کہتا ہے ۔

میں ایک سخی آدمی کے پاس اکثر و بیشتر جاتا رہتا تھا مگر ایک دن جب میں اس کے گھر گیا تو دروازے پر مجھے ایک دربان نظر آیا۔ جس نے مجھے اندر جانے سے روک دیا اور پھر بولا۔

اے اصمعی! قسم خدا کی اس نے مجھے اپنے دروازے پر تم جیسے لوگوں کو روکنے کیلئے صرف اپنی خستہ حالی اور کم مائیگی کی وجہ سے کھڑا کیا ہے۔ تو میں نے ایک رقعہ پر لکھا۔

جب سخی کے دروازے پر دربان مقرر ہو جائے۔ تو پھر بخیل اور سخی میں فرق کیا رہ جائے؟

میں نے یہ رقعہ دربان کو دیا کہ میرا یہ رقعہ اندر پہنچا دو۔

اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے ساتھ وہی رقعہ واپس لایا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا۔

سخی کے پاس دینے کیلئے جب مال نہ ہو تو قرض خواہوں سے بچنے کیلئے دربان ہی رکھنا پڑتا ہے۔

اور اس رقعہ کے ساتھ ایک تھیلی تھی جس میں پانچ سو دینار تھے۔ میں نے کہا قسم خدا کی میں یہ خبر امیر المومنین تک ضرور پہنچاؤں گا۔

میں امیر المومنین کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

کہاں سے آرہے ہو اے اصمعی؟ میں نے کہا

ایک آدمی ہے۔ جس نے علم اور مال دونوں سے میری ضیافت کی ہے۔ پھر میں نے وہ رقعہ اور تھیلی انہیں تھما دیئے۔ تھیلی دیکھ کر ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اور وہ بولے۔

اس پر تو میرے بیت المال کی مہر لگی ہوئی ہے۔ جس آدمی نے تمہیں یہ تھیلی دی ہے اسے میرے پاس حاضر کرو۔

میں نے کہا قسم خدا کی امیر المومنین مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ کے قاصد اس کے پاس بھیج کر اسے خوف زدہ کر دوں۔ تو انہوں نے اپنے ایک مقرب آدمی سے کہا۔

اصمعی کے ساتھ جاؤ اور جب اس آدمی کو دیکھو تو اس سے کہو بغیر کسی مزاحمت یا پریشانی کے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ پھر جب وہ آدمی آ گیا تو اس سے کہا۔

کیا تم وہی نہیں جس نے اس وقت جب ہمارا جلوس گزر رہا تھا ہم سے اپنی خستہ حالی کا شکوہ کیا تھا اور ہم نے تمہیں یہ تھیلی دی تھی۔ اور پھر جب اصمعی تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے ایک شعر کے جواب میں یہ تھیلی اسے دے دی۔ تو وہ آدمی بولا۔

قسم خدا کی جس وقت میں نے امیر المومنین سے اپنی خستہ حالی اور تنگی کا شکوہ کیا تھا تو میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ لیکن اپنے گھر آئے ضرورت مند کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے مجھے شرم آئی اور میں نے چاہا کہ میرے گھر پر آیا ہوا ضرورت مند ایسے ہی لوٹے۔ جیسے آپ نے مجھے لوٹایا تھا۔

تو امیر المومنین نے اس سے کہا۔ قابل تعریف ہو تم۔۔۔ تم سے زیادہ سخی عرب قوم نے پیدا ہی نہیں کیا پھر اس کیلئے ایک ہزار دینار کا حکم دیا۔

اصمعی کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا میرا حصہ بھی پورا کر دیں یا امیر المومنین۔ تو وہ مسکرائے اور حکم دیا کہ میرے ایک ہزار دینار پورے کر دیئے جائیں۔ اور اس آدمی کو انہوں نے اپنے رفقاء میں شامل کر لیا۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کا زہد وتقویٰ

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ھ) نے آپ کے زہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ ذکر کیا ہے آپ بھی سنئے۔ لکھتے ہیں۔

''حضرت ربیع پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے آپ تکلیف میں رہنے لگے۔ ایک دفعہ آپ کو مرغی کا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی۔ آپ نے چالیس دن تک اس خواہش کو دبائے رکھا، ایک دن اپنی اہلیہ سے فرمایا چالیس دن سے مرغی کا گوشت کھانے کو جی چاہ رہا تھا، لیکن میں نے اپنے جی کو روکے رکھا کہ شاید رک جائے، لیکن

جی نہیں مانا، اہلیہ نے عرض کیا سبحان اللہ یہ کون سی ایسی چیز تھی جس سے آپ نے اپنے جی کو روکے رکھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے۔ خیر اہلیہ نے بازار سے ایک درہم اور دو دانق کی مرغی منگوا کر ذبح کی اور اسے اچھی طرح سے بھونا، روغنی روٹیاں پکائیں، دستر خوان لگایا اور آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک سائل آیا اور اس نے یہ صدا لگائی۔

"تصدقوا علیھا بارک اللہ فیکم" خیرات دو اللہ برکت دے گا۔

آپ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور بیوی سے فرمایا یہ کھانا دستر خوان میں رکھ کر سائل کو دے دو، اہلیہ نے کہا سبحان اللہ، فرمایا جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔

اہلیہ نے عرض کیا کہ میں سائل کو اس سے بہتر اور اس کی پسندیدہ چیز دے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ عرض کیا کہ اس کی قیمت، فرمایا تم نے بہت اچھی بات کہی، جاؤ قیمت لے آؤ، وہ قیمت لے آئیں۔ آپ نے فرمایا یہ قیمت بھی دستر خوان میں رکھ لو اور کھانا اور قیمت دونوں سائل کو دے آؤ۔" (صفوۃ الصفوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انداز سخاوت

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴/۱۹۷۴ء) رقم طراز ہیں۔

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جب کوئی سائل آتا اور دعائیں دیتا جیسا کہ سائلین کا طریق ہے۔

تو ام المومنین بھی اس فقیر کو دعائیں دیتیں اور بعد میں کچھ خیرات دیتیں، کسی نے کہا اے ام المومنین آپ سائل کو صدقہ بھی دیتی ہو اور جس طرح وہ آپ کو دعا دیتا ہے آپ بھی دعا دیتی ہو۔ فرمایا کہ اگر میں اس کو دعا نہ دوں اور فقط صدقہ دوں تو اس کا احسان مجھ پر زیادہ رہے گا، اس لئے کہ دعا صدقہ سے کہیں بہتر ہے اس لئے دعا کی مکافات دعا سے کر دیتی ہوں تا کہ میرا صدقہ خالص رہے۔ کسی احسان کے مقابلے میں نہ ہو۔" (سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی دریا دلی

''حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۸ھ) صوفیاء کرام میں جس مقام بلند کے حامل ہیں وہ کسی پڑھے لکھے شخص سے مخفی نہیں، آپ ۵۶۰ھ میں اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے اشبیلیہ منتقل ہوئے وہاں آپ کسی بادشاہ کے منشی کا کام کرتے تھے، لیکن پھر زہد کا غلبہ ہوا اور تمام دنیوی مشاغل چھوڑ کر یادِ خدا میں مصروف ہوگئے، بادشاہ نے ان کو ایک گھر تحفے میں دیا تھا جس کی قیمت اس وقت ایک لاکھ درہم تھی، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی سائل آگیا اسے دینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں تھا، چنانچہ وہ گھر اسے صدقہ کر دیا۔'' (جہان دیدہ)

باب سوم

صدقہ وخیرات کی برکات

اسلام میں صدقہ کی فضیلت واہمیت

عہد رسالت اور خیر القرون میں

صدقہ وخیرات کا ذوق وشوق

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی فضیلت

صدقہ کی بے شمار اقسام کہ ہر نیکی

صدقہ ہے

احادیث مبارکہ کی روشنی میں صدقہ کی فضیلت و برکات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نفس سے ابتداء کر اور اس پر صدقہ کر۔ (رموز الحقائق)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اور آگ کے درمیان پردہ قائم کرو اگرچہ کھجور کا کچھ حصہ صدقہ کرنے سے ہی کیوں نہ ہو۔ (طبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! خرید لو اللہ سے اپنے نفسوں کو اگر ایک تمہارا اس بات سے بخل کرتا ہے کہ وہ اپنا مال لوگوں کو دے اُسے چاہیے کہ پھر وہ اپنے نفس پر صدقہ کرے اسے چاہیے کہ اللہ نے اس کو جو رزق دیا ہے اس میں سے خود کھائے اور پہنے (یعنی اچھا کھائے اور اچھا پہنے)۔'' (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور کپڑا پہنو بغیر کسی بخل کے اور بغیر کسی اسراف کے بے شک اللہ سبحانہ پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے کے جسم پر بھی ظاہر ہو اور دیکھا جائے۔'' (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے بچنے کے لیے) اور صدقہ غلطی اور گناہ کو مٹاتا ہے اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کرنا آدھی رات کے بعد اس کے ساتھ اللہ کی رضا طلب کی جاتی ہے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت تم لوگ صدقہ ضرور دو اگرچہ تمہارے زیور کا ہی کیوں نہ ہو اور استغفار کی ضرور کثرت کرو میں نے تم لوگوں کو کثرت کے ساتھ جہنم میں دیکھا ہے ان میں سے ایک عورت نے جو کہ ذرا مضبوط اور پکی

عقل والی تھی، پوچھا کہ یارسول اللہ! ہمیں کیا ہوا کیوں ہم جہنم میں زیادہ دیکھی گئیں، آپ نے جواب دیا تم عورتیں کثرت کے ساتھ لعنت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو حالانکہ نہیں ہے کوئی ناقص عقل اور ناقص دین والی جو صاحب عقل پر زیادہ غالب ہو تم سے، اس عورت نے کہا یارسول اللہ! ہمارے دین اور عقل کی ناقص (ادھورا) ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دو عورتوں کی شہادت برابر ہے ایک آدمی کی شہادت کے۔ (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے زمین خرید کی جس نے خریدی تھی اس کو اس زمین کے اندر سے سونے کا ایک مٹکا ملا چنانچہ اس نے فروخت کرنے والے کے پاس جا کر بتایا کہ تیری زمین کے اندر سے سونا ملا ہے آپ یہ اپنا سونا لے لیجئے مجھ سے اس لیے کہ میں نے آپ سے زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا جس نے زمین فروخت کی تھی اس نے کہا اللہ کے بندے میں نے تو تجھے زمین بیچ دی اب اس کے اندر جو کچھ تھا وہ تیرا ہے مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے (لہٰذا جب دونوں اس سونے کو ایک دوسرے کا حق سمجھ کر نہیں لے رہے تھے) دونوں اس بات کا فیصلہ ایک عقل مند آدمی کے پاس لے گئے (اس نے دونوں کی بات سننے کے بعد) پوچھا کہ تم دونوں کی اولاد ہے؟ ایک نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ہے، دوسرے نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے اس نے فیصلہ کیا کہ دونوں باہم رشتہ کرلو اور تم لوگ مل کر یہ اپنے اوپر خرچ کرلو اور صدقہ بھی کرو۔'' (بخاری)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کو لکھنے والے، اس کی گواہی دینے والوں پر جب کہ وہ اس کو جانتے ہوں اور گودنے والی اور گودوانے والی پر (یعنی جو عورتیں جسم کو گود کر نیل بھرتی ہیں یا بھرواتی ہیں خوبصورتی کے لیے) صدقہ اور زکوٰۃ روک لینے والا، ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ واپس پھر جانے والا یہ سب ملعون ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر قیامت کے دن تک۔'' (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ دیکر رزق طلب کرو۔ (الدر المنثور)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونچا سننے والے کو سنانا بھی صدقہ ہے۔ (الکنز)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ دے اور گن مت ورنہ اللہ بھی تجھ کو گن کر دیگا۔ (النسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ تنگدست کا صدقہ کرنا ہے اور جس

کا خرچ تیرے ذمہ ہے اس سے شروع کر۔ (الدارمی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی کو روپیہ دے یا چوپائے پر سوار کرے۔ (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ خفیہ طور پر صدقہ دینا اور تنگدست پر صدقہ کرنا ہے۔ (الاتحاف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ اپنی زبان کو (برے الفاظ سے) محفوظ رکھنا ہے۔ (الدیلمی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر صدقہ پانی پلاتا ہے۔ (النسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر صدقہ وہ ہے جو ماہ رمضان میں کیا جائے۔ (الخطیب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز نور اور روشنی ہے' روزہ جہنم سے بچنے کی ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کی آگ کو بجھاتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے اور حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔'' (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔'' (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذیت کی چیز راستہ سے ہٹا دے یہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ (احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ صدقہ کی وجہ سے ستر برائیوں کی مرداری دفع کرتا ہے۔ (ابن حبان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رات کی نماز کی فضیلت دن کی نماز پر ایسے ہے جیسے چھپ کر صدقہ دینے کو ظاہر اور علانیہ صدقہ دینے پر ہے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے ہر جوڑ کے ذمے صدقہ کرنا واجب ہے ہر دن جو سورج طلوع کرتا ہے فرمایا کہ دو انسانوں کے درمیان جو عدل کرے وہ صدقہ

ہے' جو آدمی دوسرے آدمی کی اعانت کرے اور اس کو جانور پر بٹھا لے یہ صدقہ ہے یا سوار کو اس کا سامان سواری پر اُٹھا کر دے دے یہ بھی صدقہ ہے' پاکیزہ کلمہ کہنا صدقہ ہر قدم جو نماز کی طرف چلے وہ صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹالے یہ بھی صدقہ ہے۔'' (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے' لوگوں نے کہا کہ اگر ہر مسلمان کو صدقہ کرنے کے لیے کچھ میسر نہ ہو' فرمایا پھر اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کرے جس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے' لوگوں نے پوچھا اگر کوئی شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھے کہ وہ خود کچھ کر سکے' فرمایا کہ پھر اعانت کرے' صاحب حاجت مجبور و مظلوم کی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اگر کوئی یہ بھی نہ کر سکے فرمایا کہ پھر وہ صرف خیر کے کام کرنے کا کہے یا یوں فرمایا تھا کہ معروف اور اچھے کام کرنے کے لیے لوگوں نے کہا کہ اگر کوئی یہ بھی نہ کر سکے تو پھر وہ خود برائی سے بچ جائے' بے شک یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔'' (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل صدقہ یہ ہے کہ تم بھوکے جگر والے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔'' (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی صدقہ کرنے کے لیے عطیہ کرنے کا دروازہ کھولتا ہے یا صلہ رحمی کے لیے تو اللہ تعالیٰ اس کی کثرت کو اور زیادہ کرتا ہے اور جو آدمی روکنے کا دروازہ کھولتا ہے جس سے وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ مال زیادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قلت کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا کو باقی رہنے دے (یعنی انسان بے ضرورت رہے کسی کا دست نگر نہ ہو جائے) اس لیے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے اور خرچ کرنے کی ابتداء ان افراد پر سے کیجئے جن کی آپ ذمہ داری لیتے ہیں تمہاری بیوی کہے گی کہ یا تو مجھ پر خرچ کیجئے یا مجھے طلاق دیجئے اور تمہارا خادم کہے گا یا تو مجھ پر خرچ کیجئے یا مجھے فروخت کر دیجئے اور تمہارا بیٹا کہے گا کہ آپ مجھے کس کے حوالے کریں گے؟'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر اور کمتر نہ سمجھے (ہدیہ دینے کے معاملے میں بلکہ صدقہ ہدیہ دو) اگرچہ بکری کی کھری ہی کیوں نہ ہو۔'' (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر اچھا کام صدقہ ہے اور ہر وہ مال جو آدمی خرچ کرے اپنے اہل پر اس کیلئے صدقہ لکھا جائے گا اور وہ جس کیساتھ اپنی عزت کی حفاظت کرے اسکے لیے صدقہ لکھا جائیگا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اسکا کیا مطلب ہے؟ وہ چیز جس کیساتھ اپنی عزت بچائے' فرمایا کہ مثال کے طور پر جو کچھ شاعر کو دے اور اسکی زبان سے بچنے کیلئے۔" (مصنف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور وہ منبر پر تشریف فرما تھے اور صدقہ کا اور سوال کرنے سے اجتناب کرنے کا ذکر فرما رہے تھے فرمایا اوپر والا ہاتھ (خرچ کرنے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔" (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ کیا کرو اور اپنے بیمار کا علاج کیا کرو صدقہ کے ساتھ بے شک صدقہ دفع کرتا ہے حادثات کو اور بیماریوں کو اور تمہارے اعمال میں اور تمہاری نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے۔" (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے مالوں کی حفاظت زکوٰۃ کے ساتھ کرو اور اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو اور مصائب کو دور کرو دعا کے ساتھ۔" (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے شب معراج میں جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا تھا کہ صدقہ اپنے دس مثلوں کے ساتھ ہوگا اور قرضہ اٹھارہ کے ساتھ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبریل امین سے کہا قرض کا کیا حال ہے؟ کیا وہ صدقہ سے افضل ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: بے شک سائل مانگتا ہے اور اس کے پاس (ہو یا نہ ہو) اور قرض لینے والا ضرورت اور مجبوری کے بغیر قرض نہیں مانگتا۔" (مصنف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض دینا صدقہ کے قائم مقام ہے۔ (الکنز)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ (المغنی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ غضب خدا کو بجھاتا اور گناہ کی برائی کو دور کرتا ہے۔ (الترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ سائل کے ہاتھ سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں جا پڑتا ہے۔ (الکنز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سات شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے سایہ تلے رکھے گا جس دن اس کے سائے کے بغیر کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ انصاف

پرور امام (خلیفہ بادشاہ) اور وہ جوان جس نے اللہ کی اطاعت میں پرورش پائی اور وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق رہتا ہے اور وہ دو آدمی جو اللہ کے واسطے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اسی محبت پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اسی محبت پر ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں اور وہ شخص جو اللہ کا ذکر کرتا ہے خلوت میں بیٹھ کر اور اس کی آنکھیں اللہ کی یاد سے بہنے لگتی ہیں اور وہ شخص جس کو کوئی خوبصورت عورت صاحب حسن و جمال اور صاحب حسب و نسب گناہ کے لیے بلاتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (گناہ کرنے سے) اور وہ شخص جو صدقہ کرتا ہے اور اس کو چھپاتا ہے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔'' (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پوشیدہ صدقہ دینا خدا کے غضب کو بجھاتا ہے۔ (مجمع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل صدقہ زبان کا صدقہ ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! زبان کا صدقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ سفارش کرنا جس کے ذریعے قیدی چھڑ لیا جائے جس کے ذریعے خون محفوظ ہو جائے جس کے ذریعے اچھائی واحسان اپنے مسلم بھائی تک پہنچایا جائے۔'' (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ اس وقت دینا چاہئے جب خود محتاج نہ ہو۔ (وابن خزیمہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بداخلاقی نحوست و بدشگونی ہے اور حسن ملکہ بڑھوتری ہے اور صدقہ بری موت کو مٹاتا ہے۔'' (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اہل بیت کے لئے صدقہ حلال نہیں۔ (ابن سعد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک صدقہ میں سے ہے کہ آپ لوگوں پر سلام کریں اور آپ کا چہرہ چمک رہا ہو۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا اور نہیں زیادہ کرتا اللہ عفو و درگزر سے مگر اس کے بدلے میں اور عطا کرتا ہے اور نہیں عاجزی کرتا کوئی شخص اللہ کے لیے مگر اللہ اس کو بلند کر دیتا ہے۔'' (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس مال کی اصل اپنے پاس رکھے اور اس کے منافع کا صدقہ کرے۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ صدقہ کسی مال سے کمی نہیں کرتا اور اللہ معافی کی وجہ سے بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے جو بھی بندہ اللہ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ اس کو بلند کر دیتا ہے۔'' (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ بے شک مسلمان جب اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے اور وہ اس میں ثواب کی نیت کرتا ہے تو یہ خرچ کرنا اس کیلئے صدقہ بن جاتا ہے۔'' (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی کے چہرہ پر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ (مشکوۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر انسان اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا یہاں تک کہ لوگوں میں فیصلہ کر دیا جائے۔ (الحاکم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک کام جو تو نے کسی غنی یا فقیر کیلئے کیا وہ صدقہ ہے۔ (تذکرۃ)

حضور صلی اللہ عایہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک قرض دینا صدقہ ہے۔ (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے جو کچھ اپنے اہل کیلئے خرچ کیا وہ ان پر صدقہ ہے۔ (الجامع)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیکی صدقہ ہے۔ (البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر اچھا کام کرنا صدقہ ہے اور جو چیز انسان اپنی ذات پر اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے وہ بھی اس کے لیے صدقہ لکھا جاتا ہے اور وہ مال جس کے ذریعے وہ اپنی عزت بچاتا ہے اس کے بدلے میں بھی اس کے لیے ایک صدقہ لکھا جاتا ہے اور ہر وہ خرچ جو مؤمن کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے اس کے پیچھے اور دینے کی ضمانت ہے ہاں مگر اس پر ضمانت نہیں جو کچھ کسی گناہ کے کام میں خرچ کرے یا کسی عمارت بنانے میں خرچ کرے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ دینے کا حکم فرماتے اور مانگنے سے منع فرماتے۔ (طبرانی)

فرمایا کہ جو کچھ دو آدمیوں میں فیصلہ اور عدالت کرتا ہے یہ صدقہ ہے اور پاکیزہ بات کہہ دینا صدقہ ہے اور نماز کی طرف ہر قدم جو چلتا ہے وہ صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دینا صدقہ ہے۔'' (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل صدقہ آپس میں اصلاح کروانا ہے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ عایہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوایوب کیا میں آپ کو خبر نہ دوں اس چیز کے

بارے میں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اجر کو بہت بڑا کر دیتے ہیں اور جس کے ساتھ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں وہ جو لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے چلے جب وہ باہم بغض کا شکار ہو جائیں اور آپس میں فساد برپا کریں' یہ کام کرنا صدقہ ہے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو پسند فرماتے ہیں۔" (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں ان میں سے ہر جوڑ کے بدلے میں صدقہ کرنا ہوتا ہے کہتے ہیں کہ پوچھا گیا یا رسول اللہ! جو شخص اتنے صدقات کی استطاعت نہ رکھے؟ فرمایا: کیا کوئی ایک تم میں سے یہ بھی نہیں کر سکتا کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے اور اگر مسجد میں کوئی تھوکے تو اس کو دفن کر دے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بے شک چاشت کے وقت کی دو رکعتیں ان سب چیزوں کے بدلے میں کفایت کریں گی۔" (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسلمان پر ہر دن میں صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اس کی کون طاقت رکھے گا؟ فرمایا کہ تیرا اسلام کرنا کسی آدمی کو یہ صدقہ ہے تیرا راستے سے تکلیف دہ شئی کو ہٹانا صدقہ ہے' تیرا مریض کی عیادت کرنا صدقہ ہے' پریشان حال کی فریاد سننا تیرا یہ صدقہ ہے' تیرا راستے کی رہنمائی کرنا صدقہ ہے اور ہر اچھائی صدقہ ہے۔" (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جو کچھ اپنی عورت کو دے وہ صدقہ ہے۔ (الصحیح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ سے بہتر علاج کسی مریض کا نہیں کیا گیا۔ (الکشف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے علم پھیلانے سے بہتر کوئی صدقہ نہیں کیا۔ (مجمع)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر اللہ سے بہتر کوئی صدقہ نہیں۔ (الاوسط)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے مدارات اور عزت سے پیش آنا صدقہ ہے۔ (ابن حبان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کے ساتھ بیابان میں چلنا صدقہ ہے۔ (الکنز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے اس کے لیے ہر روز ایک صدقہ ہوگا جب تک کہ ادائیگی کا وقت نہ آ جائے جب قرضہ کی ادائیگی کا وقت آ جائے اگر وہ بعد میں پھر مہلت دیتا ہے اس کے لیے ہر روز اسی کی مثل صدقہ ہوگا۔" (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تنگدست کو مہلت دی اس کیلئے وہ ہر روز کا صدقہ ہے۔ (الصحیح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے جسم کے کسی حصہ سے صدقہ کیا اسکو اتنا دیا جائیگا۔ (الجامع)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک درہم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہ ایسے کہ) ایک شخص کے پاس بہت سارا مال تھا، اس نے اپنے سامان میں سے ایک لاکھ نکال کر صدقہ کر دیا اور دوسری طرف ایک شخص کے پاس کل دو درہم تھے اس نے ان میں سے ایک نکال کر صدقہ دیا۔'' (نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسکین پر صدقہ کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور کسی رشتہ دار پر صدقہ کرنے میں دو ثواب ہیں، ایک صدقہ کا اور ایک صلہ رحمی کا۔'' (نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق بات کہنے سے زیادہ کوئی صدقہ نہیں ہے۔ (رواہ البیہقی فی الشعب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے۔ اگر صدقہ دینے کے لئے پاس کچھ نہ ہو تو کوئی کام ہاتھ سے کرے اور اس سے پہلے اپنے آپ کو نفع پہنچائے پھر صدقہ دے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس کو بھلائی کی بات بتائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو برائی کرنے سے بچے کیونکہ یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے شیریں کلامی کے ساتھ بات کرنا صدقہ ہے۔ کسی کام میں اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو پانی کا ایک گھونٹ پلانا بھی صدقہ ہے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعلیٰ ترین صدقہ یہ ہے کہ ایک مسلمان علم سیکھے اور دوسرے مسلمان کو سکھائے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمدہ ترین صدقہ سفارش کرنا ہے جس سے کوئی قیدی قید سے چھوٹ جائے یا کسی آدمی کا خون معاف ہو جائے۔ یا کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے یا کسی کی تکلیف رفع کی جائے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے علم ہو اسے چاہئے کہ اپنے علم سے صدقہ کرے۔ (الکنز)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو بغض رکھنے والے رشتے دار کو دیا جائے۔ (حاکم وطبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کا اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ یا انسان کھاتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ غنی اور قوی جثہ یعنی کمانے والے کیلئے لینا حلال نہیں۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کر کے رجوع مت کرو۔ (ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز بغیر وضو قبول نہیں اور صدقہ مال خیانت سے مقبول نہیں۔ (البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی مدارات کرنا بھی صدقہ میں داخل ہے۔ (الطبرانی فی الکبیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جس چیز سے اپنی عزت کو بچاتا ہے وہ اس کیلئے بمنزلہ صدقہ کے ہے۔ (ابوداؤد والطیالسی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ میں کسی چیز کا صدقہ کرتا ہوں اور کسی سے احسان کرتا ہوں جس سے میرا ارادہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی ہوتا ہے اور لوگوں کی طرف سے تعریف کا بھی ہوتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اللہ تعالیٰ ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں غیر اللہ کو شریک کیا گیا ہو۔ (الدر المنثور)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے کوئی غلام آزاد کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین کو صدقہ کے طور پر دے دیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا، ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار پر ملے گا جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا۔'' (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں سب سے افضل صدقہ نہ بتاؤں؟ (سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ) تمہاری بیٹی (مطلقہ ہو کر) تمہارے پاس لوٹا دی جائے، تمہارے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو (اور تم اس کی کفالت کرو)'' (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں جسکا درجہ نماز اور روزہ اور صدقہ سے

زیادہ بلند ہے۔ وہ آپس میں اتفاق رکھنا ہے اور آپس میں نفاق رکھنا برباد کرنیوالا ہے۔ (سنن ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا تبسم کرنا اپنے (مسلمان) بھائی کے سامنے (تاکہ وہ مسرور و مانوس ہو جائے ثواب میں مثل) صدقہ کے ہے اور تیرا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا (بالمعنی المذکور) صدقہ ہے اور تیرا راستہ بتلا دینا کسی شخص کو راہ بھٹکنے کی جگہ میں تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا پتھر اور کانٹے اور ہڈی کو راستے سے ہٹا دینا تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا پانی ڈال دینا اپنے ڈول سے اپنے بھائی (مسلمان) کے ڈول میں تیرے لئے صدقہ ہے۔ (کنوز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب انسان مر جاتا ہے تو اسکے عمل کا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگوں کو نفع ہو تیسرے نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی رہے"۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینے میں سبقت لے جایا کرو۔ یعنی شوق سے صدقہ دیا کرو کیونکہ اس سے بلائیں جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بری موت سے بچاتا ہے اور صلہ رحمی عمر کو زیادہ کرتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانو! اپنے مال کو زکوٰۃ دیکر محفوظ کرو اور اپنے بیماروں کا علاج خیرات سے کیا کرو اور مصیبت کی لہروں کا مقابلہ دعاؤں سے کرتے رہو۔ (رواہ البیہقی فی الشعب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانو! خیرات کیا کرو۔ کیونکہ خیرات کرنا اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاتا ہے۔ (الطبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی اشاعت کرنا۔ نیک اولاد چھوڑ جانا۔ مسجد یا مسافر خانہ بنانا قرآن مجید ورثہ میں چھوڑ جانا نہر جاری کرنا اور جیتے جی تندرستی کی حالت میں اپنے مال میں سے خیرات کرنا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو ملتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا عمر کو دراز کرتا ہے اور چھپا کر خیرات کرنا خدا کے غصہ کو فرو کرتا ہے۔ (رواہ القضاعی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی حیات میں ایک درہم خیرات کرنا مرنے کے وقت سو درہم کے خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیرات کرنے میں (حتی الامکان) جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگے نہیں بڑھنے پاتی (بلکہ رُک جاتی ہے)۔ (رزین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے خیرات کرے گا اور اللہ تعالیٰ پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے (داہنے ہاتھ کا مطلب اللہ ہی معلوم ہے) پھر اس کو بڑھاتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا خواہ آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے خواہ ثواب بڑھتا رہے۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں جوڑا چیزیں خیرات کیا کرے تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو۔ (مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اگر گھر کے کھانے میں سے بغیر اسراف کے کوئی چیز خیرات کردے تو اس کو اجر تو اس وجہ سے ملے گا کہ اس نے خیرات کیا اور اس کے شوہر کو بھی اجر اس وجہ سے ملے گا کہ اس نے کمایا۔ (مشکوٰۃ)

حلال مال سے دیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقہ میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا ہے اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہی ایک کھجور اُحد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی خالق و رازق ہے انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا بے علم بے کان بے آنکھ بے طاقت نکلتا ہے پھر خدا تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے مال بھی، ملکیت بھی، کمائی بھی،

تجارت بھی، غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے دو صحابیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! سر ہلنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا پھر رب تعالیٰ ہی اسے روزیاں دیتا ہے وہ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا پھر قیامت کے دن زندہ کرے گا خدا تعالیٰ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو ان میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا ان کاموں میں سے ایک بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تنہا خالق رازق اور موت زندگی کا مالک ہے وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو جلا دے گا اس کی مقدس منزہ معظم اور عزت وجلال والی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو یا اس جیسا ہو یا اس کے برابر ہو یا اس کی اولاد ہو یا ماں باپ ہوں وہ احد ہے صمد ہے فرد ہے ماں باپ سے اولاد سے پاک ہے اس کی کفو کا کوئی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دیندار فقراء جنت کے بادشاہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے، وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی، وہ اگر کسی بڑے گھرانے میں مانگا ڈالیں تو وہاں کی بیٹی انہیں نہیں ملتی ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتے جاتے ان کی حاجتیں اور ان کی امنگیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے وہ خود ہی فوت ہو جاتے ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں انہیں قیامت کے دن اس قدر نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کو کافی ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار میں ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر و ذلیل سمجھے جاتے ہیں کل قیامت کے دن تخت وتاج والے ملک ومنال والے، عزت وجلال والے بنے ہوئے ہوں گے باغات میں، نہروں میں، نعمتوں میں، راحتوں میں مشغول ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سب سے

زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ ہے جو مومن ہو کم مال والا، کم جانوں والا، نمازی، عبادت واطاعت گزار، پوشیدہ وعلانیہ مطیع ہو، لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو، اس کی جانب انگلیاں نہ اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹکی بجا کر فرمایا: اس کی موت جلدی آ جاتی ہے اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے اس پر رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں جو اپنے دین کو لئے پھرتے ہیں جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں یہ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صدقہ وخیرات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا... خیرات کیا کرو کہ صدقہ تم کو دوزخ کی آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہے۔ (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کسی شخص کی روح سے ملائکہ نے ملاقات کی تو ملائکہ نے دریافت کیا تو نے کوئی بھلائی کی اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا یاد کر تو لوگوں کو ادھار سودا دیا کرتا تھا اور تو نے اپنے کارندوں سے کہا تھا کہ تنگ دست کو مہلت دیدیا کرو اور مالدار سے درگزر کیا کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بھی درگزر کرو۔ (بخاری)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں گناہوں کو مٹا دینے والی ہیں کھانا کھلانا، سلام پھیلانا اور جب لوگ سوئے پڑے ہوں اس وقت نماز پڑھنا (حاکم)

ایک روایت میں ہے بخشش کے اسباب میں سے بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا ہے)

بخیل

ایک بخیل آدمی نے گھر خریدا اور اس میں منتقل ہو گیا۔ پہلے ہی دن ایک فقیر نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے کہا۔ یَفۡتَحِ اللّٰہُ عَلَیۡکَ (اللہ تمہیں کشادگی دے) تھوڑی دیر بعد دوسرا فقیر آ گیا تو بخیل نے کہا۔ "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ" (بے شک اللہ تعالیٰ روزی دینے والا اور مضبوط قوت والا ہے) تھوڑی دیر بعد تیسرا فقیر آ گیا تو بخیل نے اس سے کہا کہ

"وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ"۔ (اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

پھر بخیل اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا اس محلہ میں مانگنے والے کس قدر زیادہ ہیں؟

بیٹی نے جواب دیا کہ اے میرے والد اگر آپکے عطاء کرنیکا یہی انداز رہا تو پھر ہمیں اسکی پرواہ نہیں۔

یہ بھی صدقہ ہے

''صدقہ'' کا لفظ سنتے ہی ہمارے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ آدمی حسب وسعت اپنے مال میں سے کسی ضرورت مند کی مدد کر دے اور وقتاً فوقتاً غرباء کی امداد کرتا رہے یہی صدقہ ہے۔ گویا ہم نے صدقہ کو مال ہی کے ساتھ خاص کر رکھا ہے۔ حالانکہ صدقہ مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ جو بھی بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے یا جو بھی نیکی اللہ کی رضا کیلئے کی جائے وہ بھی ثواب کے اعتبار سے صدقہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کے اندر 360 جوڑ ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کیا جائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی طاقت کس کو ہے کہ 360 صدقات روزانہ کرے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں پڑی تھوک (یا کوئی اور گندگی) کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ میں کسی تکلیف زدہ چیز کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔

چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ نماز میں ہر جوڑ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حرکت کرنا پڑتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ روزانہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آدمی پر ہر جوڑ کے بدلے میں ایک صدقہ ہے۔ دو آدمیوں میں انصاف کرا دو یہ بھی صدقہ ہے۔

کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار کو سامان اٹھا کر دیدو یہ بھی صدقہ ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا بھی صدقہ ہے۔

ہر وہ قدم جو نماز کیلئے چلے وہ بھی صدقہ ہے۔

کسی راہ گیر کو راستہ کی صحیح سمت بتا دینا بھی صدقہ ہے۔

ہر روزہ صدقہ ہے۔ حج صدقہ ہے۔

سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا یہ بھی صدقہ ہے۔

راستے میں چلتے ہوئے کسی کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔

نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے۔ برائی سے روکنا صدقہ ہے۔

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا یہ عظیم ترین صدقہ ہے۔

کمزور لوگوں کی دلجوئی کرنا یہ بھی صدقہ ہے۔

ہر نیکی چاہے دیکھنے میں وہ حقیر ہو لیکن ثواب میں صدقہ کے برابر ہے۔

کسی نادار کی تعلیم کے مصارف برداشت کرنا یہ بھی صدقہ ہے۔ مسلمان بھائی سے مسکراتے ہوئے ملنا یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی کو دینی مسئلہ بتانا یا سمجھانا یہ بھی صدقہ ہے۔

الغرض ہر نیکی صدقہ ہے لیکن اس کی تاثیر اسی وقت نظر آتی ہے جب بندہ ذمہ حقوق و فرائض ادا کرے اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست رکھے۔ اس کے بغیر نیکی اپنی برکات ظاہر نہیں کرسکتی۔ اس لئے درج بالا نیکیاں جو صدقہ میں شمار کی گئی ہیں۔ ان میں وزن اور تاثیر پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مذکورہ بالا طریقوں سے حسب توفیق صدقات کی عادت اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

زکوٰۃ وصدقات سے بخل کی بدخصلت دور ہوتی ہے

زکوٰۃ اور صدقہ خیرات سے بخل کی بدخصلت دور ہوتی ہے۔ مسلمان جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو ریا کاری سانپ کی صورت میں اور بخل بچھو کی شکل بن کر اس کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ پس جس نے خیرات کرنے سے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اس نے اپنی قبر میں کاٹنے کے لئے بچھو بھیج دیئے۔ اگر کسی نے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض سے کی ہے تو بچھو کو گویا سانپ کی غذا بنا دیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ خیرات کرو مگر ریاکاری اور نمود سے بچ کر۔ حدیث میں آیا ہے

کہ چھپا کر خیرات دینا پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے۔ جو مسلمان اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو تو وہ ان سات بندوں کے ساتھ محشور ہوگا جن پر حق تعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائیں گے جبکہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ دوسرے یہ بھی یاد رکھو کہ جسے خیرات دیا کرو اس پر احسان نہ سمجھو۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ مثلاً تم نے کسی محتاج کو خیرات کے طور پر کچھ دیا اور اس سے شکرگزاری کی توقع رکھی تو یہ اس پر احسان سمجھنے کی بات ہے اس بیماری اور بدخصلت سے بچو بلکہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ جس نے تم سے صدقہ وغیرہ کا مال لے کر تم کو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا اور تمہارے مرض بخل کا طبیب بن گیا۔ بھلا اگر کوئی جراح مفت فصد کھول کر تمہارا وہ ناقص خون نکال دے جو تمہاری دنیوی زندگی کے لئے مضر ہے تو کیا تم اس کو اپنا محسن نہیں سمجھتے؟ اسی طرح جو شخص تمہارے قلب سے بخل کے فاسد مادہ کو کہ جس کے ضرر کا حیات اخروی میں اندیشہ ہے بلا معاوضہ لئے مفت نکال دے تو اس کو بدرجہ اولیٰ اپنا محسن و خیر خواہ سمجھنا چاہئے پس مسلمان کو چاہئے کہ زکوٰۃ واجبہ کی ادائیگی میں حبہ برابر بھی کمی و سستی نہ کرے۔ بلکہ مقدار واجب کے علاوہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ دیا کرے۔ اگر چہ روٹی کا ذرا سا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ جو لوگ مالدار نہیں ہیں ان کا صدقہ یہ ہے کہ بیمار کا پوچھنا' جنازے کے ساتھ جانا' کسی مزدور کا بوجھ وغیرہ کم کرنا یا سہارا دینا یا سفارش سے کسی کا جائز کام نکلوا دینا۔ نیک بات کہنا اور کسی کو ڈھارس دلانا وغیرہ۔ یہ سب امور صدقہ ہی میں شمار ہوتے ہیں۔

ابو عبداللہ جوہریؒ کہتے ہیں کہ میں ایک سال عرفات کے میدان میں تھا میری ذرا آنکھ سی لگ گئی۔ تو میں نے دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے۔ ایک نے ان میں سے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ ساتھی نے جواب دیا کہ چھ لاکھوں آدمیوں نے حج کیا لیکن ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ مجھے یہ بات سن کر اس قدر رنج ہوا دل چاہا کہ اپنے منہ پر طمانچے ماروں اور اپنی حالت پر خوب روؤں۔ اتنے میں اس پہلے فرشتے نے پوچھا کہ جن لوگوں کا حج قبول نہیں ہوا۔ ان کے بارہ میں اللہ جل جلالہ نے کیا معاملہ کیا؟ دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ کریم نے کرم کی نگاہ فرمائی اور مقبولین میں سے ہر ایک کے طفیل ایک ایک لاکھ کا حج قبول فرمالیا' یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ اپنا فضل و انعام جس کو چاہے بخش دے۔ (راہ جنت)

صدقہ سے شفاء امراض

ہماری بداعمالیوں کے سبب روز بروز ایسے ایسے امراض پیدا ہوتے جارہے ہیں جو ہمارے بڑے بوڑھوں نے سنے بھی نہیں تھے۔ پھر ان کے علاج معالجہ میں لوگوں کے لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں لیکن کلیۃً شفا حاصل نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ لوگ وہ اعمال بد نہیں چھوڑتے جو ان امراض کا سبب ہیں، دوسرے وہ ان اسباب کو اختیار نہیں کرتے جن سے شفاء ملتی ہے اگر لوگ ان اعمال بد کو چھوڑ دیں جو بیماریوں کا سبب ہیں اور ان اسباب کو اختیار کرلیں جن سے شفا ملتی ہے تو اکثر بیماریاں ختم ہو جائیں۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریوں کے دفعیہ میں جہاں گناہوں کے چھوڑنے اور دوا دارو کرنے کو دخل ہے وہیں صدقہ وخیرات کو بھی بڑا دخل ہے۔ صدقہ کرنے سے بڑی بڑی تکالیف اور بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

حصنوا اموالکم بالزکوۃ وداووا مرضاکم بالصدقۃ واعدوا للبلاء الدعاء. (مجمع الزوائد)

''اپنے مالوں کی قلعہ بندی (اور حفاظت) کرو زکوٰۃ کے ذریعے اور اپنے مریضوں کا علاج کرو صدقہ وخیرات کے ذریعہ اور بلاؤں (کے دفعیہ) کے لئے دعاء کا ہتھیار) تیار کرو۔''

مولانا محمد عبداللہ صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دہلی کی زبانی اس حدیث کی تشریح اور وہ واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''اس مضمون کی تائید ان تمام روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں صدقہ خیرات کے ذریعہ بلاؤں اور آفتوں کا دور ہونا اور غضب الٰہی کا ٹھنڈا ہونا بیان ہوا ہے۔ حدیث مذکورہ میں خاص طور پر بیماروں کے لئے صدقے کا مفید ہونا بیان کیا گیا ہے اور بلاشبہ یہ ایک کامیاب اور مجرب طریقہ علاج اور شفاء حاصل کرنے کا ایک بہت مختصر اور قریبی راستہ ہے۔

مصنف کتاب حافظ ذکی الدین المنذریؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مشہور امام

حدیث عبداللہ بن مبارکؒ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور بیان کیا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا ہے میں ہر قسم کا علاج کر چکا ہوں اور بہت سے طبیبوں سے مشورہ کر چکا ہوں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: جاؤ اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں لوگوں کو پانی کی تنگی ہو اور وہاں تم ایک کنواں بنوا دو، مجھے امید ہے کہ ادھر زمین سے چشمہ ابلنا شروع ہوگا اور ادھر ساتھ کے ساتھ تمہارا خون بہنا بند ہو جائے گا چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ شفایاب ہو گیا۔

اس واقعہ کے ناقل امام بیہقیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ امام ابو عبداللہ حاکمؒ کا بھی اسی قسم کا ایک واقعہ ہے کہ ان کے چہرے پر پھنسیاں ہو گئیں ہر طرح کا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور اسی میں تقریباً ایک سال گزر گیا، ایک روز انہوں نے امام ابو عثمان الصابونیؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ اپنی جمعہ کے روز کی مجلس میں میرے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے دعا فرمائی اور سب لوگوں نے خوب توجہ سے آمین کہی، جب دوسرا جمعہ آیا تو ایک خاتون نے مجلس میں امام ابو عثمانؒ کی خدمت میں ایک پرچہ پہنچایا کہ میں گزشتہ جمعہ کو جب یہاں سے گھر واپس لوٹی تو میں نے گھر جا کر بھی رات کو امام عبداللہ حاکمؒ کے لئے خوب گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی، اسی شب مجھے سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ **قولی لابی عبداللہ یوسع الماء علی المسلمین**۔ (ابو عبداللہ حاکم سے کہہ دینا کہ مسلمانوں کے لئے پانی کی فراوانی کر دیں) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ رقعہ لے کر امام ابو عبداللہؒ کے پاس پہنچا انہوں نے پرچہ دیکھتے ہی اپنے گھر کے سامنے سبیل قائم کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ سبیل تعمیر ہوئی اور وہاں پانی بھرا گیا اور برف ڈالی گئی اور لوگ پانی پینے لگے۔ بیہقیؒ کا بیان ہے کہ ایک ہفتہ بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ شفاء کے آثار ظاہر ہونے لگے اور جلد ہی تمام پھنسیاں ٹھیک ہو گئیں اور چہرہ پہلے کی طرح بالکل صاف و بے داغ ہو گیا اور وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہے۔

ہمارے علم میں کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنی بیماریوں اور دیگر مشکلات میں یہی طریقہ اپناتے ہیں اور انہیں فائدہ ہوتا ہے بعض اہل علم نے بالکل درست لکھا ہے کہ دوا دارو کے مروجہ حسی طریقوں کے مقابلہ میں یہ طریقہ زیادہ نفع بخش ہے۔" (انتخاب الترغیب والترہیب)

تین اہم باتیں

امام ترمذی رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) نے اپنی "جامع" میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جسے آپ نے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اس حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "تین باتیں ایسی ہیں جن (کی صداقت وحقانیت) پر میں قسم کھا سکتا ہوں۔

۱۔ یہ کہ بندہ کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے (یعنی صدقہ وخیرات کرنے) کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ کہ جس بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ بندہ اس ظلم وزیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں۔

۳۔ یہ کہ جس بندے نے اپنے نفس پر سوال کا دروازہ کھولا (یعنی ضرورت وحاجت کی وجہ سے نہیں بلکہ مال ودولت جمع کرنے اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کیلئے لوگوں سے مانگنا شروع کیا) تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (یعنی اسکو طرح طرح کے احتیاج وافلاس میں مبتلا کر دیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ بے شرم ہو کر مانگتا ہی رہتا ہے") (ترمذی شریف)

نیکی کی برکات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وفات کے وقت گیارہ لڑکے چھوڑے تھے۔ ان کا کل ترکہ سترہ دینار تھا۔ پانچ دینار ان کے کفن پر صرف ہوئے دو دینار سے قبر کیلئے زمین خریدی گئی۔ باقی رقم گیارہ لڑکوں میں تقسیم ہوئی۔ ہر لڑکے کے حصے میں انیس انیس درہم آئے۔ ہشام بن عبدالملک نے بھی گیارہ لڑکے چھوڑے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو دس دس لاکھ درہم ملے لیکن بعد میں دیکھنے والوں میں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے ایک لڑکے نے ایک دن میں سو گھوڑے جہاد کیلئے دیئے اور ہشام کے ایک لڑکے کو لوگ صدقہ دے رہے تھے۔ (خزینہ)

نفلی صدقہ کی فضیلت

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ (راہ خدا میں) خرچ کرتی رہو اور گن گن [illegible] ورنہ

للہ تعالیٰ بھی تجھے گن گن کر دیں گے (یعنی خوب زیادہ نہ ملے گا) اور مال کو بند کر کے نہ
کھنا ورنہ اللہ تعالیٰ (بھی) اپنی بخشش روک دیں گے۔ جہاں تک ہو سکے تھوڑا بہت
(حاجتمندوں پر) خرچ کرتی رہو۔ (مشکوۃ المصابیح)

تشریح: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
ڑی صاحبزادی تھیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ انہوں
نے مکہ میں ہی قبول اسلام کر لیا تھا۔ تاریخ لکھنے والے کہتے ہیں کہ وہ اٹھارہویں مسلمان
تھیں۔ اس زمانہ میں ایک مسلمان کا بڑھ جانا بہت بڑی بات تھی اس لئے یوں شمار کیا کرتے
تھے کہ فلاں ساتواں مسلمان ہے اور فلاں دسواں مسلمان ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان کی روایت کردہ وہ بہت سی حدیثیں کتابوں میں ملتی ہیں ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوام
تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا حواری یعنی بہت خاص آدمی بتایا تھا، ان کے
صاحبزادوں میں عبداللہ بن زبیرؓ اور عروہ بن زبیرؒ زیادہ مشہور ہیں حدیث کی کتابوں میں ان کا ذکر
بہت آتا ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں حکومت قائم کر لی تھی جو بادشاہ وقت عبدالملک بن
مروان کے خلاف تھی، عبدالملک کا مشہور ظالم گورنر حجاج بن یوسف گزرا ہے اس نے مکہ پر چڑھائی کر
کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر دیا تھا۔ اس وقت ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ
تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر کے حجاج ان کی والدہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم نے
دیکھا تمہارے لڑکے کا کیا حال بنا؟ یعنی شکست کھا کر قتل ہوا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے
بغیر کسی خوف و ہراس کے برجستہ جواب دیا کہ رَأَيْتُكَ اَفْسَدْتَ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَاَفْسَدَ عَلَيْكَ
اٰخِرَتَكَ یعنی میرے بیٹے کی اور تیری جنگ کا خلاصہ میرے نزدیک یہ ہے کہ تو نے میرے بیٹے
کی دنیا خراب کر دی یعنی اس کی دنیاوی زندگی ختم ہو گئی اور اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔ (مشکوۃ
المصابیح) کیونکہ ایک بادشاہ کی حمایت میں پڑ کر تو نے ایک صحابی کو شہید کر دیا جو صحیح خلافت قائم کئے
ہوئے تھا، اس زمانے کی مسلمان عورتیں بھی بڑی بہادر اور دلاور ہوتی تھیں۔ بات یہ ہے کہ ایمان
مضبوط ہو تو دل بھی مضبوط ہوتا ہے اور زبان بھی حق کہتے ہوئے لڑکھڑاتی نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا
ایک بوڑھی عورت نے حجاز اور عراق کے گورنر کو کیسا منہ توڑ جواب دیا۔

مال کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نصیحتیں

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا جانا رہتا تھا اور مسئلہ مسائل دریافت کرتی تھیں۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے اور غریبوں یتیموں مسکینوں اور بیواؤں کی خبر گیری کی طرف توجہ دلائی اور چار باتیں ارشاد فرمائیں۔

اول: اَنْفِقِیْ (خرچ کرتی رہا کرو) دوم: وَلَا تُحْصِیْ (گن گن کر نہ رکھنا) یعنی جمع کرنے کے پھیر میں نہ پڑنا کہ جمع کر رہے ہیں اور شمار کرتے جا رہے ہیں۔ آج اتنا ہو اور کل اتنا بڑھا، جمع کرنے کے خیال میں اپنی ضرورتیں بھی روکے ہوئے ہیں۔ اور دیگر ضرورت مندوں کو بھی نہیں دیتے یہ طریقہ اہل ایمان کا نہیں بلکہ دنیا سے محبت کرنے والے ایسا کرتے ہیں جن کی جان ہی پیسہ ہے، پیسے ہی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ایسے لوگوں کو عبدالدینار والدراہم فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگ بہت ناپسند تھے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا:

تعس عبد الدینار وعبدالدرهم وعبد الخمیصة ان اعطی رضی وان لم یعط سخط تعس وانتکس واذا شیک فلا انتقش. (مشکوٰۃ)

بے مراد ہو روپے پیسہ اور چادر کا غلام جس کا یہ حال ہے کہ اگر اسے مل جائے تو راضی اور نہ ملے تو خفا ہو جائے، ایسے شخص کا بُرا ہو اور اس کے لئے بربادی ہو اور اگر اسکے کانٹا لگ جائے تو خدا کرے کوئی نہ نکالے۔

دوسرا:۔ مطلب وَلَا تُحْصِیْ کا محدثین نے یہ بتایا ہے کہ ضرورت مند اور فقیر کو دیتے وقت اس لئے نہ گننا کہ کہیں زیادہ تو نہیں جا رہا ہے اور دل کھنچ رہا ہے۔ ایک پیسہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تھا، مگر دو پیسے کا سکہ ہاتھ میں آ گیا اب سوچ رہے ہیں کہ یہ تو ایک پیسہ زیادہ ہے فقیر کی طرف ہاتھ بڑھنے کی بجائے واپس جیب میں جا رہا ہے تاکہ ایک پیسہ کا سکہ نکالا جائے۔ یہ بھی حُب مال کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا فیحصی اللہ علیک یعنی اگر تم گن گن کر رکھو گی اور جمع کرنے کی فکر میں پڑو

گی یا فقیر کو دیتے وقت گنتی کروگی تا کہ پیسہ دو پیسہ زیادہ نہ چلا جائے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بھی گن گن کر ملنے لگے گا یا اگر بہت ہوگا تو اس کی برکت ختم کر دی جائے۔ بے برکتی کی وجہ سے بہت زیادہ مال ایسا پٹ ہو جائے گا جیسے دو چار پیسے ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ فیحصی اللہ علیک کا مطلب یہ ہے کہ اگر غریبوں پر خرچ کرتے وقت یہ خیال کروگی کہ کہیں زیادہ تو نہیں چلا گیا تو ایسی صورت میں اللہ جل جلالہ وعم نوالہ بھی اپنے دیئے ہوئے مال کا حساب لیتے وقت سختی فرمائیں گے اور چھان بین کے ساتھ حساب لیں گے پھر اس وقت کہاں ٹھکانا ہوگا۔ اللہ نے تمہیں دیا ہے تم اس کی مخلوق پر خرچ کرو۔

قرآن شریف میں ہے وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (یعنی مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرو جیسے خدا نے تمہارے ساتھ احسان کیا)

سوم۔ یہ نصیحت فرمائی کہ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ یعنی جمع کر کے نہ رکھنا، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے خزانہ غیب سے تمہیں نہ نوازیں گے اور اپنی داد و دہش میں کمی فرمادیں گے۔ بات یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بہت ملتا ہے اور رزق میں کشائش ہوتی ہے اور اگر تھوڑا ہو تو اس میں برکت بہت ہوتی ہے۔

جن لوگوں کو جمع کرنے کا ذوق ہوتا ہے اپنی ضروریات بھی دباتے رہتے ہیں بچوں پر خرچ کرنے میں کمی کرتے ہیں۔ پھر دوسرے محتاجوں کو دینے کا سوال ہی کیا ہے۔ ایسے لوگ وہ فرائض بھی ادا نہیں کرتے جو مال سے متعلق ہیں۔ زکوٰۃ، صدقہ، فطر، قربانی اور بندوں کے واجب حقوق، والدین کے اخراجات وغیرہ کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے جس کی سزا آخرت میں بہت بڑی ہے۔ قرآن میں میں ارشاد ہے:

كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى وَجَمَعَ فَاَوْعٰى. (سورۃ معارج)

وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دے گی، وہ اس شخص کو بلا دے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رُخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا۔ (ترجمہ بیان القرآن)

چہارم۔ فرمایا کہ (ارضخی ما استطعت) تھوڑا بہت جو ہو سکے راہ حق میں خرچ کرتی رہو۔ لفظ "جو کچھ ہو سکے" بہت عام ہے اور ہر امیر غریب اس پر عمل کر سکتا ہے۔ درحقیقت نفی

سبیل اللہ خرچ کرنے کا تعلق آخرت کی محبت ہے مالداری سے نہیں ہے۔ غریب بھی خرچ کر سکتا ہے مگر اپنی مقدرت کے مطابق خرچ کرے گا اور امیر بھی خرچ کر سکتا ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق پیسہ اٹھائے گا۔ دنیاوی ضرورتوں میں بھی تو سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ آخرت کا فکر ہو تو اس میں بھی امیر غریب پیسہ لگائے۔ حدیث کی شرح لکھنے والے عالموں نے بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے یہ لفظ کہ ''تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے خرچ کرو'' اس لئے فرمایا کہ اس زمانہ میں غربت کی حالت میں تھیں اور یہ بھی بات ہے کہ شوہر کے مال سے عام طور پر تھوڑا بہت ہی خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

عورتوں کا اپنے اپنے زیوروں سے صدقہ کرنیکا واقعہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عابس کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کیا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کے موقعہ پر حاضر رہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں آپؐ کے ساتھ عید میں موجود تھا۔ آپؐ نے عید کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد خطبہ دیا پھر عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو نصیحت فرمائی اور (آخرت کی باتیں) یاد دلائیں اور صدقہ کا حکم فرمایا اس موقعہ پر آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی آئے تھے، انہوں نے اپنے کپڑا پھیلا دیا اور عورتیں ان کے کپڑے میں اپنے اپنے زیور اتار اتار کر پھینکتی رہیں۔ ان زیوروں میں موٹی موٹی انگوٹھیاں (بھی) تھیں۔ اس کے بعد آپؐ حضرت بلالؓ کو ہمراہ لے کر اپنے دولت کدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (بخاری شریف)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں فَرَاَیْتُھُنَّ یُھْوِیْنَ اِلٰی اٰذَانِھِنَّ وَحُلُوْقِھِنَّ یَدْفَعْنَ اِلٰی بِلَالٍ۔ یعنی میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر عورتوں نے صدقہ دینا شروع کیا اور اپنے کانوں اور حلقوں کے زیور اتار اتار کر دیتی رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی بڑی انگوٹھیوں کے ساتھ کانوں کی بالیاں جھمکیاں اور گلوں کے ہار بھی ان آخرت سے محبت رکھنے والی مستورات نے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیئے۔ آپ کا یہ صدقہ وصول کرنا عام ضرورتمندوں پر خرچ کرنے کے لئے تھا۔ آپؐ کے

لئے صدقے کا مال حلال نہیں تھا، وہاں سے اٹھ کر اپنی صوابدید سے فقراء اور مساکین پر خرچ فرمادیا۔ اس قصے سے صحابی عورتوں کی سخاوت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ آخرت کی محبت اور مرنے کے بعد ملنے والے ثواب کے مقابلے میں ان کے نزدیک زیور کی کوئی حقیقت نہ تھی چونکہ یقین کامل تھا اس لئے جنت کے زیور کی طلب اور رغبت میں انہوں نے بے جھجک اپنے زیور فی سبیل اللہ اتار کر دے دیئے اور اس فانی دنیا میں کانوں، گلوں اور ہاتھوں کے بغیر زیور کے رکھنا پسند کرلیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسے ہی جذبات نصیب فرمائے۔ آمین۔

مسئلہ:۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ زیور کا مالک شوہر ہے یا بیوی جو مالک ہو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے، بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو بیوی کو دیدیا۔ وہی زکوٰۃ کی ذمہ دار ہے حالانکہ اگر لڑائی ہو جائے یا طلاق کا موقعہ آجائے تو زیور واپس لینے لگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مالک مرد ہے ورنہ واپس کیوں لیتا، ہاں اگر وہ زیور عورت نے اپنی مہر کی رقم سے بنوایا ہے یا کسی کے ترکہ میں ملا ہے یا شوہر نے خرید کر بالکل اسے دیدیا ہے اسکی زکوٰۃ عورت ادا کرے۔

مسئلہ:۔ جو زیور شوہر کی ملکیت ہے اسکو شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ نابالغ بچی کے لئے جو زیور بنایا گیا ہو اگر بچی ہی کی ملکیت قرار دے دی ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اور اگر وہ صرف پہنتی ہے اور مالک ماں باپ یا کوئی دوسرا ولی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اس فرق کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔

اپنی اولاد پر خرچ کرنے کا ثواب

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھے ثواب ملے گا اگر (اپنے پہلے شوہر) ابو سلمہؓ کے بچوں پر خرچ کروں کہ وہ تو میری ہی اولاد ہے (کیا اپنی اولاد پر خرچ کرنے میں بھی اجر و ثواب ملتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر خرچ کرتی رہو تم کو ان پر خرچ کرنے کا اجر ملے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰ بحوالہ بخاری)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں ان کی روایت کی ہوئی سینکڑوں حدیثیں کتابوں میں ملتی ہیں انہوں نے بھی علم دین خوب پھیلایا۔

ان کا نام ہند تھا۔ان کے پہلے شوہر ابوسلمہؓ تھے،دونوں میاں بیوی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔اسلام کی راہ میں دونوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں پہلے دونوں نے اسلام کی خاطر حبشہ کو ہجرت کی، بعد میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی لیکن اس مرتبہ دونوں ایک ساتھ ہجرت نہ کر سکے۔اس وقت مکہ معظمہ میں کافروں کا زور تھا۔جب دونوں میاں بیوی ہجرت کے لئے نکلے تو حضرت اُم سلمہؓ کو میکہ والوں نے نہ جانے دیا،اس کے ایک سال بعد وہ ہجرت کر سکیں۔ان کا ایک بچہ سلمہ نامی تھا،اسی کی وجہ سے ان کو اُم سلمہؓ (سلمہ کی ماں) اور بچے کے باپ کو ابوسلمہ (سلمہ کا باپ) کہتے تھے۔عرب میں اس کا بہت دستور تھا،اس کو کنیت کہتے ہیں۔بعض مرتبہ اصل نام بھول بھلیاں ہو جاتا تھا اور کنیت ہی سے آدمی کو جانتے تھے۔ ۴ ھ میں جب ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا گئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عدت گذر جانے کے بعد ان سے نکاح فرمالیا، جب یہ آپؐ کے دولت کدے پر آئیں تو پہلے شوہر کے بچے بھی ساتھ آ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی۔حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے ذاتی مال میں سے اس بچوں پر خرچ کرتی تھیں،ان کو خیال ہوا کہ میں جوان پر خرچ کرتی ہوں تو گویا حق اولا دادا کرتی ہوں اس میں ثواب شاید نہ ہو۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا تم خرچ کرتی رہو ضرور ثواب ملے گا، کیونکہ اولاد پر خرچ کرنا بھی ثواب ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان ہیں۔حلال مال مسلمان مرد و عورت خواہ اپنے نفس پر خرچ کرے، خواہ اولاد پر، خواہ ماں باپ پر، خواہ دوسرے عزیزوں پر، خواہ دیگر ہمسایوں اور محتاجوں پر اسکے خرچ کرنے میں بڑا ثواب ملتا ہے اللہ اکبر! اپنوں ہی پر خرچ کرو اور ثواب بھی پاؤ۔اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے۔

فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک کھجور صدقہ میں دے دی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک عورت میرے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں،اس نے مجھ سے سوال کیا۔میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا

میں نے وہ ایک کھجور ہی اس کو دے دی۔ اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود ذرا بھی کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد جیسے ہی وہ نکلی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دولت خانے میں تشریف لے آئے، میں نے آپ کو پورا قصہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص (مرد و عورت) لڑکیوں (کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت) کے ساتھ مبتلا کیا گیا (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اس کے ذمہ پڑ گئی) اور پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں آتش دوزخ سے بچانے کے لئے اس کے واسطے آڑ بن جائیں گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک عورت سوال کرنے آئی۔ ایک کھجور کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔ انہوں نے ایک کھجور ہی دے دی کم و بیش کا خیال نہ کیا۔ درحقیقت اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو ایک کھجور اور ایک پیسہ بھی بہت ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ (جو کچھ بھی اپنے لئے پہلے سے بھیج دو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے) ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے برابر بھی حلال کمائی سے جو شخص صدقہ دے دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں۔ پھر جس نے صدقہ دیا ہے اس کے لئے اس صدقہ کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم) بندہ نے دیا کھجور کے برابر اور خدائے رحیم و کریم نے عنایت فرمایا پہاڑ کے برابر۔ ایسا داتا اللہ ہی ہے۔ صدقہ سے کبھی دریغ نہ کرو۔ اس سے ضرورت مندوں کی حاجت بھی پوری ہوتی ہے اور صدقہ والے کو ثواب بھی ملتا ہے۔ کتنا ثواب ملتا ہے کہ اس کا اندازہ ابھی معلوم نہیں۔

لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت

حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں جہاں صدقہ کا بیان ہے وہاں لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت بھی مذکور ہے۔ لڑکی ضعیف جنس ہے اور اس سے کما کر دینے کی امیدیں بھی وابستہ نہیں ہوتی ہیں اس لئے لڑکیاں بہت سے خاندانوں میں مظلوم و مقہور ہو کر زندگی گذارتی ہیں ان کے واجب حقوق بھی پامال کر دیئے جاتے ہیں چہ جائیکہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا

برتاؤ کیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی پرورش کرنے اور خیر خبر رکھنے والے کو بشارت سنائی کہ ایسا شخص دوزخ سے محفوظ رہے گا اور لڑکیوں کی یہ خدمت اس کیلئے دوزخ سے بچانے کے لئے آڑ بن جائے گی۔ اپنی لڑکی ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی یتیم بچی ہو، ان سب کی پرورش کی یہی فضیلت ہے۔ بہت سی عورتیں سوتیلی لڑکیوں پر ظلم کرتی ہیں اور بہت سے مرد اپنی بیوہ لڑکی یا غیر شادی شدہ لڑکی سے گھبرا جاتے ہیں جس کا نکاح ہونے میں کسی وجہ سے دیر ہو، اور بعض مرد نئی بیوی کی وجہ سے پہلی بیوی کی اولاد پر ظلم کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اس حدیث سے سبق حاصل کرنا لازم ہے۔

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں افضل ترین صدقہ نہ بتا دوں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی لڑکی پر خرچ کرو جو طلاق کی وجہ سے یا بیوہ ہو کر تمہارے پاس (شوہر کے گھر سے) واپس آ گئی تمہارے علاوہ کوئی اس کے لئے کمائی کرنے والا نہیں ہے۔

نیز سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کے اخراجات برداشت کئے اور ان کو ادب سکھایا اور رحم اور شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اس کے خرچ سے بے نیاز ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت واجب فرمادیں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں جن کی پرورش کی ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا اس کے لئے بھی یہی فضیلت ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اگر ایک لڑکی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ ایک کے لئے بھی یہی فضیلت بتاتے۔ (مشکوٰۃ)

اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا دستکاری سے پیسہ حاصل کر کے صدقہ کرتی تھیں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے کون سی بیوی سب سے پہلے آپ سے جا کر ملے گی (یعنی سب سے پہلے کس کی وفات ہوگی) آپؐ نے فرمایا تم

میں جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں (وہ سب سے پہلے دار فانی سے رخصت ہوگی، دریافت کرنے والی بیویوں نے اس بات کا ظاہری مطلب سمجھا اور) ایک بانس لے کر سب کے ہاتھ ناپنے لگیں، نتیجۂ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سب کے ہاتھوں سے زیادہ لمبے نکلے (اور یہی سمجھ لیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگی لیکن ہوا یہ کہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی لہٰذا) اب پتہ چلا کہ (سب سے پہلے وفات پانے والی کے ہاتھوں کے لمبے ہونے کا مطلب یہ نہ تھا کہ ناپنے میں ہاتھ لمبے ہوں گے بلکہ لمبے ہاتھوں کا مقصد زیادہ صدقہ کرنا تھا۔ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی وہ صدقہ کرنے کو (بہ نسبت دوسری بیویوں کے زیادہ) پسند کرتی تھیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

تشریح: حضرت سودہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے تھیں، حضرت سودہؓ سے مکہ ہی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوگیا تھا۔ دوسری بیویوں کی نسبت ان کے ہاتھ لمبے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ پہلے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا، آپس میں نباہ نہ ہوا تو انہوں نے طلاق دے دی ان کی طلاق اور عدت کے بعد اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا تھا۔ سورہ احزاب میں فرمایا۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پھر جب زید سے اس کا دل بھر گیا تو ہم نے آپؐ سے اس کا نکاح کر دیا) اسی وجہ سے حضرت زینبؓ دوسری بیویوں کے مقابلے میں فخر کے طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء و اقرباء نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، ان سے ۵ھ ہجری میں آپ کا نکاح ہوا اور آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ۲۰ھ یا ۲۱ھ ہجری میں ان کی وفات ہوئی ان کی روایت کی ہوئی حدیثیں بھی حدیث شریف کی کتابوں میں ملتی ہیں،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے بعض روایتیں بیان کی ہیں۔

(حضرت زینبؓ کے یہ سب حالات الاستیعاب اور الاصابہ سے لئے گئے)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

ولم تکن امرأۃ منها خیرًا فی الدین واتقٰی للہ واصدق حدیثًا واوصل للرحم واعظم صدقۃ واشد تبذلا لنفسها فی العمل الذی تصدق بہ وتقرب الی اللہ عزوجل.

یعنی کوئی عورت دینداری اور پرہیزگاری اور خداترسی اور راست بازی اور صلہ رحمی اور صدقہ کرنے میں زینبؓ سے بڑھ کر نہ تھی، صدقہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے خوب محنت سے مال حاصل کرتی تھیں اور اس میں ان سے بڑھ کر کوئی عورت نہ تھی۔ (الاستیعاب)

اس عبارت کے ترجمہ کو غور سے پڑھو اور دیکھو کہ یہ ایک سوتن کی گواہی ہے، اس سے جہاں حضرت زینبؓ کے دینی کمالات ظاہر ہوئے وہاں حضرت عائشہؓ کی سچائی اور بے نفسی بھی معلوم ہوئی، اپنی سوتن کے کمالات کا اقرار کرنا بہت بڑی بات ہے۔ آج کل کی عورتیں ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ان میں حق گوئی اور بے نفسی کہاں تک ہے، خصوصاً اپنی سوتن کے حق میں، یا جس سے کینہ کپٹ ہو اس کے بارے میں کیا تعریف کا کوئی کلمہ کہہ سکتی ہیں۔ حضرت زینبؓ کو صدقہ کرنے کی حرص تھی اور اس حرص کو پورا کرنے کے لئے دستکاری (ان کو کھال رنگنے کا ہنر آتا تھا (الاصابہ ۱۲) کے ذریعہ مال حاصل کرتی تھیں اور اس سے صدقہ دیا کرتی تھیں۔ آج کل کی عورتیں تو سینکڑوں ہزاروں کی مالیت میں سے بھی پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہیں۔ ایک وہ بھی عورت ہی تھی جس کے پاس پیسہ نہ ہوا تو دستکاری سے کما کر صدقہ کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری سوتن حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گواہی بھی سن لو۔ وہ فرماتی ہیں کہ

کانت صالحۃ قوامۃ صوامۃ صناعا تصدق بذلک کلہ علی المساکین.

زینبؓ نیک عورت تھیں راتوں رات نماز میں کھڑی رہتی تھیں اور خوب کثرت سے روزے رکھتی تھیں اور دستکار بھی تھیں اس سے مال حاصل کر کے سب صدقہ کر دیتی تھیں۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا آپس میں ہاتھ ناپنا کہ کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے جب پوچھا کہ ہم میں آپ کے بعد سب سے پہلے کون آخرت کو سدھارے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ سب میں زیادہ لمبے ہیں دنیائے فانی سے روانہ ہونے میں پہلے اسی کا نمبر آئے گا۔ یہ بات بطور نشانی اور پیشین گوئی کے فرمائی تھی اس بات کا ظاہری مطلب سمجھ کر آپس میں مل کر ہاتھ ناپنے لگیں۔ ہاتھ ناپے تو حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے نکلے۔ پھر جب حضرت زینبؓ کی وفات پہلے ہوئی تو عقدہ کھلا اور ہاتھوں کی درازی کا مطلب سمجھ میں آیا۔ بات یہ ہے کہ جو سخی ہوتا ہے حقیقت میں اسی کے ہاتھ دراز ہوتے ہیں جو خیر خیرات کے وقت ضرورت مندوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے دو شخص لوہے کے کرتے یعنی زرہیں پہنے ہوئے ہوں۔ (جن کو پہلے زمانے میں لڑائی میں پہن کر جاتے تھے اور لوہے کے کڑوں سے بنائی ہوئی تھی۔ اور یہ دونوں کرتے اتنے تنگ ہوں کہ دونوں کے ہاتھ ان کی ہنسلیوں اور چھاتیوں سے چپکے ہوں، جب بھی صدقہ کرنے والا صدقہ کرنے لگتا ہے تو وہ لوہے کا کرتہ کھلتا چلا جاتا ہے (اور اس کا ہاتھ بڑھتا جاتا ہے) اور جب بخیل صدقہ کرنے لگتا ہے تو اس کا ہاتھ سکڑ جاتا ہے اور لوہے کے کرتے کا ہر کڑا مضبوطی سے اپنی جگہ پر جام ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

بیبیو! تم سخی بنو، صدقہ کرنے کی عادت ڈالو جو کچھ بچے آخرت کے لئے بھیجتی رہو جب وہاں جاؤ گی تو اسے پالو گی جیسے کوئی شخص پردیس میں جا کر کمائی کرتا ہے اور اپنے گھر منی آرڈر سے رقم بھیجتا رہتا ہے، یہ دنیا پردیس ہے اور آخرت ہمارا دیس ہے، جب بھی ضرورت مند کے ہاتھ پر ہم اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ کوئی روپیہ پیسہ رکھتے ہیں تو اپنے دیس کے لئے منی آرڈر کرتے ہیں خوب سمجھ لو۔

حضرت زینبؓ یتیموں اور بیواؤں کا خاص خیال رکھتی تھیں

حضرت عطاء کا بیان ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ وظیفہ بیت المال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۲ ہزار درہم مقرر کیا تھا جسے انہوں نے صرف ایک سال قبول کیا اور لینے کے ساتھ ہی اپنے عزیزوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ واقعہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ایک ہزار کی رقم بھیجی اور فرمایا کہ اس کو اپنی ضرورتوں کے لئے رکھنا۔ حضرت زینبؓ نے اس کو بھی تقسیم فرما دیا، موت سے پہلے وصیت فرمائی کہ میں نے اپنے لئے کفن تیار کیا ہے اور ایک کفن حضرت عمرؓ اپنے پاس سے بھیجیں گے لہٰذا ایک کفن صدقہ کر دینا۔ چنانچہ ان کی بہن نے وہ کفن صدقہ کر دیا جو انہوں نے خود تیار کیا تھا۔ جب وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ذَهَبَتْ حَمِيْدَةً مُتَعَبِّدَةً مُفْزِعَ الْيَتَامىٰ وَالْاَرَامِلِ یعنی زینبؓ دنیا سے اس طرح رخصت ہوئی کہ اچھے اخلاق کے باعث اس کی تعریف کی جاتی ہے اور عبادت گذاری میں رخصت ہوئی اور یتیموں اور بیواؤں کو گھبراہٹ میں ڈال گئی کیونکہ ان پر خرچ کرتی تھی۔

شوہر کو کمانے کا اور بیوی کو خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت اپنے (شوہر) کے کھانے میں سے خرچ کرے اور بگاڑ کا طریقہ اختیار کرنے والی نہ ہو تو اس کو خرچ کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا، اور اس کے شوہر کو کمانے کی وجہ سے ثواب ملے گا، اور جو خزانچی ہے (جس کے پاس رقم یا مال محفوظ رہتا ہے اگرچہ وہ مالک نہیں ہے مگر اس مال میں سے مالک کے حکم کے مطابق جب اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو) اس کو بھی اسی طرح سے ثواب ملتا ہے (جیسے مالک کو ملا۔ غرض ایک مال سے تین شخصوں کو ثواب مل گیا، کمانے والا اس کی بیوی جس نے صدقہ کیا، اس کا خزانچی اور کیشیر جس نے مال نکال کر دیا۔) اور ایک کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی یعنی ثواب بٹ کر نہیں ملے گا بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کا پورا ثواب دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

تشریح: جو شخص کما کر لایا ہے اس کے مال سے صدقہ دیا جائے تو اس کو ثواب ہوگا لیکن اس کی بیوی جو اس کے مال میں سے صدقہ دے گی وہ بھی ثواب پائے گی۔ بہت سی عورتیں طبیعت کی کنجوس ہوتی ہیں اگر شوہر کسی غریب کو دینا چاہتا ہے تو بُرا مانتی ہیں اور منہ بناتی ہیں۔ اگر ان کے پاس کچھ رکھا ہو اور شوہر کسی کو دینے کے لئے کہے تو بُرے دل سے نکال کر دیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے روپیہ کے ساتھ کلیجہ نکلا آ رہا ہے۔ بھلا ایسا کر کے اپنا ثواب کھونے سے کیا فائدہ؟ بعض نیک بخت لوگ کسی ضرورت مند کا کھانا مقرر کرنا چاہتے ہیں مگر بیوی آڑے آ جاتی ہے اگر شوہر نے مقرر کر ہی دیا تو ہر روز کھانا نکالتے وقت جھک جھک کرتی ہیں جس سے شوہر بھی آزردہ ہو جاتا ہے اور کھانا لینے والے کا دل بھی دُکھتا ہے اور ثواب بھی کھوتی ہیں۔

حدیث شریف میں شوہر کے مال سے عورت کے صدقہ خیرات کرنے کا ثواب بتاتے ہوئے غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کا لفظ بڑھایا ہے یعنی بگاڑ کی راہ پر چلنے والی نہ ہو۔ اس لفظ کا مطلب بہت عام ہے جو بہت سی باتوں کو شامل ہے۔ مثلاً یہ کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے خرچ کرتی ہو، اجازت کے لئے صاف زبانی اجازت ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر یہ معلوم ہے کہ شوہر خرچ کرنے پر دل سے راضی ہے تو یہ بھی اجازت کے درجہ میں ہے، اور یہ بھی بگاڑ کی راہ ہے کہ اپنے عزیزوں کو نوازتی ہو اور شوہر کے عزیز قریب ماں باپ اور اہل اولاد (خصوصاً پہلی بیوی کے بچوں کو) خرچ سے پریشان رکھتی ہو یا مثلاً ثواب سمجھ کر بدعتوں پر خرچ کرتی ہو۔ یا وہ چیز خرچ کرتی ہو جو مالیت کے اعتبار سے زیادہ ہے اس کا خرچ کرنا شوہر کو کھل جاتا ہو۔ زیادہ مال کے خرچ میں صاف اجازت کی ضرورت ہے۔ بہت سی عورتوں کو صدقہ کا جوش ہوتا ہے مگر مرد کی اجازت کا دھیان نہیں کرتی ہیں یہ غلطی ہے۔ ہاں اپنا ذاتی مال ہو تو شوہر کی اجازت کی پابندی نہیں مگر مشورہ کر لینا اس صورت میں بھی مفید ہے کیونکہ مردوں کو سمجھ زیادہ ہوتی ہے۔ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے باپوں اور بیٹوں اور شوہروں کے مالوں میں کیا کچھ خرچ کرنا (یعنی صدقہ کرنا اور ہدیہ لینا دینا) ہمارے لئے حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اَلرَّطْبُ تَاْکُلْنَہٗ وَتُهْدِیْنَہٗ یعنی ہری گیلی چیز (ان کی صاف اجازت کے بغیر بھی) کھالیا کرو اور ہدیہ دے دیا کرو۔ کیونکہ عموماً ایسی چیزوں سے خرچ کرنے کی اجازت

ہوتی ہے۔ ہاں اگر صاف منع کردیں تو ترک جانا۔ ہری گیلی چیز سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کے رکھے رہ جانے سے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ جیسے شوربہ، سبزی بعض پھل وغیرہ۔

سائل کو ضرور دینا چاہئے

حضرت اُمِ بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دروازہ پر مسکین آ کھڑا ہوتا ہے (اسے کچھ دیئے بغیر واپس کرنے میں شرم آتی ہے) اور دینے کے لئے (خاص قابل ذکر) چیز گھر میں نہیں ہوتی (تو اس صورت میں کیا کروں) فرمایا (جو کچھ ہو سکے) اس کے ہاتھ پر رکھ دو اگر چہ (بکری وغیرہ کا) جلایا ہوا کھر ہی ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

تشریح: جیسے ہدیہ لینے دینے میں نفسانی طور پر یہ خیال ہوتا ہے کہ ذرا سی چیز ہے کسی کو کیا دیں؟ اور تھوڑی چیز ہدیہ دینے کو عار اور عیب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح صدقہ خیرات کرنے میں بھی بہت سے لوگوں پر نفسانیت سوار ہو جاتی ہے۔ زیادہ دینے کو ہوتا نہیں یا زیادہ دینے کو دل نہیں چاہتا اور تھوڑا دینا شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے صدقہ کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ حضرت اُمِ بجیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہی سوال کیا کہ کوئی قابل ذکر چیز گھر میں دینے کو نہیں ہوتی اور سائل آ کھڑا ہوتا ہے اس کو خالی ہاتھ واپس کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ ہو اس کو دے دو تھوڑے بہت کا خیال نہ کرو، اگر کچھ بھی نہ ہو تو بکری کا جلا ہوا کھر ہی دے دو۔ یہ بطور مثال کے فرمایا کیونکہ بکری کے پاؤں کا آخری حصہ جو زمین پر لگتا ہے اس میں نہ گوشت ہوتا ہے نہ کچھ اور چیز کھانے کے مطلب کی نکلتی ہے پھر جبکہ وہ جلا ہوا ہو تو بالکل ہی کسی کام کا نہیں، مطلب یہ ہے کہ مسکین کی مسکنت کا خیال کرو اسے کچھ نہ کچھ ضرور دو معمولی چیز ہو تو وہی دے دو۔ اپنی کسرِ شان اور ناک کٹنے کا خیال کرتے ہوئے تھوڑی چیز کو نہ روکو، قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ روزانہ ذرا ذرا سا صدقہ کرو تو آخرت میں بہت کچھ ملے گا، اور یہاں مسکین کی حاجت کسی درجہ میں پوری ہو جائے گی۔ بزرگوں نے بتایا ہے کہ جسمانی عبادتیں دخول جنت کا ذریعہ ہیں اور

مالی صدقہ وخیرات دوزخ سے بچانے کے لئے اکسیر ہے۔ جو کچھ ہو خرچ کردینا چاہئے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ۔ (مشکوٰۃ شریف)

دوزخ سے بچو اگرچہ آدمی کھجور ہی کے ذریعہ ہو۔

فائدہ: پیشہ ور سائل جو مانگتے پھرتے ہیں عموماً مالدار ہوتے ہیں۔ ان کے بجائے واقعی حاجتمند کو دو، اصلی مسکینوں اور غریبوں کی تلاش رکھو، اور ان کی مالی خدمت کرو۔

صدقہ سے آنیوالی مصیبت رُک جاتی ہے

آنے والی مصیبت بھی صدقہ کی وجہ سے رُک جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا

یعنی مصیبت آنے سے پہلے صدقہ دے دو کیونکہ (صدقہ دیوار کی طرح آڑے آجاتا ہے اور) مصیبت اس کو پھاند کر نہیں آسکتی۔ (مشکوٰۃ)

روپیہ پیسہ جو کچھ صدقہ کریں مصیبت دفع کرنے کے لئے مفید ترین چیز ہے۔

صدقہ جاریہ کا ثواب

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اسکے سب اعمال ختم ہو جاتے ہیں، لیکن تین چیزوں کا نفع اسے پہنچتا رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں (۳) نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۲ از مسلم)

تشریح: جب تک آدمی زندہ رہتا ہے خود نیکیاں کماتا ہے، اور اپنے لئے آخرت میں ذخیرہ جمع کرتا رہتا ہے، لیکن جب موت آجاتی ہے تو اعمال ختم ہو جاتے ہیں اور ثواب جاری رہنے کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اس کے عمل کا نتیجہ ہیں، اور ان کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

اول: صدقہ جاریہ کا ثواب برابر جاری رہتا ہے، صدقہ جاریہ اس کو کہتے ہیں جس کا نفع وقتی طور پر ختم نہ ہو جائے، بلکہ اس سے لوگ منتفع ہوتے رہیں اور صدقہ کرنے والے کو

ثواب ملتا رہے، مثلاً کوئی مسجد بنوادی، دینی مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لے لیا، کسی دارالعلوم میں تفسیر و حدیث اور فقہ و فتاوی کی کتابیں وقف کر دیں، کہیں کنواں کھدوا دیا، مسافر خانہ بنوا دیا، یا کوئی ایسا کام کر دیا جس سے عوام و خواص کو نفع ہوتا ہے، ایک آدمی اس طرح کے کسی کام میں پیسہ خرچ کر کے جن کا اوپر ذکر ہوا قبر میں چلا گیا، لوگ اس کے صدقہ و خیرات سے منتفع ہو رہے ہیں، اور اسکے نامہ اعمال میں برابر ثواب لکھا جا رہا ہے اور درجات بلند ہو رہے ہیں، جہاں تک ہو زندگی میں ایسا کام ضرور کر دینا چاہئے۔

دوم: وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو، یہ بھی وہ چیز ہے جس کا ثواب موت کے بعد جاری رہتا ہے، کسی کو قرآن مجید حفظ یا ناظرہ پڑھا دیا، کسی کو نماز سکھا دی، کسی کو مولوی بنا دیا یا کوئی دینی کتاب لکھی، یا اپنے پیسے سے شائع کر دی، یہ علمی صدقہ جاریہ ہے، قرآن پڑھنے والا جب تک قرآن مجید پڑھے گا یا پڑھائے گا پھر اس کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد پڑھائیں گے، مولوی صاحب تفسیر و حدیث پڑھائیں گے، مسئلہ بتائیں گے، لوگ ان سے مستفید ہوں گے اور آگے ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد علم پھیلائیں گے جس کو نماز سکھا دی وہ نماز پڑھتا رہے گا، اور دوسروں کو سکھائے گا تو اس کا ثواب صدیوں تک اس شخص کو ملتا رہے گا جس نے دینی علم کو آگے بڑھایا یا آگے بڑھانے کا ذریعہ بن گیا اور جتنے لوگ اس کا ذریعہ اور واسطہ بنتے جائیں گے ان سب کو ثواب ملتا رہے گا اور کسی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

سوم: نیک اولاد جو دعاء کرتی ہو اس کی دعاء کا فائدہ بھی والدین کو پہنچتا رہتا ہے، دعاء میں تو کچھ جان مال خرچ نہیں ہوتا، وقتاً فوقتاً اگر والدین کے لئے دعاء مغفرت اور دعاء رفع درجات کر دی جائے تو والدین کو بہت بڑا نفع پہنچتا رہے گا، اور اولاد کا کچھ بھی خرچ نہ ہوگا، اولاد کی پیدائش کا ذریعہ بننا اور اس کو پالنا پوسنا چونکہ والدین کا عمل ہے اور والدین کی پرورش کے بعد اولاد دعاء کے قابل ہوئی ہے اس لئے اولاد کی دعاء کو والدین کا عمل شمار کر لیا گیا، بلکہ اگر اولاد کو علم دین سکھایا اور دینی اعمال پر ڈالا، اس کی زندگی اسلامی زندگی بنائی تو جو عمل صالح کرے گا ماں باپ کو بھی اس کا ثواب ملے گا، کیونکہ وہ اس کی نیکیوں کا ذریعہ بنے، پھر اولاد اپنی اولاد کو نیک بنائے گی تو اس میں بھی دادا دادی اور نانا نانی کی شرکت ہوگی۔

کسی کا ہدیہ حقیر نہ جانو

اس عمدہ خصلت کو اختیار کرنے میں بھی شیطان بہت سے رخنے ڈال دیتا ہے اور ایسی نفسانیت کی باتیں سجھاتا ہے، جو ہدیہ دینے سے باز رکھتی ہیں۔ چنانچہ بہت سی عورتوں پر یہ نفسانیت سوار ہو جاتی ہے اور کہتی ہیں کہ ذراسی چیز کا کیا دینا؟ کسی کو کچھ دے تو ٹھکانے کی چیز تو دے۔ دو جلیبی کیا بھیجیں، کوئی کیا کہے گا؟ اس سے تو نہ بھیجنا ہی بہتر ہے۔

اسی طرح ہدیہ قبول کرنے میں بھی شیطان چھوٹائی بڑائی کا سوال سجھا دیتا ہے۔ اگر کسی پڑوسن نے معمولی چیز ہدیہ میں بھیج دی تو کہتی ہیں کہ نگوڑی نے کیا بھیجا ہے۔ نہ اپنی حیثیت کا خیال کیا نہ ہماری عزت کا، بھیجنے میں شرم بھی نہ آئی، گویا بھیجنے کا شکریہ تو درکنار طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے اور کئی کئی دن غیبتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کئی سال کے بعد کسی بات پر آن بن ہوگئی تو یہ بات بھی دُہرادی کہ تو نے کیا بھیجا تھا، ذراسی کڑھی میں ایک پھلکی ڈال کر۔

قربان جایئے اس حکیم و معالج کے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جسکو خالق کائنات جل مجدہٗ نے دلوں کی بیماریوں سے آگاہ فرمایا، اور ساتھ ہی انکے علاج بھی بتائے۔ معالج نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا، اور اندر کا چور پکڑا اور فرمایا:

''کوئی پڑوسن کسی پڑوسن کے لئے کسی چیز کے ہدیہ کو حقیر نہ جانے۔''

اللہ اللہ کیسا جامع جملہ ہے حدیث کی شرح لکھنے والے عالموں نے بتایا ہے کہ حدیث بالا کے الفاظ سے دونوں طرح کا مطلب نکل سکتا ہے۔ دینے والی دیتے وقت کم نہ سمجھے جو میسر ہو دے دے اور جس کے پاس پہنچے وہ بھی حقیر نہ جانے، خواہ کیسا ہی کم اور معمولی ہدیہ ہو۔ بطور مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بکری کا کھر ہی ایک عورت دوسری عورت کے پاس بھیج سکتی ہو تو بھیجنے والی کم سمجھ کر رک نہ جائے اور دوسری عورت اس کے قبول کرنے کو اپنی کسر شان نہ سمجھے۔ ہر چھوٹا بڑا ہدیہ بشاشت سے قبول کرو اور دل و زبان سے شکر ادا کرو۔ بھیجنے والی کو دعا دو، اللہ سے اس کے لئے برکت کی دعا مانگو اور یہ بھی خیال رکھو کہ ہم کو بھی بھیجنا چاہئے، موقعہ لگے تو ضرور بھیجو، اور بہنوں میں بیٹھ کر تذکرہ کرو کہ

فلانی نے مجھے یہ ہدیہ بھیجا ہے تا کہ اس کا دل خوش ہو۔ اور اس حدیث کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ ہدیہ کم ہی بھیجا کریں۔ بلکہ زیادہ میسر ہو تو زیادہ بھیجو اور کم کی وجہ سے باز نہ رہو۔

ہدیہ دینے میں کون سے پڑوسی کو زیادہ ترجیح ہے

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا دونوں میں جسکا دروازہ تم سے قریب تر ہو۔'' (مشکوۃ المصابیح)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہدیہ لینے دینے کی ترغیب دی اور اس کو الفت و محبت اور ثواب آخرت ملنے کا ذریعہ بتایا تو اس سلسلہ میں بعض باتیں دریافت طلب سامنے آ گئیں جن میں سے ایک یہ سوال بھی ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میرے دو پڑوسی ہوں (یہ بطور مثال ہے) اور مجھے کچھ ہدیہ دینا ہو اور دونوں کے دینے کے لئے نہ ہو، تو کس کو دوں؟ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں کون مقدم ہے؟ اور پہلے کس کا خیال کروں۔ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ سب کے دروازوں سے زیادہ قریب ہو اس کو دو، اس حدیث سے پڑوسیوں کو ہدیہ دینے کا ایک طریقہ بھی معلوم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ نیکی کرنے کے لئے سمجھ چاہئے اور اس کے لئے علم کی بھی ضرورت ہے اور ہوش کی بھی۔

صدقۃ الفطر کے احکام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر کو ضروری قرار دیا (فی کس) ایک صاع کھجوریں یا اسی قدر جَو دیئے جائیں غلام اور آزاد مذکر اور مؤنث (یعنی مرد اور عورت) اور ہر چھوٹے بڑے مسلمان کی طرف سے، اور نماز عید کے لئے لوگوں کو جانے سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ (مشکوۃ)

صدقہ فطر کس پر واجب ہے

صدقہ فطر اس شخص پر واجب ہے جس پر زکوۃ فرض ہو یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت اس کی ملکیت میں ہو یا اگر سونا چاندی اور نقد رقم نہ ہو اور ضرورت سے زائد سامان موجود ہو جس کی

قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی بن سکتی ہو تو اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مال نصاب پر چاند کے حساب سے ایک سال گذر جائے لیکن صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ اگر رمضان کی تیس تاریخ کو کسی کے پاس مال آ گیا جس پر صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے تو عید الفطر کی صبح صادق ہوتے ہی اس پر صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔

صدقہ فطر کے فائدے

صدقہ فطر ادا کرنے سے ایک حکم شرعی کے انجام دینے کا ثواب تو ملتا ہی ہے۔ اسکے ساتھ دو مزید فائدے اور ہیں۔ اول یہ کہ صدقہ فطر روزوں کو پاک صاف کرنے کا ذریعہ ہے۔ روزے کی حالت میں جو فضول باتیں کیں اور جو خراب اور گندی باتیں زبان سے نکلیں صدقہ فطر کے ذریعے روزے ان چیزوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عید کے دن ناداروں اور مسکینوں کی خوراک کا انتظام ہو جاتا ہے اور اسی لئے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھو کتنا سستا سودا ہے کہ محض دو سیر گیہوں دینے سے تیس روزوں کی تطہیر ہو جاتی ہے یعنی لایعنی اور گندی باتوں کی روزے میں جو ملاوٹ ہو گئی اس کے اثرات سے روزے پاک ہو جاتے ہیں۔

گویا صدقۃ الفطر ادا کر دینے سے روزوں کی قبولیت کی راہ میں کوئی اٹکانے والی چیز باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر مسئلہ کی رُو سے کسی پر صدقۃ الفطر واجب نہ ہو تب بھی دے دینا چاہیے خرچ بہت معمولی ہے اور نفع بہت بڑا ہے۔

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

کس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کیا جائے

صدقہ فطر بالغ عورت پر اپنی طرف سے دینا واجب ہے۔ شوہر کے ذمہ اس کا صدقہ فطر ادا کرنا ضروری نہیں اور جو نابالغ اولاد ہے اس کی طرف سے والد پر صدقہ فطر دینا واجب ہے بچوں کی والدہ کے ذمے بچوں کا صدقہ دینا لازم نہیں ہے۔ اگر بیوی کہے کہ

میری طرف سے ادا کردو اور شوہر بیوی کی طرف سے ادا کردے تو ادا ہو جائے گا اگر چہ اس کے ذمہ بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

جب مسلمان جہاد کیا کرتے تھے تو ان کے پاس جو کافر قیدی ہو کر آتے تھے ان کو غلام اور باندی بنا لیا جاتا تھا جس کی ملکیت میں غلام یا باندی ہوتا اس کے اوپر غلام اور باندی کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب ہوتی تھا۔ آج کل کہیں اگر جنگ ہوتی ہے تو وطنی اور ملکی لڑائی ہوتی ہے شرعی جہاد ہوتا نہیں لہٰذا مسلمان غلام اور باندی سے محروم ہیں۔

صدقہ فطر میں کیا دیا جائے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر دینے کے سلسلے میں دینار و درہم یعنی سونے چاندی کا سکہ ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جو چیزیں گھروں میں عام طور سے کھائی جاتی ہیں انہیں کے ذریعہ صدقہ فطر کی ادائیگی بتائی۔ حدیث بالا میں جس کا ترجمہ ابھی ہوا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو فی کس صدقہ فطر کی ادائیگی کیلئے دینے کا ذکر ہے۔ دوسری حدیثوں میں ایک صاع پنیر یا ایک صاع زبیب یعنی کشمش دینے کا بھی ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں ایک صاع گیہوں دو آدمیوں کی طرف سے بطور صدقہ فطر دینا بھی وارد ہوا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ لہٰذا اگر صدقہ فطر میں جَو دے تو ایک صاع دے اور گیہوں دے تو آدھا صاع دے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جَو اور گیہوں وغیرہ ناپ کر فروخت کیا کرتے تھے اور ان چیزوں کو تولنے کے بجائے ناپنے کا رواج تھا۔ اس زمانے میں ناپنے کا جو ایک پیمانہ تھا اسی کے حساب سے حدیث شریف میں صدقہ فطر کی مقدار بتائی ہے ایک صاع، کچھ اوپر ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔ ہندوستان کے بزرگوں نے جب اس کا حساب لگایا تو ایک شخص کا صدقہ فطر گیہوں کے اعتبار سے اسی کے سیر سے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہوا۔ عام طور سے کتابوں میں عوام کی رعایت سے یہی تول والی بات لکھی جاتی ہے۔ اگر ایک گھر میں میاں بیوی اور چند نابالغ بچے ہوں تو مرد پر اپنی طرف سے اور ہر نابالغ اولاد کی طرف سے

صدقہ فطر میں فی کس ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گندم یا اس کا دوگنا جَو یا چھوارے یا کشمش یا پنیر دینا واجب ہے۔ بیوی کی طرف سے مرد پر صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اور ماں جتنی بھی مالدار ہے نابالغ اولاد کا صدقہ فطر اس کو ادا کرنا واجب نہیں۔ یہ صدقہ باپ پر واجب ہوتا ہے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا وقت

صدقہ فطر عید کے دن کی صبح کے طلوع ہونے پر واجب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے پہلے مرجائے تو اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ صدقۃ الفطر عید سے پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اگر پہلے ادا نہ کیا تو عید کی نماز کیلئے جانے سے پہلے ادا کردیا جائے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد میں نہ دیا تو ساقط نہ ہوگا۔ اسکی ادائیگی برابر ذمہ رہے گی۔

مسئلہ:۔ جو بچہ عید الفطر کی صبح صادق ہوجانے کے بعد پیدا ہوا اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں۔

نابالغ کے مال سے صدقہ فطر

اگر کسی نابالغ کی ملکیت میں خود اپنا مال ہو جس پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے تو اسکا وارث اسی کے مال سے اسکا صدقہ فطر ادا کرے۔ اس صورت میں اپنے مال سے دینا واجب نہیں۔

سوال:۔ بچہ کی ملکیت میں مال کہاں سے آئے گا؟

جواب:۔ اس طرح سے آسکتا ہے کہ کسی کی میراث سے اسکو مال پہنچ جائے یا کوئی شخص اسکو ہبہ کردے۔

جس نے روزے نہ رکھے ہوں اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے

اگر کسی بالغ مرد و عورت نے کسی وجہ سے روزے نہ رکھے تب بھی صدقہ فطر کا نصاب ہونے پر صدقہ کی ادائیگی واجب ہے۔

صدقہ فطر میں نقد قیمت یا آٹا وغیرہ

صدقہ فطر میں گیہوں کا آٹا بھی دیا جاسکتا ہے۔وزن وہی ہے جو اوپر گذرا اور جو کا آٹا بھی دے سکتا ہے اس کا وزن بھی وہی ہے جو جَو کا وزن ہے۔

مسئلہ:۔ صدقہ فطر میں جَو یا گیہوں کی نقد قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ بلکہ اسکا دینا افضل ہے۔اگر گیہوں اور جَو کے علاوہ کسی دوسرے غلہ سے صدقہ فطر ادا کرے مثلاً چنا، چاول، اڑد، جوار اور مکئی وغیرہ دینا چاہے تو اتنی مقدار میں دے کہ اسکی قیمت ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس سے دوگنے جَو کی قیمت کے برابر ہو جائے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی میں کچھ تفصیل

مسئلہ:۔ایک شخص کا صدقہ فطر ایک محتاج کو دے دینا یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی محتاجوں کو دے دینا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ چند آدمیوں کا صدقہ فطر ایک ہی محتاج کو دے دیا جائے۔

صاحب نصاب کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں

جس پر زکوٰۃ خود واجب ہو یا زکوٰۃ واجب ہونے کے بقدر اس کے پاس مال ہو یا ضرورت سے زائد سامان ہو جس کی وجہ سے صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں جس کی حیثیت اس سے کم ہو شریعت کے نزدیک اسے فقیر کہا جاتا ہے اسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر دے سکتے ہیں۔

رشتہ داروں کو صدقہ فطر دینے میں تفصیل

اپنی اولاد کو یا ماں باپ اور نانا نانی، دادا دادی کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر نہیں دے سکتے البتہ دوسرے رشتہ داروں کو مثلاً بھائی بہن چچا ماموں خالہ وغیرہ کو دے سکتے ہیں۔شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو صدقہ فطر دے تو ادائیگی نہ ہوگی اور سیدوں کو بھی صدقہ فطر دینا جائز نہیں۔

فائدہ:۔ بہت سے لوگ پیشہ ور مانگنے والوں کے ظاہری پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر یا کسی

عورت کو بیوہ پا کر زکوٰۃ اور صدقہ دے دیتے ہیں حالانکہ بعض مرتبہ بیوہ عورت کے پاس بقدر نصاب زیور ہوتا ہے۔ اسی طرح روزانہ کے مانگنے والوں کے پاس اچھی خاصی مالیت ہوتی ہے۔ حالانکہ صاحب نصاب کو دینے سے ادائیگی نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی رقم خوب سمجھ کر دینا لازم ہے۔

رشتہ داروں کو دینے سے دوہرا ثواب ہوتا ہے

جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دینا جائز ہے ان کو دینے سے دوہرا ثواب ہوتا ہے کیونکہ اس میں صلہ رحمی بھی ہو جاتی ہے۔

نوکروں کو صدقہ فطر دینا

اپنے غریب نوکروں کو بھی زکوٰۃ اور صدقہ فطر دے سکتے ہیں۔ مگر انکی تنخواہ میں لگانا درست نہیں۔

بالغ عورت اگر صاحب نصاب ہو

اگر بالغ عورت اس قابل ہے کہ اس کو صدقہ فطر دیا جا سکے تو اسے دے سکتے ہیں اگرچہ اس کے میکے والے مالدار ہوں۔ (تحفہ خواتین)

امیر غریب ہر مسلمان کیلئے صدقہ لازم ہے

حضرت اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے۔ پھر اس سے خود بھی فائدہ اُٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے۔ (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے) عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لیے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو

تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لیے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہیے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کر صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشان حال کی خدمت ہی کر دے اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے۔

حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام بھی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب' طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف' اس کے لیے لازم ہے کہ دامے' درمے' قدمے' سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے اور اس سے دریغ نہ کرے۔

خرچ کے بارے میں اصحاب رسول کی کیفیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم ایک دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیام گاہ پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھواروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لیے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ میں آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا' اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے' اس لیے کل کے لیے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو) (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی متوکلانہ زندگی کا طریقہ اپنایا تھا۔ ان کے لیے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام

لوگوں کے لیے یہ بات بالکل جائز ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ رکھیں..... لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی ان کے لیے اس طرزِ عمل کی گنجائش نہ تھی۔

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ..... کہ اللہ کا جو بندہ خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا..... وہ اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا۔

کون سے دولت مند خسارے میں ہیں؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت منداور سرمایہ دار ہیں' ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں..... مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:..... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لیے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اطمینان خاطر کے لیے بیان فرمایا کہ دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے دراصل کڑی آزمائش بھی ہے اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔ (مسند احمد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ (وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ) ..... اس کا خزانہ لا انتہاء ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے اور اسکا اصل جو آخرت میں عطا فرمایا جائیگا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص

کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے۔ ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

اللہ کے بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جارہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف صاف کروں گا تا کہ بندگان خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور محبوب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے پھر اس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لیے مغفرت اور داخلہ جنت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے والی ایک بدچلن عورت کی مغفرت کی جو خوشخبری دی گئی ہے اور اس حدیث میں راستے سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹا دینے پر ایک آدمی کے داخلہ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم

کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں

آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو۔ یہاں تک کہ جب موت کا وقت آ جائے اور جان کھنچ کر حلق میں آ جائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں) کا ہو ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:...... انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہو جائے گی' ہم خود تنگدست اور محتاج ہو جائیں گے۔ اس لیے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا لیکن جب موت سامنے آ جاتی ہے اور زندگی کی اُمید باقی نہیں رہتی تو انہیں صدقہ یاد آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے' اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی اور توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو اس کے باوجود وہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور آخرت کے ثواب کی اُمید میں اور رب کریم کے وعدوں پر یقین واعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ کھول کر اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لیے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے۔ "وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

مرنے والوں کی طرف صدقہ

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس اُمید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم واحسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب وصلہ کی اُمید کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے

کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب وصلہ اس مرنے والے کو عطا فرمائے گا...... پس مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی واحسان کا ایک طریقہ ان کے لیے دعا واستغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ قربان کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکے تھے) تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اس نذر کے حساب میں) کر دی اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر تمہارے باپ ایمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے تو ان کے لیے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہنچتا لیکن کفر وشرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آ سکتا۔)...... (مسند احمد)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہنچایا جائے وہ اس کے لیے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہنچے گا...... گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم باپ یا کسی دوسرے مؤمن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہنچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ ... کتنا عظیم فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں، قریبوں اور دوستوں، محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں اور اپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک فکر

حضرت ابن یامین نصری رضی اللہ عنہ کی حضرت ابولیلیٰ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ وہ دونوں حضرات رو رہے تھے۔ ابن یامین نے پوچھا کہ آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں؟ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے تاکہ ہمیں (اللہ کے راستہ میں جانے کیلئے) سواری دے دیں۔ لیکن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سواری نہ پائی جو آپ ہمیں دیدیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لئے ہمارا کوئی انتظام نہیں ہو سکا اس وجہ سے ہم لوگ رو رہے ہیں)

چنانچہ حضرت ابن یامین نے ان حضرات کو اپنی اونٹنی دے دی اور سفر کے لئے کچھ کھجوروں کا توشہ بھی دیا ان دونوں نے اس اونٹنی پر کجاوہ کسا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے روایت میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہما (کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو) رات کو نکلے اور کافی دیر تک رات میں نماز پڑھتے رہے، پھر رو پڑے اور عرض کیا اے اللہ! آپ نے جہاد میں جانے کا حکم دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے پھر آپ نے نہ مجھے اتنا دیا کہ میں اس سے جہاد میں جا سکوں اور نہ اپنے رسول کو سواری دی جو مجھے (جہاد میں جانے کے لئے) دے دیتے۔ لہٰذا کسی بھی مسلمان نے مال یا جان یا عزت کے بارے میں مجھ پر ظلم کیا ہو تو وہ معاف کر دیتا ہوں اور اس معاف کرنے کا اجر و ثواب تمام مسلمانوں کو صدقہ کر دیتا ہوں۔ اور پھر یہ صبح لوگوں میں جا ملے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات کو صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ تو کوئی نہ

کھڑا ہوا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ کھڑا ہو جائے۔

چنانچہ حضرت علبہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سارا واقعہ سنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا یہ صدقہ مقبول خیرات میں لکھا گیا ہے۔ (کذا فی البدایۃ)

حضرت ابوعبس بن جبر کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق جو اس کے پاس تھا وہ لانے لگا حضرت علبہ بن زید نے کہا اے اللہ! میرے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ اے اللہ! تیری مخلوق میں سے جس نے بھی میری آبروریزی کی ہے میں اسے صدقہ کرتا ہوں (یعنی اسے معاف کرتا ہوں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے یہ اعلان کیا کہ کہاں ہے وہ آدمی جس نے گذشتہ رات اپنی آبرو کا صدقہ کیا؟ اس پر حضرت علبہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا صدقہ قبول ہو گیا۔ (رواہ ابن مندہ)

دربار رسالت سے صدقہ کی ترغیب

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ دن کے شروع حصہ میں حضور کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن اور ننگے پاؤں اور دھاری دار اونی چادریں اور عبا پہنے ہوئے تھے اور تلواریں گردنوں میں لٹکا رکھی تھیں۔ ان میں سے اکثر لوگ قبیلہ مضر کے تھے بلکہ سارے ہی لوگ مضر کے تھے۔ ان کے فاقہ کی حالت دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک بدل گیا پھر آپ گھر تشریف لے گئے (کہ شاید وہاں ان کے لئے کچھ مل جائے لیکن وہاں بھی کچھ نہ ملا یا آپ نماز کی تیاری کرنے گئے ہوں گے) پھر باہر تشریف لا کر حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا۔ انہوں نے پہلے اذان دی (ظہر یا جمعہ کی نماز تھی) پھر اقامت کہی۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر بیان فرمایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ سے لے کر آیت کے آخر اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا تک۔ (سورۃ نساء آیت ۱)

ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور

اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدائے تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں اور سورۃ حشر میں ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (سورۃ حشر آیت:۱۸)

ترجمہ:۔ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال کر لے کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔''

آدمی کو چاہئے کہ اپنے دینار، درہم، کپڑے، ایک صاع گندم اور ایک صاع کھجور میں سے کچھ ضرور صدقہ کرے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو تو اسے ہی صدقہ کردے (یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے پاس زیادہ ہو صرف وہی صدقہ کرے بلکہ جس کے پاس تھوڑا ہے وہ بھی اس میں سے خرچ کرے) راوی کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک انصاری ایک تھیلی لے کر آئے (وہ اتنی وزنی تھی کہ) ان کا ہاتھ اسے اٹھانے سے عاجز ہونے لگا بلکہ عاجز ہو ہی گیا تھا۔ پھر تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا (اور لوگ بہت سامان لائے) حتیٰ کہ میں نے غلہ اور کپڑے (اور درہم و دینار) کے دو بڑے ڈھیر دیکھے۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضورؐ کا چہرۂ انور (خوشی سے) ایسا چمک رہا ہے کہ گویا کہ آپ کے چہرے پر سونے کا پانی پھیرا ہوا ہے۔

(اس کام کی فضیلت سناتے ہوئے) حضورؐ نے فرمایا جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اسے اپنا اجر ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان سب کے برابر اسے اجر ملے گا۔ اور ان کے اجر میں سے کچھ کم نہیں ہوگا اور جو اسلام میں برا طریقہ جاری کرتا ہے تو اسے اپنا گناہ ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان سب کے برابر گناہ اسے ملے گا اور ان کے گناہ میں سے کچھ کم نہیں ہوگا۔ (اخرجہ مسلم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے سب سے پہلے جو بیان فرمایا اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند فرمایا ہے لہٰذا

اسلام میں سخاوت اور حسن اخلاق کے ساتھ اچھی زندگی گزارو۔ غور سے سنو! سخاوت جنت کا ایک درخت ہے اور اسکی ٹہنیاں دنیا میں جھکی ہوئی ہیں۔ لہٰذا تم میں سے جو آدمی سخی ہوگا وہ اس درخت کی ایک ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہوگا اور وہ یونہی اسے پکڑے رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچادیں گے۔

غور سے سنو! کنجوسی دوزخ کا ایک درخت ہے اور اسکی ٹہنیاں دنیا میں جھکی ہوئی ہیں لہٰذا تم میں سے جو آدمی کنجوس ہوگا وہ اس درخت کی ایک ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہوگا اور وہ یونہی اسے پکڑے رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے۔ پھر آپ نے دو مرتبہ فرمایا تم لوگ اللہ کی وجہ سے سخاوت کو اختیار کرو۔ اللہ کی وجہ سے سخاوت کو اختیار کرو۔'' (اخرجہ ابن عساکر کذا فی کنز العمال)

عہد رسالت میں صدقہ کرنے کا ذوق وشوق

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ آپ اسے کچھ عطا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں دینے کے لئے اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ میری طرف سے کوئی چیز ادھار پر خرید لو۔ جب میرے پاس کچھ آئے گا تو میں وہ ادھار ادا کردوں گا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو دوسروں کو دینے کا بہت زیادہ شوق تھا)

اس پر حضرت عمرؓ نے (ازراہ شفقت) کہا یارسول اللہ! آپ اسے پہلے دے چکے ہیں (اب مزید دینے کے لئے کیوں اس کا ادھار اپنے ذمہ لے رہے ہیں) جو آپ کے بس میں نہیں ہے اس کا اللہ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا۔ آپ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات پسند نہ آئی۔

ایک انصاری نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ خرچ کریں اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھیں اس پر حضورؐ مسکرائے۔ انصاری کی اس بات پر خوشی اور مسکراہٹ کے آثار حضورؐ کے چہرے پر نظر آنے لگے اور حضورؐ نے فرمایا اسی کا مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی کذا فی البدایہ)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے پاس کھجور کے چند ڈھیر ہیں۔ آپ نے پوچھا اے بلال! یہ کیا

ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے مہمانوں کے لئے یہ انتظام کیا ہے (کہ جب بھی وہ آئیں تو ان کے کھلانے کا سامان پہلے سے موجود ہو) آپ نے فرمایا کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ کا دھواں تم تک پہنچ جائے؟ (یعنی اگر تم ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی مر گئے تو پھر ان کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال ہوگا) اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھو۔ (اخرجہ البزار باسناد حسن والطبرانی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس مال آیا آپ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم کیا لیکن اس میں سے کچھ مال بچ گیا۔ آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لیا۔ لوگوں نے کہا اگر آپ اسے آئندہ پیش آنے والی ضرورت کے لئے رکھ لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

حضرت علیؓ بالکل خاموش تھے انہوں نے کچھ نہ کہا۔

حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوالحسن! کیا ہوا آپ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا لوگوں نے اپنی رائے بتا تو دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا نہیں آپ کو بھی اپنا مشورہ ضرور دینا ہوگا۔ حضرت علیؓ نے کہا اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں خرچ کرنے کی جگہیں بتا کر) اس مال کی تقسیم (بتانے) سے فارغ ہو چکے ہیں (آپ کو یہ بچا ہوا مال بھی وہاں ہی خرچ کرنا چاہئے)

پھر حضرت علیؓ نے یہ قصہ بیان کیا کہ حضور اقدسؐ کے پاس بحرین سے مال آیا تھا (حضورؐ نے اسے تقسیم کرنا شروع کیا لیکن) ابھی آپ اس کی تقسیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رات آگئی (تو آپ نے وہ رات مسجد میں گزاری اور (ساری نمازیں مسجد میں پڑھائیں یعنی سارا دن مسجد میں بیٹھ کر تقسیم کرتے رہے گھر نہ گئے) میں نے دیکھا کہ جب تک آپ نے یہ سارا مال تقسیم نہیں کر لیا آپ کے چہرے پر پریشانی اور فکر کے آثار رہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اب تو یہ بقیہ مال آپ ہی کو تقسیم کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اسے تقسیم کیا۔ حضرت طلحہ فرماتے ہیں مجھے اس میں سے آٹھ سو درہم ملے۔ (اخرجہ البزار)

حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدسؐ میرے پاس تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدلا ہوا تھا مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ کسی درد کی وجہ سے نہ ہو۔

میں نے کہا یارسول اللہ! آپ کو کیا ہوا؟ آپ کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا ان سات دینار کی وجہ سے جو کل ہمارے پاس آئے ہیں اور آج شام ہوگئی ہے اور وہ ابھی تک بستر کے کنارے پر پڑے ہوئے ہیں۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ سات دینار ہمارے پاس آئے اور ہم ابھی تک ان کو خرچ نہیں کر سکے۔ (اخرجہ احمد وابو یعلی قال الھیثمی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں مجھے حکم دیا کہ جو سونا ہمارے پاس ہے میں اسے صدقہ کر دوں (لیکن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہی اور صدقہ نہ کر سکی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افاقہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے اس سونے کا کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے دیکھا کہ آپ بہت زیادہ بیمار ہو گئے ہیں اس لئے میں آپ کی خدمت میں ایسے لگی کہ بھول گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ سونا لے آؤ۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سات یا نو دینار لائیں ابو حازم راوی کو شک ہوا کہ دینار کتنے تھے؟ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر محمد کی اللہ سے ملاقات اس حال میں ہوتی (یعنی اگر ان کا انتقال اس حال میں ہوتا) کہ یہ دینار ان کے پاس ہوتے تو محمد کیا گمان کر سکتے؟ (یعنی ان کو بہت ندامت ہوتی) اگر محمد کی اللہ سے ملاقات اس حال میں ہوتی کہ یہ دینار ان کے پاس ہوتے تو یہ دینار محمد کے بھروسے کو اللہ پر نہ رہنے دیتے۔ (اخرجہ احمد)

حضرت عبید اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوذرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے! میں حضور اقدسؐ کے ساتھ آپ کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابوذر! مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ مجھے احد پہاڑ کے برابر سونا اور چاندی مل جائے اور میں اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کر دوں اور مرتے وقت میرے پاس اس میں سے ایک قیراط (دینار کا بیسواں حصہ) ہی بچا ہوا ہو (یعنی میں چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرے پاس دینار اور درہم میں سے کچھ بھی نہ ہو) میں نے کہا (آپ قیراط فرما رہے ہیں) یا قنطار (یعنی چار ہزار دینار) آپ نے فرمایا میں کم مقدار کہنا چاہتا ہوں اور تم زیادہ کہہ

رہے ہو میں آخرت چاہتا ہوں اور تم دنیا۔ ایک قیراط (یعنی قنطار نہیں بلکہ قیراط) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے تین بار فرمائی۔ (اخرجہ البزار واخرجہ الطبرانی نحوہ)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں (اللہ کے راستہ میں) صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس دن میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اگر میں (نیکی میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو آج کے دن ہی بڑھ سکتا ہوں (یعنی میں ان سے آگے بڑھنے کی کوشش تو بہت مرتبہ کر چکا ہوں لیکن کبھی ان سے آگے بڑھ نہیں سکا آج بڑھ سکتا ہوں)

چنانچہ میں نے اپنا آدھا مال لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے کہا میں ان کے لئے بھی کچھ چھوڑ آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا ان کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے کہا جتنا میں لایا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے چھوڑ کر آیا ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس (گھر میں) جو کچھ تھا وہ سب کچھ لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا اے ابوبکر! تم اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کے لئے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی رضامندی) چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہ جواب سن کر میں نے اپنے دل میں کہا میں کبھی بھی کسی چیز میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (اخرجہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت عبیداللہ بن محمد بن عائشہؒ کہتے ہیں کہ ایک سائل امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کھڑا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو میں نے آپ کے پاس جو چھ درہم رکھوائے تھے ان میں سے ایک درہم دے دو۔ وہ گئے اور انہوں نے واپس آ کر کہا امی جان کہہ رہی ہیں کہ وہ چھ درہم تو آپ نے آٹے کے لئے رکھوائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کسی بھی بندے کا ایمان اس وقت تک سچا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو جو چیز اس کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اس چیز پر نہ ہو جائے جو اللہ کے خزانوں

میں ہے۔ اپنی والدہ سے کہو کہ چھ کے چھ درہم بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے چھ کے چھ درہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سائل کو دے دیئے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نشست بھی نہیں بدلی تھی کہ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس سے ایک اونٹ لئے گزرا جسے وہ بیچنا چاہتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ اونٹ کتنے میں دو گے؟ اس نے کہا ایک سو چالیس درہم میں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اسے یہاں باندھ دو۔ البتہ اس کی قیمت کچھ عرصہ کے بعد دیں گے وہ آدمی اونٹ وہاں باندھ کر چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا یہ اونٹ کس کا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میرا۔ اس آدمی نے کہا کیا آپ اسے بیچیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ اس آدمی نے کہا کتنے میں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا دو سو درہم میں اس نے کہا میں نے اس قیمت میں یہ اونٹ خرید لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو سو درہم دے کر وہ اونٹ لے گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس آدمی سے اونٹ ادھار خریدا تھا۔ اسے ایک سو چالیس درہم دیئے اور باقی ساٹھ درہم لا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیئے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے:

مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (سورہ انعام آیت: ۱۶۰)

ترجمہ: ''جو شخص نیک کام کریگا اسکو اسکے دس حصے ملیں گے۔'' (اخرجہ العسکری کذافی الکنز)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے زیادہ سخی کوئی عورت نہیں دیکھی۔ البتہ ان دونوں کی سخاوت کا طریقہ الگ الگ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑی تھوڑی چیز جمع کرتی رہتیں۔ جب کافی چیزیں جمع ہو جاتیں تو پھر ان کو تقسیم فرما دیتیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تو اگلے دن کے لئے کوئی چیز نہ رکھتیں یعنی جو کچھ تھوڑا بہت آتا اسی دن تقسیم کر دیتیں۔ (اخرجہ البخاری فی الادب المفرد)

حضرت ابن کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک جوان، نہایت خوبصورت، بہت سخی آدمی تھے۔ اپنی قوم کے بہترین نوجوانوں میں سے تھے جو آدمی بھی ان سے کوئی چیز مانگتا وہ فوراً اسے دے دیتے اسی وجہ سے (کہ وہ قرضہ لے کر دوسروں کو

دے دیتے) ان پر اتنا قرضہ ہو گیا کہ ان کا سارا مال قرضہ میں گھر گیا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہؓ (بن مسعود) فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدسؐ کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنالیا اور حضورؐ نے (اپنی زندگی میں) حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ وہاں مکہ میں حضرت عمرؓ کی حضرت معاذؓ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت معاذؓ کے ساتھ بہت سے غلام تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت معاذؓ نے کہا یہ تو یمن والوں نے مجھے ہدیہ کئے ہیں اور یہ حضرت ابوبکرؓ کے لئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا تمہارے لئے میری رائے یہ ہے کہ تم ان سب غلاموں کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے جاؤ۔

راوی کہتے ہیں حضرت معاذؓ کی اگلے دن حضرت عمرؓ سے پھر ملاقات ہوئی تو حضرت معاذؓ نے ان سے کہا اے ابن الخطاب! آج رات میں نے خواب دیکھا کہ میں آگ میں کودنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے کمر سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے اب تو میری یہ رائے ہے کہ میں آپ کی بات مان لوں۔ چنانچہ ان غلاموں کو لے کر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہا یہ غلام تو مجھے ہدیہ میں ملے ہیں اور یہ غلام آپ کے لئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا ہم تمہارے ہدیہ کی تمہارے لئے منظوری دیتے ہیں اور پھر حضرت معاذؓ وہاں سے نماز کے لئے باہر نکلے (اور انہوں نے نماز پڑھائی) تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سب ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت معاذؓ نے پوچھا تم کس لئے نماز پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کے لئے۔ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا اب تو تم لوگ بھی اللہ کے ہو گئے ہو اور یہ کہہ کر ان سب کو آزاد کر دیا۔ (اخرجہ الحاکم)

پسندیدہ چیز کا صدقہ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک زمین ملی۔ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ مجھے ایک ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے زیادہ عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا۔ آپ کی کیا رائے ہے کہ میں اس کے بارے میں کیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا اگر تم چاہو تو زمین کو وقف کر دو اور اس کی آمدنی کو صدقہ کر دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان شرائط پر اس زمین

کی آمدنی کو صدقہ کیا کہ نہ تو یہ زمین بیچی جا سکے گی، نہ کسی کو ہدیہ کی جا سکے گی اور نہ کسی کو وراثت میں مل سکے گی اور اس کی آمدنی فقیروں، رشتہ داروں، غلاموں کے آزاد کرانے، جہاد فی سبیل اللہ میں اور مہمانوں پر خرچ کی جائے گی اور جو اس زمین کا متولی بنے اسے اجازت ہے کہ وہ عام دستور کے مطابق اس کی آمدنی میں سے خود کھالے اور اپنے دوست کو کھلا دے لیکن اسے اپنے لئے اس میں سے مال جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (اخرجہ الائمۃ الستہ کذا فی نصب الرایہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مثالی صدقہ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ والی آیت یاد آئی تو میں نے ان تمام چیزوں میں غور کیا جو اللہ نے مجھے دے رکھی تھیں (کہ ان میں سے کون سی چیز مجھے سب سے زیادہ پیاری لگتی ہے) تو مجھے اپنی رومی باندی مرجانہ سے کوئی چیز زیادہ پیاری نظر نہ آئی۔ اس لئے میں نے کہا یہ مرجانہ اللہ کے لئے آزاد ہے (آزاد کرنے کے بعد بھی دل میں اس سے تعلق باقی رہا جس کی وجہ سے میں یہ کہتا ہوں) کہ اللہ کو دینے کے بعد چیز کو واپس لینا لازم نہ آتا تو میں اس سے ضرور شادی کر لیتا۔ (اخرجہ البزار)

ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت نافعؒ کہتے ہیں حضرت ابن عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں اپنے مال میں سے کوئی چیز زیادہ پسند آنے لگتی تو اسے فوراً اللہ کے نام پر خرچ کر دیتے اور یوں اللہ کا قرب حاصل کر لیتے اور ان کے غلام بھی ان کی اس عادت شریفہ سے واقف ہو گئے تھے۔ چنانچہ بعض دفعہ ان کے بعض غلام نیک اعمال میں خوب زور دکھاتے اور ہر وقت مسجد میں اعمال میں لگے رہتے۔ جب حضرت ابن عمرؓ ان کو اس اچھی حالت پر دیکھتے تو ان کو آزاد کر دیتے۔

اس پر ان کے ساتھی ان سے کہتے اے ابو عبدالرحمٰن اللہ کی قسم! یہ لوگ تو اس طرح آپ کو دھوکہ دے جاتے ہیں (انہیں مسجد سے اور مسجد والے اعمال سے دلی لگاؤ کوئی نہیں ہے صرف آپ کو دکھانے کے لئے یہ کرتے ہیں تاکہ آپ خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیں) تو یہ جواب دیتے کہ ہمیں جو اللہ کے اعمال میں لگ کر دھوکہ دے گا ہم اللہ کے لئے اس سے دھوکہ کھا جائیں گے۔

چنانچہ میں نے ایک دن شام کو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک عمدہ اونٹ پر جا رہے ہیں جسے انہوں نے بہت زیادہ قیمت دے کر خریدا تھا۔ چلتے چلتے انہیں اس کی چال

بڑی پسند آئی وہیں اونٹ کو بٹھایا اور اس سے نیچے اتر کر فرمایا اے نافع! اس کی نکیل نکال دو اور اس کا کجاوہ اتار دو اور اس پر جھول ڈال دو اور اس کے کوہان کے ایک طرف زخم کر دو (اس زمانے میں یہ زخم اس بات کی نشانی تھا کہ یہ جانور اللہ کے نام پر قربان کیا جائے گا) اور پھر اسے قربانی کے جانوروں میں شامل کر دو۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت سعید بن ابی ہلالؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جحفہ مقام پر قیام فرمایا اور وہ بیمار بھی تھے۔ انہوں نے کہا مچھلی کھانے کو میرا دل چاہ رہا ہے ان کے ساتھیوں نے بہت تلاش کی بس صرف ایک ہی مچھلی ملی۔ ان کی بیوی حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے اس مچھلی کو لیا اور اسے تیار کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اتنے میں ایک مسکین ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اس مسکین سے کہا تم یہ مچھلی لے لو۔ اس پر ان کی بیوی نے کہا سبحان اللہ! ہم نے آپ کی خاطر بڑی مشقت اٹھا کر یہ مچھلی خاص طور پر آپ کے لئے تیار کی ہے (اس لئے اسے تو آپ خود کھائیں) ہمارے پاس سامان سفر ہے اس میں سے اس مسکین کو دے دیں گے۔ انہوں نے (اپنا نام لے کر) کہا عبداللہ کو یہ مچھلی بہت پسند آ رہی ہے (اس لئے اس مسکین کو یہی مچھلی دینی ہے)۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں مدینہ منورہ میں انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات حضرت ابوطلحہؓ کے پاس تھے اور انہیں اپنے باغوں میں سب سے زیادہ محبوب بیرحا باغ تھا جو کہ بالکل مسجد نبوی کے سامنے تھا اس کا پانی بہت عمدہ تھا حضور بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے۔ جب لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ (سورۃ آل عمران آیت ۹۲) آیت نازل ہوئی: ''تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔''

تو حضرت ابوطلحہؓ نے حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک تم اپنی پیاری چیز خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک تم نیکی کے کمال کو نہیں پہنچ سکتے اور مجھے اپنے سارے مال میں سے سب سے زیادہ محبوب بیرحا باغ ہے،

میں اسے اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی پر مجھے جنت عطا فرمائیں گے اور اس کے اجر کو میرے لئے ذخیرہ بنا کر رکھیں گے جو مجھے قیامت کے دن کام آئے گا۔ یا رسول اللہ! آپ جہاں مناسب سمجھیں اسے خرچ فرما دیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا واہ واہ! یہ بڑے نفع والا مال ہے۔ یہ بڑے نفع والا مال ہے۔ (اخرجہ الشیخان کذا فی الترغیب)

بخاری میں اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایسے ہی کروں گا چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت محمد بن منکدرؒ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ تو حضرت زید بن حارثہؓ اپنی ایک گھوڑی لے کر حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کا نام سُبلہ تھا اور انہیں اپنے مال میں سے کوئی چیز اس گھوڑی سے زیادہ محبوب نہیں تھی اور عرض کیا کہ یہ گھوڑی اللہ کے لئے صدقہ ہے حضورؐ نے اسے قبول فرما کر ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سواری کے لئے دے دی (حضرت زید بن حارثہ کو یہ اچھا نہ لگا کہ ان کی صدقہ کی ہوئی گھوڑی ان کے بیٹے کو مل گئی۔ (یوں صدقہ کی ہوئی چیز اپنے ہی گھر واپس آ گئی) حضورؐ نے اس ناگواری کا اثر ان کے چہرے پر محسوس فرمایا تو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اس صدقہ کو قبول کر چکے ہیں (لہٰذا اب یہ گھوڑی جسے بھی مل جائے تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔) (اخرجہ سعید بن منصور و عبد بن حمید)

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور اقدسؐ کی خدمت میں ایک چادر لے کر آئی جو کہ بنی ہوئی تھی اور اس کا کنارہ بھی اسی کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ (یعنی وہ چادر کسی اور کپڑے سے کاٹ کر نہیں بنائی گئی تھی بلکہ کنارے سمیت بطور چادر کے ہی وہ بنی گئی تھی) اور اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ چادر اس لئے لائی ہوں تا کہ آپ کو اس چادر کی واقعی ضرورت تھی اس لئے آپ نے اسے پہن لیا۔ آپ کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے حضورؐ پر وہ چادر دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو بہت اچھی چادر ہے، یہ تو آپ مجھے پہننے کو دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا (اور یہ کہہ کر چادر اسے دے دی حالانکہ آپ کو خود اس

کی ضرورت تھی) جب حضورؐ وہاں سے کھڑے ہو کر تشریف لے گئے تو آپ کے صحابہؓ نے ان صاحب کو بہت ملامت کی اور یوں کہا تم نے اچھا نہیں کیا تم خود دیکھ رہے ہو کہ حضورؐ کو خود اس چادر کی ضرورت تھی اسی وجہ سے حضورؐ نے اسے لے کر پہن لیا۔ پھر تم نے حضورؐ سے وہ چادر مانگ لی اور تمہیں معلوم ہے کہ حضورؐ سے جب بھی کوئی چیز مانگی جائے تو حضورؐ اس کا انکار نہیں فرماتے بلکہ دے دیتے ہیں۔ ان صحابی نے کہا میں نے تو صرف اس لئے مانگی ہے کہ حضورؐ کے پہننے سے یہ چادر بابرکت ہوگئی ہے۔ میں حضورؐ سے لے کر اسے ہمیشہ اپنے پاس سنبھال کر رکھوں گا تا کہ مجھے اس میں کفن دیا جائے۔ (اخرجہ ابن جریر)

قرآن میں صدقہ کرنے والوں کی تعریف

حضرت ابو عقیلؓ فرماتے ہیں وہ ساری رات دو صاع (سات سیر) کھجوروں کے عوض اپنی کمر پر رسی باندھ کر کنویں میں سے پانی نکالتے رہے پھر ایک صاع کھجور لا کر اپنے گھر والوں کو دی تا کہ وہ اسے اپنے کام میں لائیں اور دوسرا صاع قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور حضورؐ کو بتا دیا کہ یہ صاع محنت کر کے حاصل کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اسے صدقہ کے مال میں رکھ دو (چونکہ یہ خود غریب اور محتاج تھے اور اس ایک صاع کھجور کی خود ان کو ضرورت تھی اس وجہ سے) منافقوں نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے ان کے بارے میں کہا اللہ تعالیٰ کو اس کے صاع کی کیا ضرورت تھی یہ تو خود اس صاع کا محتاج تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ (سورۃ توبہ آیت ۷۹)

"یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفلی صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز محنت مزدوری کی آمدنی کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دے گا اور (مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے ہی گا) کہ ان کے لئے آخرت میں دردناک سزا ہوگی۔" (اخرجہ الطبرانی)

صدقہ میں واپسی

حضرت عبداللہ بن زید عبدربہؓ جنہوں نے خواب میں (فرشتے کو) اذان (دیتے ہوئے) دیکھا تھا وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور اقدسﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میرا یہ باغ صدقہ ہے میں اللہ اور اس کے رسول کو دے رہا ہوں وہ جہاں چاہیں خرچ کردیں۔ جب ان کے والدین کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! ہمارا گزارا تو اسی باغ پر ہورہا تھا (ہمارے بیٹے نے اسے صدقہ کردیا) حضورؐ نے وہ باغ ان دونوں کو دے دیا۔ پھر جب ان دونوں کا انتقال ہوگیا تو وہ باغ ان کے بیٹے (حضرت عبداللہ بن زید) کو وراثت میں مل گیا۔ (اخرجہ الحاکم)

تنگدستی کے باوجود دوسروں کو ترجیح

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور اقدسﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا مجھے بھوک نے پریشان کر رکھا ہے۔ حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک کے پاس آدمی بھیجا (کہ اگر کچھ کھانے کو ہے تو بھیج دیں) انہوں نے جواب دیا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میرے پاس پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ پھر آپ نے دوسری ازواج کے پاس باری باری پیغام بھیجا تو سب نے یہی جواب دیا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میرے پاس پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

پھر آپ نے (صحابہؓ سے) فرمایا اسے آج رات کون اپنا مہمان بناتا ہے؟ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ایک انصاری نے کھڑے ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میں تیار ہوں۔ چنانچہ وہ اس آدمی کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا اور تو کچھ نہیں صرف بچوں کے لئے کچھ کھانے کو ہے اس انصاری نے کہا بچوں کو کسی چیز سے بہلا دینا اور جب وہ کھانا مانگیں تو انہیں سلا دینا اور جب ہمارا مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا اور اس کے سامنے ایسے ظاہر کرنا کہ جیسے ہم بھی کھا رہے ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ

جب وہ مہمان کھانے لگےتو تو کھڑی ہوکر (ٹھیک کرنے کے بہانے سے) چراغ بجھا دینا۔

چنانچہ وہ سب کھانے کے لئے بیٹھے لیکن صرف مہمان نے کھایا انصاری اور اس کی بیوی دونوں نے بھوکے ہی رات گزاری۔ جب وہ صبح کوحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا تم دونوں نے آج رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ اللہ کو بہت پسند آیا ہےاورایک روایت میں یہ ہے کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر آیت ۹)

ترجمہ:۔ ''اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو۔'' (اخرجہ مسلم)

سات ضرورت مندوں کا واقعہ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں بکری کی ایک سری سات گھروں میں گھومتی رہی ہر ایک دوسرے کو اپنے پر ترجیح دیتا رہا۔ حالانکہ ان میں سے ہرایک کو اس سری کی ضرورت تھی یہاں تک کہ سات گھروں کا چکر کاٹ کر آخر وہ سری اسی پہلے گھر میں واپس آ گئی جہاں سے وہ چلی تھی۔ (اخرجہ ابن جریر کذا فی الکنز)

قرآنی حکم پر فی الفور عمل کرنے کا عجیب واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (سورۃ بقرۃ آیت:۲۴۵)

ترجمہ:۔ ''کون شخص ہے ایسا جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے۔''

تو حضرت ابوالدحداحؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا واقعی اللہ تعالیٰ ہم سے قرض لینا چاہتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوالدحداح نے کہا آپ اپنا ہاتھ ذرا مجھے عنایت فرمائیں۔ آپ نے دست مبارک ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے (حضور کا دست مبارک) پکڑ کر عرض کیا میرا ایک باغ ہے جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں میں نے اپنا وہ باغ اپنے رب کو بطور قرض دے دیا۔ پھر وہاں سے چل کر

اپنے باغ میں پہنچے ان کی بیوی حضرت اُم دحداح اور ان کے بچے اس باغ میں تھے۔ انہوں نے آواز دی اے اُم دحداح! ان کی بیوی نے کہا لبیک۔ انہوں نے کہا باغ سے باہر آجاؤ کیونکہ میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا ہے۔ (عند ابی یعلیٰ)

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال سخاوت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب بھی حضور اقدسؐ سے اسلام (میں داخل کرنے اور اس پر جمانے) کے لئے کوئی چیز مانگی جاتی تو حضورؐ وہ چیز ضرور دے دیتے۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک آدمی آیا آپ نے حکم دیا کہ اسے صدقہ کی بکریوں میں سے اتنی زیادہ بکریاں دی جائیں جو دو پہاڑوں کے درمیان کی ساری وادی کو بھر دیں وہ بکریاں لے کر اپنی قوم کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا اے میری قوم! تم اسلام لے آؤ کیونکہ حضرت محمدؐ اتنا زیادہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے اوپر فاقہ کا کوئی ڈر ہی نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی آدمی حضور اقدسؐ کی خدمت میں صرف دنیا لینے کے ہی ارادے سے آتا لیکن شام ہونے سے پہلے ہی اس کا ایمان (حضورؐ کی صحبت اور حسن تربیت اور آپ والی محنت کی برکت سے) اتنا مضبوط ہو جاتا کہ حضورؐ کا دین اس کی نگاہ میں دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو جاتا۔ (اخرجہ احمد)

حضرت ابوبکرؓ کے گھرانے کی کمال سخاوت

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدسؐ (مکہ سے ہجرت کیلئے) روانہ ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ساتھ اپنا سارا مال پانچ ہزار یا چھ ہزار درہم جتنا بھی تھا، سارا لے لیا اور لے کر حضورؐ کے ساتھ چلے گئے۔ پھر ہمارے دادا حضرت ابو قحافہؓ ہمارے گھر آئے۔ ان کی بینائی جا چکی تھی۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میرے خیال میں تو ابوبکر تم لوگوں کو جانے کے صدمہ کے ساتھ مال کا صدمہ بھی پہنچا گئے ہیں۔ یعنی وہ خود تو گئے ہی ہیں میرا خیال یہ ہے کہ وہ مال بھی سارا لے گئے ہیں اور تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔

میں نے کہا دادا جان! ہرگز نہیں وہ تو ہمارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں اور میں نے (چھوٹی چھوٹی) پتھریاں لا کر گھر کے اس طاق میں رکھ دیں جس میں حضرت ابو بکرؓ اپنا مال رکھا کرتے تھے (اس زمانے میں درہم و دینار چھوٹی پتھریوں کی طرح کے ہوتے تھے لہٰذا درہم و دینار کے سائز کی پتھریاں رکھی) (پھر میں نے ان پتھریوں پر ایک کپڑا ڈال دیا پھر میں نے اپنے دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر ان سے کہا اے دادا جان! اپنا ہاتھ اس مال پر رکھیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا (وہ یہ سمجھے کہ یہ درہم و دینار ہی ہیں) تو انہوں نے کہا کوئی بات نہیں اگر وہ تمہارے لئے اتنا مال چھوڑ گئے ہیں تو انہوں نے اچھا کیا اس سے تمہارا گزارا ہو جائے گا۔ حضرت اسماء کہتی ہیں اللہ کی قسم! انہوں نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا تھا لیکن میں نے یہ کام بڑے میاں (دادا جان) کی تسلی کے لئے کیا تھا۔ (اخرجہ ابن اسحاق کذافی البدایہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب سلمیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے بیان فرمایا اور جیش عسرہ (غزوۂ تبوک میں جانے والے لشکر) پر خرچ کرنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان بن عفانؓ نے کہا کجاوے اور پالان سمیت سو اونٹ میرے ذمہ ہیں یعنی میں دوں گا۔ پھر حضورؐ منبر سے ایک سیڑھی نیچے تشریف لائے اور پھر (خرچ کرنے کی) ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ نے پھر کہا کجاوے اور پالان سمیت اور سو اونٹ میرے ذمہ ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ (حضرت عثمانؓ کے اتنا زیادہ خرچ کرنے پر بہت خوش ہیں اور خوشی کی وجہ سے) ہاتھ کو ایسے ہلا رہے ہیں جیسے تعجب و حیرانی میں انسان ہلایا کرتا ہے اس موقع پر عبدالصمد راوی نے سمجھانے کے لئے اپنا ہاتھ باہر نکال کر ہلا کر دکھایا اور کہا کہ حضورؐ فرما رہے تھے اگر اتنا زیادہ مال خرچ کرنے کے بعد عثمانؓ کوئی بھی (نفل) عمل نہ کرے تو ان کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ ترغیب دی اور حضرت عثمانؓ نے کجاوے اور پالان سمیت تین سو اونٹ اپنے ذمہ لئے حضرت عبدالرحمٰن

کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضورؐ منبر پر یہ فرمارہے تھے اتنا مال خرچ کرنے کے بعد یا فرمایا آج کے بعد عثمانؓ کا کسی گناہ سے نقصان نہیں ہوگا۔ (اخرجہ احمد کذا فی البدایہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے گھر میں تھیں کہ انہوں نے مدینہ میں ایک شور سنا انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا تجارتی قافلہ ملک شام سے ضرورت کی ہر چیز لے کر آرہا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں (اس قافلہ میں) سات سو اونٹ تھے اور سارا مدینہ اس شور کی آواز سے گونج اٹھا۔

اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے جنت میں داخل ہورہے ہیں۔ یہ بات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو پہنچی تو انہوں نے کہا میں پوری کوشش کروں گا کہ میں جنت میں (قدموں پر) چل کر داخل ہوں اور یہ کہہ کر اپنا سارا قافلہ مع سارے سامان تجارت اور کجاووں کے اللہ کے راستہ میں صدقہ کردیا۔ (اخرجہ احمد واخرجہ ابونعیم فی الحلیہ)

حضرت زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضورؐ کے زمانے میں اپنا آدھا مال چار ہزار درہم اللہ کے راستہ میں صدقہ کئے۔ پھر چالیس ہزار صدقہ کئے۔ پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کئے۔ پھر پانچ سو گھوڑے اللہ کے راستہ میں دیئے۔ پھر ڈیڑھ ہزار اونٹ اللہ کے راستہ میں دیئے۔ ان کا اکثر مال تجارت کے ذریعہ کمایا ہوا تھا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی کمال سخاوت

حضرت ابوحازمؒ کہتے ہیں ہم نے مدینہ میں کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ اس نے حضرت حکیم بن حزامؓ سے زیادہ سواریاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دی ہوں۔ ایک مرتبہ دو دیہاتی آدمی مدینہ آکر یہ سوال کرنے لگے کہ کون اللہ کے راستہ میں سواری دے گا؟ لوگوں نے ان کو حضرت حکیم بن حزام کے بارے میں بتایا کہ وہ سواری کا انتظام کردیں گے۔ وہ دونوں حضرت حکیم کے پاس ان کے گھر آگئے۔ حضرت حکیمؓ نے ان سے پوچھا کہ وہ

دونوں کیا چاہتے ہیں؟ جو وہ چاہتے تھے وہ انہوں نے حضرت حکیمؓ کو بتا دیا۔
حضرت حکیمؓ نے ان دونوں سے کہا تم جلدی نہ کرو (کچھ دیر ٹھہرو) میں ابھی تم دونوں کے پاس باہر آتا ہوں (جب حضرت حکیمؓ باہر آئے تو) حضرت حکیمؓ وہ کپڑا پہنے ہوئے تھے جو مصر سے لایا گیا تھا اور جال کی طرح پتلا اور سستا تھا اور اس کی قیمت چار درہم تھی۔ ہاتھ میں لاٹھی پکڑی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ ان کے غلام بھی باہر آئے (اور دونوں دیہاتیوں کو لے کر بازار کی طرف چل دیئے) چلتے چلتے جب وہ کسی کوڑے کرکٹ کے پاس سے گزرتے اور اس میں ان کو کپڑے کا کوئی ایسا ٹکڑا نظر آتا جو اللہ کے راستہ میں دیئے جانے والے اونٹوں کے سامان کی مرمت میں کام آ سکتا ہو تو اسے اپنی لاٹھی کے کنارے سے اٹھاتے اور اسے جھاڑتے پھر اپنے غلاموں سے کہتے اونٹوں کے سامان کی مرمت کے لئے اسے رکھ لو۔
حضرت حکیمؓ اسی طرح ایک کپڑا اٹھا رہے تھے کہ ان میں سے ایک دیہاتی نے اپنے ساتھی سے کہا تیرا ناس ہو۔ ان سے ہماری جان چھڑواؤ۔ اللہ کی قسم! ان کے پاس تو صرف کوڑے سے اٹھائے ہوئے چیتھڑے ہی ہیں (یہ ہمیں سواری کے جانور کیسے دے سکیں گے؟) اس کے ساتھی نے کہا ارے میاں! جلدی نہ کرو۔ ابھی ذرا اور دیکھتے ہیں پھر حضرت حکیم ان دونوں کو بازار لے گئے۔ وہاں انہیں دو موٹی تازی، خوب بڑی اور گابھن اونٹنیاں نظر آئیں انہوں نے ان دونوں کو خریدا اور ان کا سامان بھی خریدا۔ پھر اپنے غلاموں سے کہا جس سامان کی مرمت کی ضرورت ہو اس کی مرمت کپڑے کے ان ٹکڑوں سے کر لو۔ پھر دونوں اونٹنیوں پر کھانا، گندم اور چربی رکھ دی اور ان دونوں دیہاتیوں کو خرچہ بھی دیا پھر ان کو وہ دونوں اونٹنیاں دے دیں (جب اتنا کچھ حضرت حکیمؓ نے دیا تو) ایک دیہاتی نے اپنے ساتھی سے کہا میں نے آج ان سے بہتر (سخی) کوئی کپڑے کے ٹکڑے اٹھانے والا نہیں دیکھا۔ (اخرجہ الطبرانی کذا فی مجمع الزوائد)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سخاوت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدسؐ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ (میرے دنیا سے جانے کے بعد) تم میں سے سب سے جلدی مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہو

گا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد ازواج مطہرات آپس میں مقابلہ کیا کرتیں کہ کس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے (ہم تو ہاتھ کی لمبائی ہی سمجھتی رہیں لیکن ہاتھ کے لمبے ہونے سے حضورؐ کی مراد سخاوت اور زیادہ مال خرچ کرنا تھا اس وجہ سے) ہم میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی حضرت زینبؓ نکلیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتی تھیں اور (اس کی آمدنی) صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ہم جب اپنے میں سے کسی کے گھر جمع ہو جاتی تو اپنے ہاتھ دیوار کے ساتھ لمبے کر کے ناپا کرتی تھیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے؟ ہم ایسا ہی کرتی رہیں یہاں تک کہ (سب سے پہلے) حضرت زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا۔ حضرت زینبؓ چھوٹے قد کی عورت تھیں۔ حضرت زینبؓ کی سب سے پہلے وفات پانے سے ہمیں پتہ چلا کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضورؐ کی مراد (کثرت سے) صدقہ کرنا ہے۔ حضرت زینبؓ دستکاری اور ہاتھوں کے ہنر میں ماہر تھیں وہ کھال رنگا کرتی اور کھال سیا کرتیں (سی کر فروخت کر دیتیں اور اس کی قیمت) اللہ کے راستہ میں صدقہ کیا کرتیں۔ (اخرجہ الشیخان واللفظ لمسلم)

عہد فاروقی میں سخاوت کا ایک معاملہ

حضرت عمیر بن سلمہ دولی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کو ایک درخت کے سائے میں سو رہے تھے ایک دیہاتی عورت مدینہ آئی اور لوگوں کو بڑے غور سے دیکھتی رہی (کہ ان میں سے کون میرا کام کرا سکتا ہے) اور دیکھتے دیکھتے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی (انہیں دیکھ کر اسے یہ اطمینان ہوا کہ یہ آدمی میرا کام کرا دے گا) اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میں ایک مسکین عورت ہوں اور میرے بہت سے بچے ہیں اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو (ہمارے علاقہ میں) صدقات وصول کرنے بھیجا تھا (وہ صدقات وصول کر کے واپس آ گئے) اور انہوں نے ہمیں کچھ نہیں دیا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ ہماری ان سے سفارش کر دیں (شاید وہ آپ کی بات مان لیں) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دربان) یرفا کو پکار کر کہا حضرت محمد بن مسلمہ کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ اس عورت نے کہا میری

ضرورت کے پورا ہونے کی زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ ان کے پاس جائیں (اس عورت کو معلوم نہیں تھا کہ ان کا مخاطب آدمی خود امیر المؤمنین ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا (میرے بلانے پر) ان شاء اللہ وہ تمہارا کام کردے گا۔ (حضرت یرفا نے جا کر حضرت محمد بن مسلمہ سے کہا چلیں آپ کو امیر المؤمنین بلا رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ آئے اور انہوں نے کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین! اب اس عورت کو پتہ چلا کہ یہ امیر المؤمنین ہیں تو وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ سے فرمایا اللہ کی قسم! میں تو تم میں سے بہترین آدمی منتخب کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ تم سے اس عورت کے بارے میں پوچھیں گے تو تم کیا کہو گے؟ یہ سن کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان کا اتباع کیا۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقات (وصول کر کے) اس کے حقدار مساکین کو دیا کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یونہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہی عمل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا خلیفہ بنا دیا اور میں نے تم میں سے بہترین آدمی منتخب کرنے میں کبھی کمی نہیں کی۔ اب اگر میں تمہیں بھیجوں تو اس عورت کو اس سال کا اور گذشتہ سال کا اس کا حصہ (صدقات میں سے) دے دینا اور مجھے معلوم نہیں شاید اب میں تمہیں (صدقات وصول کرنے) نہ بھیجوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے لئے ایک اونٹ منگوایا اور اس عورت کو آٹا اور تیل دیا اور فرمایا یہ لے لو۔ پھر ہمارے پاس خیبر آ جانا کیونکہ اب ہمارا خیبر جانے کا ارادہ ہے۔

چنانچہ وہ عورت خیبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹ اور منگوائے اور اس عورت سے کہا یہ لے لو۔ حضرت محمد بن مسلمہ کے تمہارے ہاں آنے تک یہ تمہارے لئے کافی ہو جائیں گے اور میں نے حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم کر دیا ہے کہ وہ تمہیں تمہارا اس سال کا اور گذشتہ سال کا حصہ دے دیں۔ (اخرجہ ابوعبید فی الاموال کذا فی الکنز)

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا اہل خانہ کو صدقہ پر راضی کرنا

حضرت حسان بن عطیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی گورنری سے معزول کیا تو ان کی جگہ حضرت سعید بن عامر بن حذیم جمحی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ وہ اپنی نوجوان بیوی کو بھی ساتھ لے گئے جس کا چہرہ بہت خوبصورت تھا اور وہ قریش قبیلہ کی تھی۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ فاقہ اور سخت تنگی کا دور شروع ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ ہزار دینار لے کر اپنی بیوی کے پاس گھر گئے اور اس سے کہا تم جو یہ دینار دیکھ رہی ہو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھیجے ہیں اس نے کہا میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ ہمارے لئے سالن کا سامان اور غلہ خرید لیں اور باقی دینار سنبھال کر رکھ لیں آئندہ کام آئیں گے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں اس سے بہتر صورت نہ بتا دوں؟ کہ ہم یہ مال ایک تاجر کو دے دیتے ہیں جو اس سے ہمارے لئے تجارت کرتا رہے، ہم اس کا نفع کھاتے رہیں اور ہمارے اس سرمائے کی ذمہ داری بھی اس پر ہوگی۔ ان کی بیوی نے کہا پھر تو یہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ انہوں نے سالن کا سامان اور غلہ خریدا اور دو اونٹ اور دو غلام خریدے۔ غلاموں نے ان اونٹوں پر ضرورت کا سارا سامان اکٹھا کر لیا اور انہوں نے یہ سب کچھ مسکینوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کی بیوی نے ان سے کہا کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا ہے آپ اس تاجر کے پاس جائیں اور جو نفع ہوا ہے اس میں سے کچھ لے کر ہمارے لئے کھانے پینے کا سامان خرید لیں۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ کہا یہ پھر خاموش رہے آخر اس نے تنگ آ کر ان کو ستانا شروع کیا اس پر انہوں نے دن میں گھر آنا چھوڑ دیا صرف رات کو گھر آتے۔ ان کے گھر والوں میں ایک آدمی تھا جو ان کے ساتھ گھر آیا کرتا تھا اس نے ان کی بیوی سے کہا تم کیا کر رہی ہو؟ تم ان کو بہت تکلیف پہنچا چکی ہو وہ تو سارا مال صدقہ کر چکے ہیں یہ سن کر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بیوی کو سارے مال کے صدقہ کرنے پر اتنا افسوس ہوا کہ وہ رونے لگی۔

ایک دن حضرت سعید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس گھر آئے اور اس سے کہا ایسے

ہی آرام سے بیٹھی رہو۔ میرے کچھ ساتھی تھے جو تھوڑا عرصہ پہلے مجھ سے جدا ہو گئے ہیں
(اس دنیا سے چلے گئے ہیں) اگر مجھے ساری دنیا بھی مل جائے تو بھی مجھے ان کا راستہ چھوڑنا
پسند نہیں ہے۔ اگر جنت کی خوبصورت حوروں میں سے ایک حور آسمان دنیا سے جھانک لے
تو ساری زمین اس کے نور سے روشن ہو جائے اور اس کے چہرے کا نور چاند و سورج کی
روشنی پر غالب آ جائے اور جو دوپٹہ اسے پہنایا جاتا ہے وہ دنیا اور مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔
اب میرے لئے یہ تو آسان ہے کہ ان حوروں کی خاطر تجھے چھوڑ دوں لیکن تیری خاطر ان کو
نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ سن کر وہ نرم پڑ گئی اور راضی ہوگئی۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کمال سخاوت

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ ان
کے لئے ایک درہم سے انگور کا ایک خوشہ خریدا گیا (جب وہ خوشہ ان کے سامنے رکھا گیا تو)
اس وقت ایک مسکین نے آ کر سوال کیا۔ انہوں نے کہا یہ خوشہ اسے دے دو (گھر والوں نے
وہ خوشہ اس مسکین کو دے دیا وہ لے کر چل دیا) گھر کے ایک آدمی نے جا کر اس مسکین سے وہ
خوشہ ایک درہم میں خرید لیا (کیونکہ بازار میں اس وقت انگور نایاب تھا۔ اس لئے اس سے
خریدا) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس مسکین نے آ کر پھر سوال
کیا آپ نے فرمایا یہ اسے دے دو (گھر والوں نے اسے دے دیا اور وہ لے کر چل دیا) گھر
کے ایک آدمی نے جا کر اس مسکین سے وہ خوشہ پھر ایک درہم میں خرید لیا اور لا کر پھر حضرت
ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس مسکین نے آ کر پھر سوال کیا آپ نے فرمایا
یہ اسے دے دو۔ (گھر والوں نے اسے دے دیا وہ لے کر چل دیا) پھر گھر کے ایک آدمی نے
جا کر اس مسکین سے وہ خوشہ پھر ایک درہم میں خرید لیا (اور لا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا)
اس مسکین نے پھر واپس آ کر مانگنے کا ارادہ کیا تو گھر والوں نے اسے روک دیا لیکن اگر
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ خوشہ اس مسکین سے خریدا گیا ہے اور اسے
سوال کرنے سے بھی روکا گیا ہے تو وہ اسے بالکل نہ چکھتے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ

حضرت امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ ان سے ایک مسکین نے سوال کیا۔ ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی۔ انہوں نے اپنی باندی سے کہا یہ روٹی اس مسکین کو دے دو۔ باندی نے ان سے کہا (اس روٹی کے علاوہ) آپ کی افطاری کے لئے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا (کوئی بات نہیں) تم پھر بھی اسے یہ روٹی دے دو۔ چنانچہ باندی کہتی ہے کہ میں نے اس مسکین کو وہ روٹی دے دی۔

جب شام ہوئی تو ایک ایسے گھر والے نے یا ایک ایسے آدمی نے جو کہ ہمیں ہدیہ نہیں دیا کرتا تھا ہمیں ایک (پکی ہوئی) بکری اور اس کے ساتھ بہت سی روٹیاں ہدیہ میں بھیجیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلا کر فرمایا اس میں سے کھاؤ یہ تمہاری (روٹی) ٹکیہ سے بہتر ہے۔ (اخرجہ مالک فی الموطا)

نابینا کا ہاتھ سے صدقہ دینا

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی بینائی جا چکی تھی۔ انہوں نے اپنی نماز کی جگہ سے لے کر اپنے کمرے کے دروازے تک ایک رسی باندھ رکھی تھی جب دروازے پر کوئی مسکین آتا تو اپنے ٹوکرے میں سے کچھ لیتے اور رسی کو پکڑ کر (دروازے تک جاتے اور) خود اپنے ہاتھ سے اس مسکین کو دیتے۔ گھر والے ان سے کہتے آپ کی جگہ ہم جا کر مسکین کو دے آتے ہیں۔ وہ فرماتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے بچاتا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور سب ان کے بڑے پیالے میں سے کھاتے (کھانے کے دوران) بعض دفعہ وہ کسی مسکین کی آواز سنتے تو اپنے حصہ کا گوشت اور روٹی جا کر اسے دے دیتے۔ جتنی دیر میں وہ مسکین کو

دے کر واپس آتے اتنی دیر میں گھر والے پیالہ ختم کر چکے ہوتے۔ اگر مجھے اس پیالہ میں کچھ مل جاتا تو ان کو بھی مل جاتا۔ پھر اسی حال میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صبح روزہ رکھ لیتے۔ (اخرجہ ابن سعد)

خرچ کرنے کی برکات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کو مسجد میں بیٹھے رہتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر جانے کے لئے کھڑے ہوتے تو ہم لوگ آپ کے گھر میں داخل ہونے تک کھڑے رہتے۔ چنانچہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر جانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ جب آپ مسجد کے درمیان میں پہنچے تو ایک دیہاتی آپ کے پاس پہنچا اور اس نے اس زور سے آپ کی چادر کھینچی کہ آپ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی اور اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے دو اونٹ دیں کیونکہ یہ دو اونٹ نہ تو آپ اپنے مال میں سے دیں گے اور نہ اپنے والد کے مال میں سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میں تو اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ جب تک تم مجھے اس کا بدلہ نہیں دو گے میں تمہیں اونٹ نہیں دوں گا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی (پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ فرمایا) اور پھر ایک آدمی کو بلا کر کہا اسے دو اونٹ دے دو۔ ایک اونٹ جو کا اور دوسرا کھجور کا۔ (اخرجہ ابن جریر ایضاً کذا فی الکنز)

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم قبیلہ مزینہ کے چار سو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے دین کے احکام بتائے (جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے تو) ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! راستہ کے لئے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا انہیں راستہ کے لئے توشہ دے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس تو بس تھوڑی سی بچی ہوئی کھجوریں ہیں۔ میرے خیال میں تو وہ کھجوریں ان کی ضرورت کچھ بھی پوری نہ کر سکیں گی۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور انہیں راستہ کے لئے توشہ دے دو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیں ایک بالا خانے میں لے گئے۔ وہاں ایک خاکستری جوان اونٹ جتنی کھجوریں رکھی ہوئی تھیں (یعنی بیٹھے ہوئے ایک اونٹ جتنا اونچا کھجوروں کا ایک ڈھیر تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگ یہ کھجوریں لے لیں۔ ہمارے تمام قافلہ والوں نے اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور میں سب سے آخر میں لینے گیا میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ (کھجوریں شروع میں جتنی تھیں اب بھی اتنی ہی ہیں) ان میں سے ایک بھی کھجور کم نہ ہوئی تھی حالانکہ اس ڈھیر میں چار سو آدمی کھجوریں لے چکے تھے (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی برکت تھی) (اخرجہ احمد والطبرانی)

مساکین کی محبت

حضرت انسؓ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی بھی مانگنے والے کو واپس نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ کوڑھی آدمی بھی ان کے ساتھ ان کے پیالہ میں کھانا کھاتا تھا اور اس کی انگلیوں سے خون ٹپک رہا ہوتا تھا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صدقہ کرنا

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا صدقہ لائے اور چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میری طرف سے صدقہ ہے اور آئندہ جب بھی اللہ تعالیٰ مطالبہ فرمائیں گے میں ضرور صدقہ کروں گا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا صدقہ لائے اور لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور عرض کیا یہ میری طرف سے صدقہ ہے اور مجھے اللہ کے ہاں لوٹ کر جانا ہے (میں وہاں اللہ سے اس کا بدلہ لے لوں گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنی کمان میں تانت کے علاوہ کچھ اور لگا دیا (یعنی تم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پیچھے رہ گئے کہ ان کا جذبہ اللہ کو اور دینے کا ہے اور تمہارا جذبہ اللہ سے بدلہ لینے کا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ اعلیٰ و افضل ہے) جو تم دونوں کے بولوں میں فرق ہے وہی تم دونوں کے صدقوں میں فرق

ہے (قبول تو دونوں ہوئے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صدقہ زیادہ اخلاص اور قربانی والا ہے کہ ان کی توجہ اللہ کو اور دینے کی طرف ہے۔) (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بیر رومہ (مدینہ کے ایک کنویں کا نام) خرید کر مسلمانوں کیلئے صدقہ کر دے؟ قیامت کے دن سخت پیاس کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو پانی پلائیں گے۔ چنانچہ یہ فضیلت سن کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا۔ (اخرجہ ابن عدی وابن عساکر)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سعدیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم صدقہ کئے۔ پھر اس دن ان کو مسجد میں جانے سے صرف اس وجہ سے دیر ہوگئی کہ میں نے ان کے کپڑے کے دونوں کناروں کو ملا کر سیا (لاکھ درہم سب دوسروں کو دے دیئے، اپنے اوپر کچھ نہ لگایا) (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت نعمان بن حمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ماموں کے ساتھ مدائن شہر میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ کھجور کے پتوں سے کچھ بنا رہے تھے۔

میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک درہم کے کھجور کے پتے خریدتا ہوں پھر ان کا کچھ بنا کر تین درہم میں بیچ دیتا ہوں اور پھر ایک درہم کے دوبارہ پتے خریدتا ہوں اور ایک درہم اپنے اہل وعیال پر خرچ کر دیتا ہوں اور ایک درہم صدقہ کر دیتا ہوں۔ اگر (امیر المومنین) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی مجھے اس سے روکیں گے تو میں نہیں رکوں گا۔ (حضرت سلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدائن کے گورنر تھے۔) (اخرجہ ابن سعد)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کمال فیاضی

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے۔ لوگوں کو (سخت بھوک کی) مشقت اٹھانی پڑی۔ (جس کی وجہ سے) میں نے مسلمانوں کے چہروں پر غم اور پریشانی کے آثار اور منافقوں کے چہروں پر خوشی کے آثار دیکھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات دیکھی تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! سورج غروب ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے لئے رزق بھیج دیں گے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ضرور پوری ہوگی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چودہ اونٹنیاں کھانے کے سامان سے لدی ہوئی خریدیں اور ان میں سے نو اونٹنیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اونٹنیاں دیکھیں تو فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہدیہ میں بھیجی ہیں۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ خوشی کے آثار آپ کے چہرے پر محسوس ہونے لگے اور منافقوں کے چہروں پر غم اور پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ایسی زبردست دعا کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کسی کے لئے ایسی دعا کرتے ہوئے سنا۔ اے اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ کو (یہ اور یہ) عطا فرما اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ (ایسا اور ایسا) معاملہ فرما۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو آپ نے مجھے اشارہ کیا میں اٹھ کر آپ کے پاس چلا گیا آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر ہم دونوں چلنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ اپنی زوجہ محترمہ کے حجرے تک پہنچ گئے اور خود حجرے میں تشریف لے گئے اور پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی۔ میں اندر پردہ والے حصہ میں داخل ہو گیا (بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ان سے پردہ میں تھیں اور یہ حجرے کے اس پردہ والے حصہ میں چلے گئے تھے جہاں عام لوگ اجازت سے ہی اندر آسکتے تھے) پھر آپ نے فرمایا دوپہر کا کھانا ہے؟ گھر والوں نے کہا ہاں ہے۔ چنانچہ روٹی کی تین ٹکیاں آپ کے پاس لائی گئیں جن کو (ایک اونچی جگہ پر یا) کھجور کے پتوں کے دسترخوان پر رکھ دیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹکیہ اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی اور دوسری ٹکیہ اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی پھر تیسری ٹکیہ اٹھا کر اس کے دو حصے کئے اور پھر آدھی ٹکیہ اپنے سامنے رکھی اور آدھی میرے سامنے۔

پھر (گھر والوں سے) فرمایا کوئی سالن ہے؟ تو گھر والوں نے کہا اور تو کچھ ہے نہیں۔ بس تھوڑا سا سرکہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرکہ ہی لے آؤ کیونکہ سرکہ تو بہترین سالن ہے۔ (اخرجہ مسلم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت اسلمؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا سواری اور مال برداری کے اونٹوں میں ایک اندھی اونٹنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ اونٹنی کسی کو دے دو۔ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ میں نے کہا وہ تو اندھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ اسے اونٹوں کی قطار میں باندھ لیں گے (ان کے ساتھ پھرتی رہے گی) میں نے کہا وہ زمین سے (گھاس وغیرہ) کیسے کھائے گی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ جزیہ کے جانوروں میں سے ہے یا صدقہ کے؟ (یہ اس وجہ سے پوچھا کہ جزیہ کا جانور مالدار اور فقیر دونوں کھا سکتے ہیں اور صدقہ کا جانور صرف فقیر ہی کھا سکتا ہے)

میں نے کہا نہیں وہ تو جزیہ کے جانوروں میں سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! آپ لوگوں نے تو اسے کھانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ میں نے کہا (میں ویسے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ) اس پر جزیہ کے جانوروں کی نشانی لگی ہوئی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا چنانچہ اسے ذبح کیا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نو چوڑے پیالے تھے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات چونکہ نو تھیں اس وجہ سے ان کی تعداد کے مطابق پیالے بھی نو بنا رکھے تھے تاکہ ان سب کو چیز ہدیہ میں بھیجی جا سکے) جب بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی پھل یا کوئی نادر اور پسندیدہ میوہ آتا تو اسے ان پیالوں میں ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس بھیج دیتے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سب سے آخر میں بھیجتے تاکہ اگر کمی آئے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اونٹنی کا گوشت ان پیالوں میں ڈالا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس بھیج دیا اور اونٹنی کا جو گوشت بچ گیا اسے پکانے کا حکم دیا۔ جب وہ پک گیا تو حضرات مہاجرین وانصار کو بلا کر انہیں کھلا دیا۔ (اخرجہ مالک کذا فی جمع الفوائد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سخاوت اور اکرام کے واقعات

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے کنارے ایک کنواں خریدا اور (اس کی خوشی میں) لوگوں کو کھانا کھلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے طلحہ! تم بڑے فیاض اور بہت سخی آدمی ہو۔ (اخرجہ الحسن بن سفیان وابونعیم فی المعرفۃ)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غریبوں مسکینوں کے حق میں سب سے اچھے آدمی تھے۔ وہ ہمیں (اپنے گھر) لے جاتے اور جو کچھ گھر میں ہوتا وہ ہمیں کھلا دیتے یہاں تک کہ بعض دفعہ تو گھی کی خالی کپی ہمارے پاس لے آتے جس میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ اسے پھاڑ دیتے اور جو کچھ اس میں ہوتا ہم اسے چاٹ لیتے۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ کھانا تیار کیا۔ میں آپ کے پاس آیا۔ آپ کچھ لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں آپ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور میں نے آپ کو اشارہ کیا (کہ کھانے کے لئے تشریف لے چلیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ لوگ بھی (کھانے کے لئے ساتھ

چلیں) میں نے کہا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دوبارہ مجھے دیکھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ لوگ بھی۔ میں نے کہا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دو یا تین مرتبہ فرمایا تو میں نے کہا اچھا۔ یہ لوگ بھی (آ جائیں) وہ تھوڑا سا کھانا تھا جسے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیار کیا تھا۔
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے اور آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی آئے اور ان سب نے کھایا (اللہ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ) کھانا پھر بھی بچ گیا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت محمد بن قیسؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صرف غریبوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے (اور ان کا کھانا اکثر غریب لوگ ہی کھا لیا کرتے اور یہ بھوکے رہ جاتے) اس کی وجہ سے ان کا جسم کمزور ہو گیا تو ان کی بیوی نے ان کے لئے کھجوروں کا کوئی شربت تیار کیا۔ جب یہ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو وہ ان کو یہ شربت پلا دیتیں اور حضرت ابوبکر بن حفصؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کھانا تب کھاتے جب ان کے دسترخوان پر کوئی یتیم ہوتا۔ (اخرجہ ابونعیم)
حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی دوپہر کا یا رات کا کھانا کھاتے تو اپنے آس پاس کے یتیموں کو بلا لیتے۔ ایک دن دوپہر کا کھانا کھانے لگے تو ایک یتیم کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لیکن وہ یتیم ملا نہیں (اس لئے یتیم کے بغیر کھانا شروع کر دیا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لئے میٹھے ستو تیار کئے جاتے تھے جسے وہ کھانے کے بعد پیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ یتیم آ گیا اور یہ حضرات کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں پینے کے لئے ستو (کا پیالہ) پکڑا ہوا تھا تو وہ پیالہ اس یتیم کو دے دیا اور فرمایا یہ لو۔ میرا خیال ہے تم نقصان میں نہیں رہے۔
حضرت ابوجعفر قاریؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کو چلا۔ ان کے پاس بہت بڑا پیالہ تھا جس میں ثرید تیار کیا جاتا تھا پھر ان کے بیٹے، ان

کے ساتھی اور جو بھی وہاں آ جاتا وہ سب اکٹھے ہو کر اس پیالہ میں سے کھاتے اور بعض دفعہ اتنے آدمی اکٹھے ہو جاتے کہ کچھ آدمیوں کو کھڑے ہو کر کھانا پڑتا۔ ان کے ساتھ ان کا ایک اونٹ تھا جس پر نبیذ (وہ پانی جس میں کھجور کچھ دیر ڈال کر اسے میٹھا بنایا جائے) اور سادہ پانی سے بھرے ہوئے دو مشکیزے ہوتے تھے۔ کھانے کے بعد ہر آدمی کو ستو اور نبیذ سے بھرا ہوا ایک پیالہ ملتا جس کے پینے سے خوب اچھی طرح پیٹ بھر جاتا۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت معنؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب کھانا تیار کر لیتے اور ان کے پاس سے کوئی اچھی وضع قطع والا آدمی گزرتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے نہ بلاتے لیکن ان کے بیٹے یا بھتیجے اسے بلا لیتے اور جب کوئی غریب آدمی گزرتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے بلا لیتے لیکن ان کے بیٹے یا بھتیجے اسے نہ بلاتے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے جو کھانا کھانا نہیں چاہتا اسے یہ لوگ بلاتے ہیں اور جو کھانا چاہتا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت سلیمان بن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حج کیا۔ ان کے ساتھ بصرہ کے علاوہ کی ایک جماعت بھی تھی جن میں منصر بن حارث ضبی بھی تھے۔ ان لوگوں نے کہا اللہ کی قسم! جب تک ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایسے ممتاز اور پسندیدہ صحابی سے نہ مل لیں جو ہمیں حدیثیں سنائے اس وقت تک ہم لوگ (بصرہ) واپس نہیں جائیں گے۔

چنانچہ ہم لوگوں سے پوچھتے رہے تو ہمیں بتایا گیا کہ ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ کے نشیبی حصہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے پاس گئے تو ہم نے دیکھا کہ بہت بڑی مقدار میں سامان لے کر لوگ جا رہے ہیں تین سو اونٹوں کا قافلہ ہے جن میں سو اونٹ تو سواری کے لئے ہیں اور دو سو اونٹوں پر سامان لدا ہوا ہے۔ ہم نے پوچھا یہ سامان کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا ہے۔ ہم نے حیران ہو کر کہا کیا یہ سارا انہی کا ہے؟ ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ لوگوں میں

سب سے زیادہ متواضع انسان ہیں (اور یہاں نقشہ اور ہی طرح کا نظر آ رہا ہے) لوگوں نے بتایا کہ (یہ سارا سامان ہے تو ان کا ہی لیکن اپنے پر خرچ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ دوسروں پر خرچ کرنے کے لئے ہے) یہ سو اونٹ تو ان کے مسلمان بھائیوں کے لئے ہیں جن کو یہ سواری کے لئے دیں گے اور ان دو سو اونٹوں کا سامان ان کے پاس مختلف شہروں سے آنے والے مہمانوں کے لئے ہے۔ یہ سن کر ہمیں بہت زیادہ تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا تم تعجب نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مالدار آدمی ہیں اور وہ اپنے پاس آنے والے ہر مہمان (کی مہمانی بھی کرتے ہیں اور جاتے وقت اسے) زاد راہ دینا اپنے ذمہ مستقل حق سمجھتے ہیں۔ ہم نے کہا ہمیں بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا وہ اس وقت مسجد حرام میں ہیں۔ چنانچہ ہم انہیں ڈھونڈنے گئے تو دیکھا کعبہ کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں، چھوٹے قد کے ہیں، آنکھوں میں نمی ہے، دو چادریں اوڑھی ہوئی ہیں اور سر پر عمامہ باندھا ہوا ہے اور ان پر قمیص نہیں ہے اور اپنے دونوں جوتے بائیں طرف لٹکائے ہوئے ہیں۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مغز سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے ابو ثابت! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے! میں نے چالیس اونٹ ذبح کئے تھے تو میرا دل چاہا کہ میں آپ کو پیٹ بھر کر مغز کھلاؤں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نوش فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی المنتخب)

حضرت عروہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے قلعہ پر کھڑے ہوئے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ جو چربی یا گوشت کھانا چاہتا ہے وہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آ جائے۔ پھر (ان کے انتقال کے بعد) ایک دن میں مدینہ کے راستہ پر جا رہا تھا اس وقت میں نوجوان تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عالیہ محلّہ میں اپنی زمین پر جاتے ہوئے میرے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا اے جوان! جاؤ اور دیکھ کر آؤ

کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قلعہ پر کیا کوئی آدمی کھانے پر بلانے کے لئے اعلان کر رہا ہے؟ میں نے دیکھ کر انہیں بتایا کہ کوئی نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا تم نے سچ کہا (اتنی زیادہ سخاوت تو ان باپ بیٹے کی ہی خصوصیت تھی اب وہ بات نہ رہی)۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت ابوشعیب انصاری رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ انصار میں ایک آدمی تھے جن کو ابوشعیب رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا۔ ان کا ایک غلام گوشت بنانے کا ماہر تھا۔ انہوں نے اس غلام سے کہا تم میرے لئے کھانا تیار کرو۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مزید چار آدمیوں کو بلانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مع چار اور آدمیوں کے کھانے کی دعوت دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے تو ایک آدمی خود ہی ان حضرات کے پیچھے پیچھے آنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے ہم پانچ آدمیوں کو دعوت دی تھی یہ آدمی از خود ہمارے پیچھے آ رہا ہے اب اگر تم چاہو تو اسے بھی اجازت دے دو ورنہ رہنے دو۔ حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں اسے بھی اجازت ہے۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بھوک کے آثار محسوس کئے تو اپنے غلام سے کہا تمہارا بھلا ہو تم ہمارے لئے پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ (اخرجہ مسلم)

ایک درزی کا کھانا کھلانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے کھانا تیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلایا۔ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس دعوت میں چلا گیا تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے کناروں سے کدو تلاش کر رہے تھے۔ اس دن سے مجھے بھی کدو بہت مرغوب ہو گیا ہے۔ (اخرجہ مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ اتنے میں ایک سخت چٹان ظاہر ہوئی (جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ٹوٹ نہ سکی) صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خندق میں ایک سخت چٹان ظاہر ہوئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خود اترتا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو آپ کے پیٹ مبارک پر (بھوک کی وجہ سے) پتھر بندھا ہوا تھا کیونکہ تین دن سے ہم لوگوں نے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ پھر آپ نے کدال لے کر اس زور سے اس چٹان پر ماری کہ وہ ریت کے ڈھیر کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت دیں (آپ نے اجازت دی) میں نے گھر جا کر اپنی بیوی سے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید بھوک کی ایسی حالت دیکھی ہے کہ جس کے بعد میں رہ نہیں سکا۔ کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ اس نے کہا کچھ جو اور بکری کا ایک بچہ ہے۔ میں نے بکری کا وہ بچہ ذبح کیا اور اس کا گوشت تیار کیا۔ اس نے جو پیس کر اس کا آٹا گوندھا۔ پھر ہم نے گوشت ہانڈی میں ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا۔ اتنے میں آٹا بھی خمیر ہو کر روٹی پکنے کے قابل ہو گیا اور ہانڈی بھی چولہے پر پکنے والی ہو گئی۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا میں نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے یا رسول اللہ! آپ تشریف لے چلیں اور ایک دو اور آدمی بھی ساتھ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کھانا کتنا ہے؟ میں نے آپ کو بتا دیا۔ آپ نے فرمایا بڑا عمدہ کھانا ہے اور بہت زیادہ ہے اور اپنی بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں آ نہ جاؤں، نہ وہ ہانڈی چولہے سے اتارے اور نہ روٹی تنور سے نکالے۔

پھر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا اٹھو (کھانے کے لئے چلو) چنانچہ مہاجرین اور انصار کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے۔ میں جب گھر پہنچا تو میں نے بیوی سے کہا تیرا بھلا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ مہاجرین و انصار اور دوسرے حضرات کو لے کر تشریف لا رہے ہیں۔ میری بیوی نے کہا کیا تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے پوچھا تھا (کہ کھانا کتنا ہے؟) میں نے کہا ہاں (پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو لا رہے ہیں تو اب وہ ہی سب کے کھانے کا انتظام کریں گے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر پہنچ گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندر آ جاؤ اور بھیڑ نہ کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر گوشت رکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیتے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہانڈی سے گوشت اور تنور سے روٹی لیتے تو انہیں ڈھانک دیتے۔ اسی طرح آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گوشت ہانڈی سے نکال کر اور روٹی توڑ توڑ کر دیتے رہے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور کھانا پھر بھی بچ گیا اور (میری بیوی سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تم بھی کھالو اور دوسروں کے گھروں میں بھی بھیج دو۔ کیونکہ تمام لوگوں کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ (اخرجہ البخاری وتفرد بہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک مرتبہ کھانا تیار کیا اور مجھ سے کہا جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلا لاؤ۔ چنانچہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر چپکے سے عرض کیا کہ میری والدہ نے کچھ کھانا تیار کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ کے ساتھ پچاس آدمی کھڑے ہو کر چل پڑے (آپ ہمارے گھر تشریف لے آئے) اور آپ دروازے پر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا دس دس کو اندر بھیجتے جاؤ۔ چنانچہ سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانا جتنا پہلے تھا اتنا ہی بچ گیا۔ (دس کا اس لئے فرمایا کہ اندر اس سے زیادہ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی) (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی، بہت کمزور ہو رہی تھی اور صاف پتہ چل رہا تھا کہ یہ کمزوری بھوک کی وجہ سے ہے۔ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے۔ پھر انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں اور اپنی اوڑھنی کے ایک حصہ میں لپیٹ کر میرے کپڑے کے نیچے چھپا دیں اور اوڑھنی کا باقی حصہ مجھے اوڑھا

دیا۔ پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔

میں یہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے آپ کو مسجد میں بیٹھا ہوا پایا آپ کے پاس اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان لوگوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا کھانے کے لئے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں (یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتائی تھیں) آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا چلو اٹھو پھر آپ (ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر) چل پڑے۔ میں ان حضرات کے آگے آگے چل رہا تھا۔ میں نے جلدی سے گھر پہنچ کر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بتایا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لا رہے ہیں)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اُم سلیم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس انہیں کھلانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ ہے کہ ہمارے پاس کتنا کھانا ہے اور پھر اتنے سارے لوگوں کو لے کر آ رہے ہیں تو اب تو) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانیں (ہمیں فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں) چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہی میں استقبال کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور فرمایا اے اُم سلیم! تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ لے آؤ۔ چنانچہ وہ جو کی روٹیاں لے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ٹکڑے کرنے کا حکم دیا تو ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ پھر حضرت اُم سلیم نے ان پر کپی سے گھی نچوڑ کر سالن بنا دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کھانے پر تھوڑی دیر کچھ پڑھتے رہے (یعنی برکت کی دعا فرمائی) پھر فرمایا دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔

چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دی۔ جب انہوں نے خوب سیر ہو کر کھا لیا اور باہر چلے گئے تو آپ نے فرمایا اب اور دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو۔ انہوں نے دس کو اجازت دے دی۔ جب ان دس آدمیوں نے بھی خوب سیر ہو کر

کھالیا اور باہر چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اور دس آدمیوں کو اجازت دے دو۔ اس طرح سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا۔ ان حضرات کی تعداد ستر یا اسی تھی۔ طبرانی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ حضرات سو کے قریب تھے۔ (اخرجہ مسلم، واخرجہ ایضاً البخاری عن انس)

حضرت اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت قیس بن ابی حازمؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت اشعث رضی اللہ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور بعد میں پھر مسلمان ہو گئے تھے اور ان) کو قید کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے ان کی بیڑیاں کھول دیں (اور انہیں اسلام لے آنے کی وجہ سے آزاد کر دیا) اور اپنی بہن سے ان کی شادی کر دی۔ یہ اپنی تلوار سونت کر اونٹوں کے بازار میں داخل ہو گئے اور جس اونٹ یا اونٹنی پر نظر پڑتی اس کی کونچیں کاٹ ڈالتے۔ لوگوں نے شور مچا دیا کہ اشعث تو کافر ہو گیا۔ جب یہ فارغ ہوئے تو اپنی تلوار پھینک کر فرمایا اللہ کی قسم! میں نے کفر اختیار نہیں کیا لیکن اس شخص نے یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے میری شادی کی ہے۔ اگر ہم اپنے علاقہ میں ہوتے تو ہمارا ولیمہ کچھ اور طرح کا ہوتا یعنی بہت اچھا ہوتا۔ اے مدینہ والو! تم ان تمام اونٹوں کو ذبح کر کے کھالو اور اے اونٹوں والو! آؤ اپنے اونٹوں کی قیمت لے لو۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا کھانا کھلانا

حضرت حسن بن حکیمؒ اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے ہاں صبح و شام ثرید کا ایک بڑا پیالہ بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ (اخرجہ ابن سعد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کی تفصیلات

حضرت عبداللہ ہوزنیؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے حلب میں میری ملاقات ہوئی۔ میں نے عرض کیا اے بلال! آپ ذرا مجھے یہ بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت تھی؟

انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہوتا تو تھا نہیں۔ آپ کی بعثت کے وقت سے لے کر آپ کی وفات تک یہ خدمت میرے ہی سپرد رہی جس کی صورت یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان آپ کے پاس آتا اور آپ اسے ضرورت مند سمجھتے تو آپ ارشاد فرمادیتے میں جا کر کہیں سے قرض لے کر چادر اور کھانے کی کوئی چیز خرید لاتا اور چادر اسے پہنا دیتا اور کھانا کھلا دیتا۔

ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے سامنے سے آتا ہوا ملا۔ اس نے کہا اے بلال! مجھے خوب وسعت حاصل ہے تم کسی سے قرض نہ لیا کرو، جب ضرورت ہو مجھ سے ہی لیا کرو میں نے اسی سے قرض لینا شروع کر دیا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان دینے کے لئے کھڑا ہوا ہی تھا کہ وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا او حبشی! میں نے کہا میں حاضر ہوں (کیا کہتے ہو؟) وہ بڑی ترش روئی کے ساتھ پیش آیا اور بہت برا بھلا کہنے لگا اور کہنے لگا تمہیں معلوم ہے کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟

میں نے کہا عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ اس نے کہا چار دن باقی ہیں۔ اگر تو نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو میں تجھے اس کے عوض غلام بنالوں گا میں نے تم کو یہ قرضہ جو دیا ہے وہ تمہاری یا تمہارے ساتھی کی بزرگی کی وجہ سے نہیں دیا ہے بلکہ اس لئے دیا ہے تاکہ تم میرے غلام بن جاؤ پھر تم پہلے جس طرح بکریاں چرایا کرتے تھے اسی طرح تمہیں بکریاں چرانے میں لگا دوں۔ (یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا) اور ایسی باتیں سن کر لوگوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ سب میرے دل میں بھی پیدا ہوئے۔ پھر میں نے جا کر اذان دی۔ جب میں عشاء کی نماز پڑھ چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر تشریف لے گئے تو میں نے اندر حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمادی۔

میں نے اندر جا کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جس مشرک کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا کہ میں اس سے قرضہ لیتا رہتا ہوں آج اس نے آ کر مجھے بہت برا بھلا کہا ہے اور اس وقت نہ آپ کے پاس اس کے قرضے کی ادائیگی کا فوری انتظام ہے اور نہ میرے پاس ہے اور وہ مجھے ضرور رسوا کرے گا اس لئے آپ مجھے اجازت دے دیں، میں ان مسلمان قبیلوں میں سے کسی قبیلہ میں چلا جاتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دے دیں گے جس سے میرا یہ قرضہ ادا ہو سکے تو پھر میں آ جاؤں گا۔ یہ عرض کر کے میں اپنے گھر آیا اور اپنی تلوار، تھیلا، نیزہ اور جوتی اپنے سر ہانے رکھ کر مشرق کی طرف منہ کر کے صبح کے انتظار میں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر نیند آتی۔ پھر فکر کی وجہ سے میری آنکھ کھل جاتی۔ لیکن جب میں دیکھتا کہ ابھی رات باقی ہے تو میں دوبارہ سو جاتا۔ جب صبح کاذب ہوگئی تو میں نے جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اتنے میں ایک صاحب نے آکر آواز دی اے بلال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں فوراً چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ چار اونٹنیاں سامان سے لدی ہوئی بیٹھی ہیں۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا خوش ہو جاؤ! اللہ نے تمہارے قرضہ کی ادائیگی کا انتظام کر دیا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا پھر آپ نے فرمایا کیا تمہارا گزر بیٹھی ہوئی چار اونٹنیوں پر نہیں ہوا ہے؟ میں نے کہا جی ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سامان سمیت تمہارے حوالے ہیں تم یہ لے لو اور اپنا قرضہ ادا کرلو۔ میں نے دیکھا تو ان پر کپڑے اور غلہ لدا ہوا تھا جو فدک کے رئیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ چنانچہ میں نے وہ اونٹنیاں لیں اور ان کا سارا سامان اتارا اور ان کے سامنے چارہ ڈالا۔ پھر میں نے فجر کی اذان دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں بقیع چلا گیا اور وہاں جا کر دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے یہ اعلان کیا کہ جس کا بھی اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ قرضہ ہے وہ آ جائے۔

چنانچہ وہ کپڑے اور غلہ خریداروں کے سامنے پیش کرتا اور اسے بیچ کر قرضہ ادا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روئے زمین میں کچھ بھی قرضہ باقی نہ رہا بلکہ دو یا ڈیڑھ اوقیہ چاندی بچ گئی یعنی اسی یا ساٹھ درہم۔ اسی میں دن کا اکثر حصہ گزر چکا تھا پھر میں مسجد گیا تو آپ وہاں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا جو کام تمہارے ذمہ تھا اس کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جتنا قرض تھا وہ سب اللہ نے اتروا دیا اب کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا اس میں سے کچھ بچا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں دو دینار بچے ہیں (قرض ادا کرنے کے بعد دو

یا ڈیڑھ اوقیہ چاندی بچی تھی لیکن وہاں سے مسجد تک آتے آتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ لوگوں کو دیتے چلے آئے ہوں گے اس لئے جب مسجد میں پہنچے تو صرف دو دینار باقی رہ گئے) آپ نے فرمایا انہیں بھی تقسیم کر دو تاکہ مجھے راحت حاصل ہو۔ جب تک تم انہیں خرچ کر کے مجھے راحت نہیں پہنچا دیتے میں اس وقت تک اپنے کسی گھر میں نہیں جاؤں گا۔

چنانچہ اس دن ہمارے پاس کوئی نہیں آیا (اور وہ خرچ نہ ہو سکے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رات مسجد میں گزاری اور اگلا دن بھی سارا مسجد میں ہی گزارا۔ شام کو دو سوار آئے۔ میں ان دونوں کو لے گیا اور ان دونوں کو کپڑے پہنائے اور غلہ بھی دیا۔ جب آپ عشاء سے فارغ ہوئے تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا جو تمہارے پاس بچا تھا اس کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے خرچ کرنے کی صورت بنا کر آپ کی راحت کی صورت پیدا کر دی ہے۔

آپ نے خوش ہو کر فرمایا اللہ اکبر اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ آپ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو موت آ جائے اور یہ بچا ہوا سامان آپ کے پاس ہی ہو۔ پھر وہاں سے آپ چلے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک ایک اہلیہ محترمہ کے پاس گئے اور ہر ایک کو الگ الگ سلام کیا اور پھر جس گھر میں رات گزارنی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ یہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ اخراجات کی صورت جس کے بارے میں تم نے پوچھا تھا۔ (اخرجہ البیہقی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت حسنؒ کہتے ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک زمین سات لاکھ میں بیچی تو یہ رقم ایک رات ان کے پاس رہ گئی تو انہوں نے وہ ساری رات اس مال کے ڈر سے جاگ کر گزاری۔ صبح ہوتے ہی وہ ساری رقم تقسیم کر دی۔ (اخرجہ ابو نعیم)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سعدیٰ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں ایک دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے وہ مجھے بڑے غمگین نظر آئے۔ میں نے کہا کیا بات ہے مجھے آپ کا چہرہ بڑا پریشان نظر آ رہا ہے۔ کیا ہماری طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئی ہے۔ تم تو بہت اچھی بیوی ہو میں اس وجہ سے غمگین و پریشان ہوں کہ میرے پاس بہت سا مال جمع ہو گیا ہے۔ میں

نے کہا آپ آدمی بھیج کر اپنے رشتہ داروں اور اپنی قوم کو بلالیں اور ان میں یہ مال تقسیم کر دیں۔

چنانچہ انہوں نے بلا کر ان میں سارا مال تقسیم کر دیا پھر میں نے خزانچی سے پوچھا کہ انہوں نے کتنا مال تقسیم کیا ہے۔ اس نے بتایا چار لاکھ۔ ان کی روزانہ آمدن ایک ہزار وافی تھی (ایک وافی ایک درہم اور چار دانق کا ہوتا ہے اور ایک درہم میں چھ دانق ہوتے ہیں لہٰذا ہزار وافی کے ایک ہزار چھ سو چھیاسٹھ درہم اور چار دانق ہوئے) اسی سخاوت کی وجہ سے انہیں طلحہ فیاض کہا جاتا تھا یعنی بہت زیادہ سخی۔ (اخرجہ الحاکم ایضاً)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی مثالی سخاوت

حضرت سعید بن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہزار غلام تھے جو انہیں مال کما کر دیا کرتے تھے۔ وہ روزانہ شام کو ان سے مال لے کر رات ہی کو سارا تقسیم کر دیتے اور جب گھر واپس جاتے تو اس میں سے کچھ بھی بچا ہوا نہ ہوتا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت مغیث بن سُمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جو انہیں مال کما کر دیا کرتے تھے۔ وہ ان غلاموں کی آمدن میں سے ایک درہم بھی گھر نہیں لے جاتے تھے (بلکہ ساری آمدن دوسروں میں تقسیم کر دیتے تھے) (اخرجہ البیہقی)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے دن (میرے والد) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو مجھے بلایا میں ان کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! آج جو بھی قتل ہوگا اسے فریق مخالف ظالم سمجھے گا اور وہ خود اپنے آپ کو مظلوم سمجھے گا اور مجھے ایسا نظر آ رہا ہے کہ میں بھی آج ظلماً قتل ہو جاؤں گا اور مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے قرضے کی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے قرضہ ادا کرنے کے بعد ہمارے مال میں سے کچھ بچے گا! اے میرے بیٹے! ہمارا مال بیچ کر قرضہ ادا کر دینا۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد جو مال بچے اس کا ایک تہائی (ورثاء کے علاوہ) دوسروں کو دے دیا جائے اور اس ایک تہائی کا ایک تہائی (یعنی بچے ہوئے مال کا نواں حصہ) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد کو دے دیا

جائے (کیونکہ حضرت عبداللہ کے بچے بڑے تھے بلکہ ان کی شادیاں بھی ہو چکی تھیں)

چنانچہ حضرت عبداللہ کے کچھ بیٹے حضرت خبیب اور حضرت عباد (عمر میں یا مال کے حصہ میں) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بعض بیٹوں کے برابر تھے اور خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنے قرضہ کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا اے میرے بیٹے! اگر میرے قرض کی ادائیگی میں کچھ مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے مدد لے لینا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں اللہ کی قسم! میں سمجھ نہ سکا کہ مولیٰ سے ان کی مراد کون ہے؟ اس لئے میں نے پوچھا ابا جان! آپ کے مولیٰ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ۔

چنانچہ حضرت عبداللہ کہتے ہیں جب بھی مجھے ان کے قرضے کے بارے میں کوئی مشکل پیش آتی تو میں کہتا اے زبیر کے مولیٰ! زبیر کا قرضہ ادا کرادیں۔ اللہ تعالیٰ فوراً اس کا انتظام فرما دیتے۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس دن شہید ہو گئے۔ انہوں نے ترکہ میں کوئی دینار یا درہم نہ چھوڑا۔ البتہ چند زمینیں، مدینہ میں گیارہ گھر، بصرہ میں دو گھر، کوفہ میں ایک گھر اور مصر میں ایک گھر چھوڑا۔ ان چند زمینوں میں سے ایک زمین (مدینہ سے چند میل دور) غابہ کی تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر اتنا قرضہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس جو آدمی اپنا مال بطور امانت رکھوانے آتا اس سے فرماتے میرے پاس امانت نہ رکھواؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے اس لئے مجھے قرض دے دو (جب ضرورت ہو لے لینا اور لوگوں سے لے کر دوسروں پر خرچ کر دیتے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نہ کبھی امیر بنے اور نہ کبھی خراج، زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے کی ذمہ داری لی۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے (اور ان غزوات سے جو مال غنیمت ملا اس سے ان کی اتنی جائیداد ہو گئی تھی) بہر حال میں نے اپنے والد کے قرض کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ نکلا۔

ایک دن حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے۔ انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے! میرے بھائی (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) پر کتنا قرض ہے؟ میں نے چھپاتے ہوئے کہا ایک لاکھ (جتنا بتایا اس میں تو سچے ہیں) حضرت حکیم نے کہا اللہ کی قسم! میرے خیال

میں تو تمہارا سارا مال اس قرضہ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ میں نے کہا اگر بائیس لاکھ قرض ہو تو پھر؟ انہوں نے کہا میرے خیال میں تو تم اسے ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اگر تمہیں قرضہ کی ادائیگی میں کوئی مشکل پیش آئے تو مجھ سے مدد لے لینا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی۔ میں نے اس کی قیمت لگوائی تو سولہ لاکھ قیمت لگی (میں نے اس زمین پر سولہ حصے بنائے تھے ایک حصہ کی قیمت ایک لاکھ لگی) پھر میں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا جس کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمہ کوئی حق ہو وہ ہمیں غابہ میں آ کر مل لے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمہ چار لاکھ درہم تھے انہوں نے مجھ سے آ کر کہا اگر تم کہو تو میں تمہاری خاطر یہ قرضہ چھوڑ دیتا ہوں! میں نے کہا نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو میرا قرضہ آخر میں ادا کر دینا! میں نے کہا نہیں، آپ ابھی لے لیں۔ انہوں نے کہا اچھا پھر مجھے اس زمین سے میرے قرضے کے بقدر ٹکڑا دے دو۔ میں نے کہا یہاں سے لے کر وہاں تک آپ کی زمین ہے۔

چنانچہ غابہ کی زمین (اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے گھروں) کو بیچ کر میں قرضہ ادا کرتا رہا یہاں تک کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا اور غابہ کی زمین (کے سولہ حصوں) میں سے ساڑھے چار حصے بچ گئے۔

میں بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے پاس حضرت عمرو بن عثمان، حضرت منذر بن زبیر اور حضرت ابن زمعہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا تم نے غابہ کی زمین کی کیا قیمت لگائی؟ میں نے کہا (اس کے سولہ حصے کئے تھے اور) ہر حصہ ایک لاکھ کا بنا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اب کتنے حصے باقی ہیں؟ میں نے کہا ساڑھے چار حصے۔

حضرت منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ایک حصہ میں نے ایک لاکھ میں خرید لیا۔

پھر حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ایک حصہ میں نے ایک لاکھ میں خرید لیا پھر حضرت ابن زمعہ نے کہا ایک حصہ میں نے ایک لاکھ میں خرید لیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اب کتنے حصے رہ گئے؟ میں نے کہا ڈیڑھ۔ انہوں نے کہا ڈیڑھ لاکھ میں میں نے اسے خرید لیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنا حصہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چھ لاکھ میں بیچا۔

جب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قرضے کی ادائیگی سے فارغ ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد یعنی میرے بہن بھائیوں نے کہا اب میراث ہمارے درمیان تقسیم کر دیں۔ میں نے کہا نہیں اللہ کی قسم! میں تم لوگوں کے درمیان میراث اس وقت تک تقسیم نہیں کروں گا جب تک میں چار سال موسم حج میں یہ اعلان نہیں کر لیتا کہ جس کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمہ کوئی قرضہ ہو وہ ہمارے پاس آ جائے ہم اس کا قرضہ ادا کریں گے۔

چنانچہ میں ہر سال موسم حج میں یہ اعلان کرتا رہا جب چار سال گزر گئے تو پھر میں نے ان کے درمیان میراث تقسیم کی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی مال کی وصیت کی تھی۔ وہ تہائی مال دینے کے بعد ہر بیوی کو بارہ لاکھ ملے۔ لہٰذا ان کا سارا مال پانچ کروڑ دو لاکھ ہوا۔

البدایہ میں علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے ورثاء میں جو مال تقسیم ہوا وہ تین کروڑ چوراسی لاکھ تھا اور ایک تہائی کی جو وصیت کی تھی وہ ایک کروڑ بانوے لاکھ تھا۔ لہٰذا یہ میراث اور ایک تہائی مل کر پانچ کروڑ چھہتر لاکھ ہوا اور پہلے جو قرضہ ادا کیا گیا وہ بائیس لاکھ تھا۔ اس حساب سے قرض ایک تہائی اور میراث مل کر کل مال پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ ہوا۔ (کذافی البدایہ)

صدقہ کا اہتمام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم لوگوں کو صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اور اپنے اوپر بوجھ لاد کر مزدوری میں ایک مدّ (جو حنفیہ کے نزدیک ایک سیر وزن ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک تین پاؤ سے بھی کچھ کم ہے، کماتے اور اس کو صدقہ کر دیتے (فتح)

آج ہم میں سے بھی کوئی اس اُمنگ کا آدمی ہے کہ اسٹیشن پر جا کر صرف اس لئے بوجھ اٹھائے کہ دو چار آنے جو مل جائیں گے وہ ان کو صدقہ کر دے گا۔ ان حضرات کو آخرت کے کھانے کا ہر وقت اتنا ہی فکر رہتا تھا جتنا ہمیں دنیا کے کھانے کا۔ ہم اس لئے

مزدوری کرتے ہیں کہ آج کھانے کو کچھ نہیں لیکن یہ اس لئے مزدوری کرتے تھے کہ آج آخرت میں جمع کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ ابتداء اسلام میں بعض منافق ایسے لوگوں پر طعن کرتے تھے جو مشقت اٹھا کر تھوڑا تھوڑا صدقہ کرتے تھے۔

نیکی پر دس گنا اجر

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ اپنی والدہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کہو کہ میں نے جو چھ درہم تمہارے پاس رکھے ہیں ان میں سے ایک دے دو۔ صاحبزادے گئے اور یہ جواب لائے کہ وہ آپ نے آٹے کے واسطے رکھوائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ایمان میں اس وقت تک سچا نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے پاس کی موجودہ چیز سے اس چیز پر زیادہ اعتماد نہ ہو جو اللہ جل شانہٗ کے پاس ہے اپنی والدہ سے کہو کہ وہ چھ درم سب کے سب دے دو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو یاددہانی کے طور پر فرمایا تھا ان کو اس میں کیا تامل ہوسکتا تھا اس لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دے دیئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ سب سائل کو دے دیئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اس جگہ سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ ایک شخص اونٹ فروخت کرتا ہوا آیا۔ آپ نے اس کی قیمت پوچھی، اس نے ایک سو چالیس درہم بتائے۔ آپ نے وہ اونٹ خرید لیا اور قیمت کی ادائیگی کا بعد کا وعدہ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور اونٹ کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کس کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ فروخت کرتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں اس نے قیمت دریافت کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو سو درہم بتائے وہ خرید کر لے گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سو چالیس درہم اپنے قرض خواہ یعنی پہلے مالک کو دیکر ساٹھ درہم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لا کر دیئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی کرتا ہے اسکو دس گنا بدلہ ملتا ہے۔ (کنز العمال)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مثالی صدقہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ غزوۂ تبوک کا مشہور معروف ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ کا حکم دیا تو جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لاکر پیش کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یعنی ان کی رضا کو، علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں۔ (تاریخ الخلفاء)

خرچ کرنے کی تاکید

محمد بن عباد مہلبیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد مامون رشید بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے ایک لاکھ درہم ہدیۃً دے۔ والد صاحب جب وہاں سے اٹھ کر آئے تو سب کے سب صدقہ کر دیئے۔ مامون کو اس کی اطلاع ہوگئی جب دوبارہ والد صاحب کی ملاقات ہوئی تو مامون نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ والد صاحب نے کہا اے امیر المؤمنین موجود کا روکنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے (احیاء)

یعنی جو چیز موجود ہے اس کو خرچ نہ کرنا اسی خوف سے تو ہوتا ہے کہ یہ نہ رہے گی تو کہاں سے آئے گی تو گویا جس مالک نے اس وقت دیا ہے اس کو دوبارہ دینا مشکل پڑ جائے گا؟

صدقہ کرنے کا ایک اہم مسئلہ

ابوداؤد شریف میں ایک قصہ وارد ہوا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص حاضر ہوئے اور ایک بیضہ کے بقدر سونا پیش کر کے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ مجھے ایک معدن سے مل گیا ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جانب سے اعراض فرما لیا وہ صاحب دوسری جانب سے حاضر ہوئے اور یہی درخواست مکرر پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔

اسی طرح متعدد مرتبہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ڈلی کو لے کر ایسے زور

سے پھینکا کہ اگر وہ ان کے لگ جاتی تو زخمی کر دیتی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ میں پیش کر دیتے ہیں پھر وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ سے ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (ان کی بدحالی دیکھ کر) لوگوں سے کپڑا صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ لوگوں نے کچھ کپڑے پیش کیے، جن میں سے دو کپڑے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو بھی مرحمت فرمائے جو اس وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے۔

اس کے بعد دوسرے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے بھی اپنے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی اور ان کا کپڑا واپس فرما دیا۔ (ابوداؤد)

ایسے حضرات کو سارا حال صدقہ کر دینے میں مضائقہ نہیں۔ البتہ اس کی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہیے کہ اپنا مال بھی ان حضرات جیسا کہ بن جائے اور دنیا سے ایسی ہی بے رغبتی اور حق تعالیٰ شانہٗ پر ایسا ہی اعتماد پیدا ہو جائے جیسا ان حضرات کو تھا اور جب آدمی کسی کام کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ وہ چیز عطا فرماتے ہی ہیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ ضرب المثل ہے کہ "جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے"

ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ کتنے مال میں کتنی زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عوام کے لئے دوسو درہم میں پانچ درہم یعنی چالیسواں حصہ شریعت کا حکم ہے لیکن ہم لوگوں پر سارا مال صدقہ کر دینا واجب ہے۔ (احیاء اوّل)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اہتمام صدقہ

اسی ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ نمبر ایک کہ اگر اُحد کا پہاڑ سارے کا سارا سونا بن جائے تو مجھے یہ گوارا نہیں کہ اس میں سے ایک درہم بھی باقی رکھوں بجز اس کے جو قرضہ کی ادائیگی کے لئے ہو۔ اسی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عصر کی نماز کے بعد نہایت عجلت

سے مکان تشریف لے گئے اور سونے کا ٹکڑا جو گھر میں اتفاق سے رہ گیا تھا اس کو صدقہ کا حکم فرما کر واپس تشریف لائے اور چند داموں کی موجودگی کی وجہ سے اپنی علالت میں بے چین ہو گئے۔

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں فرمایا کہ صدقہ بغیر غنیٰ کے نہیں ہے اور جو شخص ایسی حالت میں صدقہ کرے کہ وہ خود محتاج ہو یا اس کے اہل و عیال محتاج ہوں یا اس پر قرض ہو تو قرض کا ادا کرنا مقدم ہے۔ ایسے شخص کا صدقہ اس پر لوٹا دیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص صبر کرنے میں معروف ہو اور اپنے نفس پر باوجود اپنی احتیاج کے ترجیح دے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل تھا یا انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

غنی کی وضاحت

صاحب مظاہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ صدقہ غنی سے دیا جائے۔ چاہے غنی نفس ہو، یعنی اللہ جل شانہٗ پر اعتماد کامل ہو جیسا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تمام مال اللہ کے لئے دے دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی۔ اور یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر مال کا غنیٰ باقی رہے۔

حاصل یہ ہے کہ توکل کامل ہو تو جو چاہے خرچ کر دے، اور توکل کامل نہ ہو تو اہل و عیال کی رعایت کو مقدم کرے (مظاہر) مگر اپنے دل کو اپنی اس کوتاہی پر تنبیہ کرتا رہے اور غیرت دلاتا رہے کہ تجھے اس ناپاک دنیا پر جتنا اعتماد ہے اللہ جل شانہٗ پر اس کا آدھا تہائی بھی نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اس کے بار بار تنبیہ سے ضرور اثر ہوگا۔ کاش حق تعالیٰ شانہٗ ان کابر کے توکل اور اعتماد کا کچھ حصہ اس کمینہ کو بھی عطا فرما دیتا۔

ہمارے حضرت بقیۃ السلف فخر الاماثل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ان مدارس کے روپے سے جتنا ڈرتا ہوں لوگوں کے مملوک روپے سے اتنا نہیں ڈرتا۔ اگر کسی کے ذاتی مال میں کچھ بے احتیاطی ہو جائے، اس سے آخر میں معاف کرا لے تو وہ معاف ہو جاتا ہے لیکن مدارس کا روپیہ دنیا بھر کا چندہ ہے اور منتظمین

مدارس امین ہیں۔ اگر اس میں کوئی خیانت ہو یا ناحق تصرف ہو تو وہ منتظمین کے معاف کرنے سے معاف تو ہوتا نہیں، البتہ وہ خود معاف کر کے اس جرم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف و کرم سے حقوق العباد کے معاملہ سے محفوظ رکھے کہ یہ بڑی سخت چیز ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا واقعہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی کے واقعات اس کثرت سے اس چیز کی مثالیں ہیں کہ ان کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ غزوہ تبوک کے وقت جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چندہ کی تحریک فرمائی، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس وقت جو کچھ گھر میں رکھا تھا سب کچھ جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا مشہور واقعہ ہے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابو بکر گھر میں کیا چھوڑا تو آپ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (یعنی ان کی خوشنودی کا ذخیرہ) گھر میں موجود ہے۔ بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس سے بڑھ کر کیا وضاحت ہو سکتی ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں تعریف کے موقع پر فرمایا:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى۔ (الایۃ واللیل) ”اور اس (آگ سے) وہ شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو اپنا مال اس غرض سے (اللہ کے راستہ میں) دیتا ہے کہ پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کوئی اور اس کی غرض نہیں ہے اور) کسی کا اُس کے ذمہ کوئی احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اُتارنا مقصود ہو۔“ (اس میں نہایت ہی مبالغہ اخلاص کا ہے کیونکہ کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا بھی مطلوب اور مندوب ہے۔ مگر فضیلت میں احسان ابتدائی کے برابر نہیں۔ (بیان القرآن)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کمال ایثار

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی حاجت پیش کر کے کچھ مدد چاہی اور سوال کیا۔ آپ نے فرمایا تیرے سوال کی وجہ سے جو مجھ پر حق قائم ہو گیا ہے وہ میری نگاہ میں بہت اونچا ہے اور تیری جو مدد مجھے کرنا چاہیے وہ میرے نزدیک

بہت زیادہ مقدار ہے اور میری مالی حالت اس مقدار کے پیش کرنے سے عاجز ہے جو تیری شان کے مناسب ہو، اور اللہ کے راستہ میں تو آدمی جتنا بھی زیادہ سے زیادہ خرچ کرے وہ کم ہی ہے لیکن میں کیا کروں، میرے پاس اتنی مقدار نہیں ہے جو تیرے سوال کے شکر کے مناسب ہو، اگر تو اس کے لئے تیار ہو کہ جو میرے پاس موجود ہے اس کو تو خوشی سے قبول کر لے اور مجھے اس پر مجبور نہ کرے کہ میں اس مقدار کو کہیں سے حاصل کروں جو تیرے مرتبہ کے مناسب ہو اور تیرا جو حق مجھ پر واجب ہو گیا ہے اس کو پورا کر سکے تو میں بخوشی حاضر ہوں۔

اس سائل نے کہا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے! میں جو کچھ آپ دیں گے اسی کو قبول کر لوں گا اور اس پر شکر گزار ہوں گا اور اس سے زیادہ نہ کرنے میں آپ کو معذور سمجھوں گا۔

اس پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خزانچی سے فرمایا کہ ان تین لاکھ درہموں میں سے (جو تمہارے پاس رکھوائے تھے) جو بچے ہوں، لے آؤ، وہ پچاس ہزار درہم لائے (کہ اس کے علاوہ سب خرچ کر چکے تھے)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پانچ سو دینار (اشرفیاں) اور بھی تو کہیں تھے، خزانچی نے عرض کیا کہ وہ بھی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ بھی لے آؤ۔ جب یہ سب کچھ آ گیا تو اس سائل سے کہا کہ کوئی مزدور لے آؤ جو ان کو تمہارے گھر تک پہنچا دے۔

وہ دو مزدور لے کر آئے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ سب کچھ انکے حوالہ کر دیا اور اپنے بدن مبارک سے چادر اُتار کر مرحمت فرمائی کہ ان مزدوروں کی مزدوری بھی تمہارے گھر تک پہنچانے کی میرے ہی ذمہ ہے لہٰذا یہ چادر فروخت کر کے انکی مزدوری میں دے دینا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو اب کھانے کے لئے ایک درہم بھی باقی نہیں رہا۔ آپ نے سب کا سب ہی دے دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات سے اس کی قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے مجھے اس کا بہت ثواب دے گا۔ (احیاء)

سب کچھ دے دینے کے بعد جب کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رہا اور مقدار بھی اتنی زیادہ تھی پھر اس کا قلق اور اس کی ندامت تھی کہ سائل کا حق ادا نہ ہو سکا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایثار

بصرہ کے چند قاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے جو بہت کثرت سے روزے رکھنے والا ہے، بہت زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے اس کی عبادت کو دیکھ کر ہم میں سے ہر شخص رشک کرتا ہے اور اس کی تمنا کرتا ہے اس کی سی عبادت ہم بھی کیا کریں۔ اس نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے لیکن غریب کے پاس جہیز کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان حضرات کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھولا جس میں چھ توڑے (روپیہ یا اشرفی کی تھیلی توڑا کہلاتی ہے) نکالے اور ان حضرات کے حوالہ کر دیئے کہ اس کو دے دیں۔ یہ لے کر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ ہم لوگوں نے اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔ یہ مال اس کے حوالہ اگر کر دیا جائے گا تو اس غریب کو بڑی دقت ہوگی وہ اس جہیز کے انتظام کے جھگڑے میں لگ جائے گا جس سے اس کی مشغولی بڑھ جائے گی۔ اس کی عبادت میں حرج ہوگا، اس دنیا کم بخت کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ایک عبادت گزار مؤمن کا حرج کیا جائے، ہماری اس میں کیا شان گھٹ جائے گی کہ ایک دین دار کی خدمت ہم ہی کر دیں لہٰذا اس مال سے شادی کا سارا انتظام ہم سب مل کر کر دیں اور سامان تیار کر کے اس کے حوالہ کر دیں۔ وہ حضرات بھی اس پر راضی ہو گئے اور سارا سامان اس رقم سے مکمل تیار کر کے اس فقیر کے حوالہ کر دیا۔ (احیاء)

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سخاوت

ابو الحسن مدائنیؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں اُن کے سامان کے اونٹ اُن سے جدا ہو گئے۔ یہ بھوکے پیاسے چل رہے تھے، ایک خیمہ پر اُن کا گزر ہوا۔ اس میں ایک بوڑھی عورت تھی، ان حضرات نے اُس سے پوچھا کہ ہمارے پینے کو کوئی چیز (پانی یا دودھ لسی وغیرہ) تمہارے پاس موجود ہے اس نے کہا، ہے، یہ لوگ اپنی اونٹنیوں پر سے

اُترے۔ اُس بڑھیا کے پاس ایک بہت معمولی سی بکری تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا کہ اس کا دودھ نکال لو، اور اس کو تھوڑا تھوڑا پی لو۔ ان حضرات نے اُس کا دودھ نکالا اور پی لیا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز بھی ہے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ یہی بکری ہے۔ اگر اس کو تم میں سے کوئی ذبح کر لے تو میں پکا دوں گی۔ انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ اس نے پکایا۔

یہ حضرات کھا پی کر جب شام کو چلنے لگے تو انہوں نے اُس بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی لوگ ہیں۔ اس وقت حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں۔ اگر ہم زندہ سلامت واپس مدینہ منورہ پہنچ جائیں تو تو ہمارے پاس آنا، تیرے اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ یہ حضرات تو فرما کر چلے گئے۔

شام کو جب اس کا خاوند (کہیں جنگل وغیرہ سے) آیا تو اُس بڑھیا نے ہاشمی لوگوں کا قصہ سنایا۔ وہ بہت خفا ہوا کہ تو نے اجنبی لوگوں کے واسطے بکری ذبح کر ڈالی۔ معلوم نہیں کون تھے کون نہیں تھے، پھر کہتی ہے کہ ہاشمی تھے۔ غرض وہ خفا ہو کر چپ ہو گیا۔

کچھ زمانہ کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو غربت نے جب بہت ستایا تو یہ محنت مزدوری کی نیت سے مدینہ منورہ گئے۔ دن بھر مینگنیاں چنا کرتے اور ان کو بیچ کر گزر کیا کرتے۔

ایک دن وہ بڑھیا مینگنیاں چن رہی تھی، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دروازہ کے آگے تشریف رکھتے تھے۔ جب یہ وہاں سے گزری، تو اس کو دیکھ کر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کو پہچان لیا اور اپنے غلام کو بھیج کر اس کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ اللہ کی بندی تو مجھے بھی پہچانتی ہے، اس نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا۔

آپ نے فرمایا کہ میں تیرا وہی مہمان ہوں دودھ اور بکری والا۔ بڑھیا نے پھر بھی نہ پہچانا اور کہا، کیا خدا کی قسم تم وہی ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں وہی ہوں، اور یہ فرما کر آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک ہزار بکریاں خریدی جائیں۔ چنانچہ فوراً بکریاں خریدی گئیں اور ان بکریوں کے علاوہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) نقد بھی عطا فرمائے۔

اور اپنے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ بھائی نے کیا بدلہ عطا فرمایا۔ اس نے کہا۔ ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر اتنی ہی مقدار دونوں

چیزوں کی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا فرمائی۔

اس کے بعد اس کو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے تحقیق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کیا کیا مرحمت فرمایا۔ اور جب معلوم ہوا کہ یہ مقدار ہے تو انہوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے اور یہ فرمایا کہ اگر تو پہلے مجھ سے مل لیتی تو میں اس سے بہت زیادہ دیتا۔

یہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر خاوند کے پاس پہنچی، کہ یہ اس ضعیف اور کمزور بکری کا بدلہ ہے۔ (احیاء)

اجنبی پر شفقت

عبداللہ بن عامر بن کُریزؓ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی ایک مرتبہ (غالباً رات کا وقت ہوگا مسجد سے باہر آئے، اپنے مکان تنہا جا رہے تھے، راستہ میں ایک نوجوان لڑکا نظر پڑا۔ وہ ان کے ساتھ ہولیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں کچھ کہنا ہے، اس نے عرض کیا۔ جناب کی صلاح وفلاح کا متمنی ہوں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔

میں نے جناب کو تنہا اس وقت جاتے دیکھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس لئے جناب کی حفاظت کے خیال سے ساتھ ہولیا۔ خدا نہ کرے کہ راستہ میں کوئی ناگوار بات پیش آجائے، حضرت عبداللہ بن عامرؓ اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر تک ساتھ لے گئے اور وہاں پہنچ کر ایک ہزار دینار (اشرفیاں) اس کو مرحمت فرمائیں کہ اس کو اپنے کام میں لے آنا تمہارے بڑوں نے تمہیں بہت اچھی تربیت دی ہے۔ (احیاء)

درخت کے بدلے جنت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے مکان میں ایک کھجور کا درخت کھڑا تھا جس کی شاخ پڑوسی کے مکان پر بھی لٹک رہی تھی۔ وہ پڑوسی غریب آدمی تھا۔ جب یہ شخص اپنے درخت پر کھجوریں توڑنے کے لئے چڑھتا تو حرکت سے کچھ کھجوریں پڑوسی کے مکان میں بھی گر جایا کرتیں۔ جن کو اس کے غریب بچے اُٹھا لیا

کرتے۔ یہ شخص درخت پر سے اُترتا اور پڑوسی کے مکان پر جا کر ان بچوں کے ہاتھ میں سے کھجوریں چھین لیتا حتیٰ کہ ان کے منہ سے بھی اُنگلی ڈال کر نکال لیا کرتا۔

اس فقیر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سن کر فرمایا۔ اچھا جاؤ۔ اس کے بعد کھجور کے مالک سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا فلاں کھجور کا درخت جو فلاں شخص کے گھر میں جھک رہا ہے وہ تم مجھے اس وعدہ پر دیتے ہو کہ تمہیں اس کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا درخت مل جائے۔ اس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے اور لوگ بھی خریدار ہوئے اور میرے پاس اور بھی درخت ہیں مگر اس کی کھجوریں مجھے بہت پسند ہیں، اس لئے میں نے فروخت نہیں کیا اور یہ کہہ کر اس کے دینے سے عذر کر دیا۔ (مالک تو بہر حال وہی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا)

ایک تیسرے صاحب بھی اس گفتگو کو سن رہے تھے۔ انہوں نے اس کے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ اگر وہ درخت میں لے کر پیش کر دوں تو میرے لئے بھی وہی وعدہ جنت میں کھجور کے درخت کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم سے بھی وہی وعدہ ہے۔ یہ صاحب اٹھے اور اس مالک درخت کے پاس جا کر کہا کہ میرے پاس بھی کھجور کا باغ ہے، تم اپنے اس درخت کو کسی قیمت پر بیچ سکتے ہو۔ اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے جنت میں درخت کا وعدہ کیا تھا، میں نے اس پر بھی نہیں دیا۔ یہ درخت مجھے بہت پسند ہے میں اس کو بیچ تو سکتا ہوں مگر جتنی قیمت میں چاہتا ہوں اتنی کوئی دے گا نہیں۔ اس نے پوچھا کہ کتنی قیمت چاہیے اس نے کہا کہ چالیس درختوں کے بدلہ میں بیچ سکتا ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ ایک ٹیڑھے درخت کی قیمت چالیس درخت، بہت زیادہ ہے۔ اچھا اگر میں چالیس درخت اس کے بدلہ میں دوں تو تو بیچ دے گا۔

صاحب درخت نے کہا کہ اگر تو اپنی بات میں سچا ہے تو قسم کھا کے میں نے چالیس درخت ایک درخت کے بدلہ میں دے دیئے۔ ان صاحب نے قسم کھالی کہ میں نے چالیس درخت اس ٹیڑھے درخت کے بدلے میں دے دیئے۔ اس کے بعد وہ صاحب درخت پھر گیا کہ میں فروخت نہیں کرتا۔ ان صاحب نے کہا کہ اب تو ہرگز انکار نہیں کر سکتا، تیرے

کہنے پر میں نے قسم کھائی ہے۔ اس نے کہا کہ اچھا اس شرط پر کہ سب کے سب ایک ہی جگہ ہوں۔ انہوں نے تھوڑی دیر سوچ کر اس کا بھی وعدہ کر لیا کہ سب ایک ہی جگہ ہوں گے۔ بات پختہ کر کے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ درخت میں نے خرید لیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فقیر کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہ درخت اس فقیر کو مرحمت فرما دیا اور اس کے بعد سورۂ واللیل نازل ہوئی۔ (درمنثور)

سخاوت کی شہرت

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ احسان اور حسن سلوک اس وقت احسان ہے جب کہ وہ اس کے اہل اور قابل لوگوں پر کیا جائے۔ نالائقوں پر احسان کرنا نامناسب ہے، پس اگر تو کسی پر احسان کیا کرے تو یا تو خالص اللہ کے واسطے صدقہ ہو (کہ اس میں اہلیت کی شرط نہیں ہے کافروں اور جانوروں پر بھی کیا جاتا ہے) یا پھر اہل قرابت پر کیا کر (کہ ان کا حق قرابت ان کی اہلیت پر غالب ہے) اور اگر یہ دونوں باتیں کسی جگہ نہ ہوں تو نالائقوں پر احسان نہیں کرنا چاہیے (ان شعروں میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف اشارہ تھا کہ ان کی سخاوت اور بخشش ایسی عام تھی کہ ہر کس وناکس پر بارش کی طرح برستی تھی)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر سن کر فرمایا کہ یہ شعر آدمی کو بخیل بناتے ہیں۔ میں تو اپنے احسان کو بارش کی طرح سے برساؤں گا۔ اگر وہ کریم اور قابل لوگوں تک پہنچ جائے تو وہ یقیناً اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر احسان کیا جائے۔ اور اگر نااہلوں تک پہنچے تو میں اسی قابل ہوں کہ میرا مال نااہلوں کے پاس ہی جائے۔ (احیاء) یہ تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں بھی نااہل، اس لئے میرا مال بھی ناکارہ ہے۔ اس لئے ناکاروں ہی کے پاس جانا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضی

محمد بن منکدرؒ ایک مرتبہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سخت حاجت کا اظہار کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت بالکل کچھ نہیں ہے۔ اگر میرے پاس دس ہزار بھی ہوتے تو سب کے سب تمہیں دے دیتی مگر اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ واپس چلے گئے تھوڑی دیر بعد خالد بن اسد کے پاس سے دس ہزار کا ہدیہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچا۔

فرمانے لگیں کہ میری بات کا بہت جلد امتحان لیا گیا، تب ہی ابن المنکدرؒ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو بلا کر وہ ساری رقم ان کے حوالہ کر دی۔ جس میں سے ایک ہزار میں انہوں نے ایک باندی خریدی جس کے پیٹ سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ محمد، ابوبکر، عمر، تینوں کے تینوں مدینہ منورہ کے عابد لوگوں میں شمار ہوتے تھے (تہذیب التہذیب)

کیا ان تینوں کی عبادت میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حصہ نہ ہوگا۔ کہ وہی ان کے وجود کا سبب ہوئیں۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت کے واقعات ان کے ابا جان رضی اللہ عنہما کی طرح سے احاطہ سے باہر ہیں۔ تمیم بن عروہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ (اپنے والد کی خالہ) حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا کہ انہوں نے ستر ہزار درہم تقسیم کئے اور خود پیوند لگا ہوا کرتہ پہن رہی تھیں۔ (اتحاف)

ہر ایک کا دوسرے کو ترجیح دینا

واقدیؒ کہتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے ایک ہاشمی اور ایک غیر ہاشمی۔ ہم تینوں میں ایسے گہرے تعلقات تھے کہ ایک جان تین قالب تھے۔ میرے اوپر سخت تنگی تھی۔ عید کا دن آ گیا، بیوی نے کہا کہ ہم تو ہر حال میں صبر کر لیں گے مگر عید قریب آ گئی ہے، بچوں کے رونے اور ضد کرنے نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں یہ محلہ کے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمدہ عمدہ لباس اور سامان عید کے لئے خرید رہے ہیں اور یہ پھٹے پرانے کپڑوں میں پھر رہے ہیں۔ اگر کہیں سے تم کچھ لا سکتے ہو لا دو ان بچوں کے حال پر مجھے بہت ترس آتا ہے، میں ان کے بھی کپڑے بنا دوں۔

میں نے بیوی کی یہ بات سن کر اپنے ہاشمی دوست کو پرچا لکھا، اس میں صورت حال ظاہر کی، اس کے جواب میں اس نے سر بمہر ایک تھیلی میرے پاس بھیجی اور کہا کہ اس میں ایک ہزار

درہم ہیں تم ان کو خرچ کرلو، میرا دل اُس تھیلی سے ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے دوسرے دوست کا پرچہ میرے پاس اسی رقم کے مضمون کا جو میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا تھا، آ گیا، میں نے وہ تھیلی سربمہر اس کے پاس بھیج دی اور گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسجد میں چلا گیا اور دو دن رات مسجد میں ہی رہا، شرم کی وجہ سے خالی ہاتھ گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ تیسرے دن میں گھر گیا اور بیوی سے سارا قصہ سنا دیا، اس کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوا، نہ اس نے کوئی حرف شکایت کا مجھ سے کہا۔ بلکہ میرے اس فعل کو پسند کیا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں ابھی یہ بات ہی کر رہا تھا کہ میرا وہ ہاشمی دوست وہی سربمہر تھیلی ہاتھ میں لیے ہوئے آیا، اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ، اس تھیلی کا کیا قصہ ہوا۔ میں نے اس کو واقعہ سنا دیا، اس کے بعد اس ہاشمی نے کہا کہ جب تیرا پرچہ پہنچا تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کوئی چیز بالکل نہ تھی، میں نے یہ تھیلی تیرے پاس بھیج دی، اس کے بعد میں نے تیسرے دوست کو پرچہ لکھا تو اس نے جواب میں یہی تھیلی میرے پاس بھیجی۔ اس پر مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ تو میں تیرے پاس بھیج چکا تھا۔ یہ اس تیسرے دوست کے پاس کیسے پہنچ گئی۔ اس لئے میں تحقیق کے واسطے آیا تھا۔

واقدیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس تھیلی میں سے سو درہم تو اس عورت کو دے دیے، اور نو سو درہم ہم تینوں نے آپس میں بانٹ لئے اور اس واقعہ کی کسی طرح مامون الرشید کو خبر ہوگئی۔ اس نے مجھے بلایا اور مجھ سے سارا قصہ سنا۔ اس کے بعد مامون الرشید نے سات ہزار درہم دیئے، دو دو ہزار ہم تینوں کو اور ایک ہزار عورت کو۔ (اتحاف)

مساکین کو خود پر ترجیح

حضرت سعید بن عامرؓ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے حمص کے حاکم (گورنر) تھے اہل حمص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی متعدد شکایتیں کیں۔ اور ان کے معزول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فراست کا خاص حصہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے مردم شناسی میں خاص دخل تھا اور اس کا ہزاروں مرتبہ تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس پر تعجب فرمایا کہ میں نے تو بہت بہتر سمجھ کر تجویز کیا تھا

اور اس کی دُعا کی کہ یا اللہ میری فراست کو لوگوں کے بارہ میں زائل نہ فرما، کہ اس سے تو سارے ہی محکموں کے آدمیوں میں نااہلوں کے گھس جانے کا اندیشہ ہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعید کو طلب کیا، اور شکایت کرنے والوں کو بھی بلایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کو ان سے کیا کیا شکایتیں ہیں۔

انہوں نے تین شکایتیں کی تھیں۔

ایک یہ کہ دن میں بہت دیر سے گھر سے نکلتے ہیں (عدالت میں دیر سے پہنچتے ہیں)

دوسرے رات کو اگر کوئی ان کے پاس جائے تو اس وقت اس کی شکایت نہیں سنتے۔

تیسرے ہر مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں فریق کو سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ نمبروار مطالبات کرو۔ تاکہ ہر شکایت کا علیحدہ علیحدہ جواب لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ صبح کو دیر سے گھر سے نکلتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری بیوی تنہا کام کرنے والی ہے۔ میں آٹا گوندھتا ہوں، روٹی پکاتا ہوں، جب روٹی تیار ہو جاتی ہے تو کھانے سے فارغ ہو کر وضو کر کے باہر چلا آتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ دوسرا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ رات کو کام نہیں کرتے کوئی جاتا ہے تو اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اس کا کیا جواب تمہارے پاس ہے۔ حضرت سعیدؓ نے عرض کیا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اظہار کروں۔ میں نے دن اور رات کو تقسیم کر رکھا ہے۔ دن مخلوق کا اور رات خالق کی۔ میں نے رات ساری کی ساری اپنے مولیٰ کو دے رکھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تیسرا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اس کا کیا جواب ہے۔ حضرت سعیدؓ نے عرض کیا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے۔ میں مہینہ میں ایک دن اپنے کپڑے خود ہی دھوتا ہوں۔ ان کو خشک کر کے پہننے میں شام ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میری فراست غلط نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں سے

فرمایا کہ تم اپنے امیر کی قدر کرو۔ ان سب کے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعیدؓ کے پاس ہزار دینار (اشرفیاں) بھیجیں کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ ان کی بیوی نے کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے بہت سی ضروریات کا انتظام فرمادیا۔ اب تمہیں خود گھر کے کاروبار کرنے کی احتیاج نہ رہے گی، ایک خادم بھی اس میں سے خریدا جاسکتا ہے اور دوسری ضروریات بھی پوری کی جاسکتی ہیں۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ یہاں ہم سے بھی زیادہ محتاج اور ضرورت مند لوگ موجود ہیں ان کو ان لوگوں پر نہ خرچ کردیں۔ بیوی نے اس کو خوشی سے قبول فرمالیا۔ انہوں نے اس میں سے چھوٹی تھیلیاں بنا کر ایک فلاں مسکین کو ایک فلاں یتیم کو ایک فلاں کو۔ غرض بہت سا حصہ تو اسی وقت تقسیم فرمادیا۔ کچھ بچا تھا، اس کو بیوی کے حوالہ کردیا کہ تھوڑا تھوڑا خرچ کرتی رہیں۔ بیوی نے کہا کہ اس کی بچی ہوئی رقم سے ایک غلام خرید لیں، گھر کے کاروبار میں تمہیں سہولت ہو جائیگی۔ فرمانے لگے کہ نہیں عنقریب تجھ سے زیادہ حاجت والے تیرے پاس آئینگے۔ (اشہر)

فقراء کی دیکھ بھال

ایک مرتبہ مصر میں قحط پڑا۔ عبدالحمید بن سعدؒ مصر کے حاکم تھے۔ کہنے لگے، میں شیطان کو بتاؤں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں (وہ ایسے وقت میں بہت احتیاج سے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے) مصر میں جتنے فقراء نادار تھے سب کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا کہ جب تک ارزانی ہو ان کا کھانا میرے ذمہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا، یہاں تک کہ قحط دور ہوگیا۔ بازار کا نرخ ارزاں ہوگیا۔ اس کے بعد یہ معزول کردیے گئے۔

جب یہ مصر سے رخصت ہونے لگے تو جن تاجروں سے قحط کے زمانہ میں قرض لے کر کھلاتے رہے ان کے دس لاکھ درہم ان کے ذمہ قرض تھا۔ چونکہ وہاں سے رخصت ہوکر جارہے تھے، اس لئے اپنے اہل وعیال کے زیور وغیرہ مانگ کر ان تاجروں کے پاس رہن رکھ گئے جو چیزیں رہن رکھی تھیں ان کی قیمت پچاس کروڑ درہم تھی، کچھ دن ارادہ کرتے رہے کہ ان کا قرضہ ادا ہو کر زیورات کے رہن کو خلاص کرلیں مگر اتنی رقم مہیا نہ ہوسکی۔ ان تاجروں کو لکھ دیا کہ ان

زیوروں کو فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کر لیں اور جتنی رقم باقی بچے وہ مصر کے ان اہل ضرورت پر تقسیم کر دیں جن کی اس وقت میں نے مدد نہیں کی۔ (اتحاف) زیور والیاں بھی تو اسی دور کی پیداوار تھیں ماں کو اس میں کیا تامل ہو سکتا تھا کہ ان کا زیور فروخت کر کے فقراء پر تقسیم ہو جائے۔

امداد کیلئے عجیب صلہ

ابو مرثد ایک مشہور سخی ہیں۔ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کچھ اشعار ان کی تعریف میں پڑھے۔ (کریم کی مدح ہمیشہ صورت سوال ہوتی ہی ہے) انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت تیرے دینے کے لئے بالکل کچھ نہیں ہے۔ ایک صورت ہو سکتی ہے کہ تو قاضی کے یہاں جا کر مجھ پر دس ہزار کا دعویٰ کر دے، میں قاضی کے سامنے اس کا اقرار کر لوں گا (اور آدمی کا کسی سے وعدہ کر لینا بھی قرض ہی جیسا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْعِدَةُ دَیْنٌ وعدہ قرض ہے) قاضی تیرے قرضہ میں مجھے قید کر دے گا تو پھر میرے گھر والے مجھے قید میں تو رہنے نہیں دیں گے اتنی مقدار جمع کر دیں گے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہ قید ہو گئے اور شام تک دس ہزار قاضی صاحب کے حوالہ ہو کر یہ قید سے چھوٹ آئے اور وہ رقم اس شخص کو مل گئی۔ (اتحاف)

اجنبی سائل کا کمال فیاضی

ایک قریشی سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک بیمار فقیر ملا۔ جس کو مصائب نے بالکل ہی عاجز کر رکھا تھا۔ اس نے درخواست کی کہ کچھ مدد میری کرتے جاؤ، ان قریشی صاحب نے اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس خرچ ہے وہ سب لے آؤ۔ اس غلام نے جو کچھ تھا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی وہ اس فقیر کی گود میں ڈال دیا۔ وہ فقیر ان کو لے کر ضعف کی وجہ سے اٹھ بھی نہ سکا، اس بڑی مقدار کے ملنے پر خوشی میں اُس کے آنسو نکل آئے۔

قریشی کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس نے اس مقدار کو کم سمجھا اس پر رو رہا ہے، اس سے پوچھا کیا اس وجہ سے رو رہے ہو کہ یہ بہت کم مقدار ہے (مگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ اس وقت ہے نہیں) فقیر نے کہا۔ نہیں اس پر نہیں رو رہا ہوں۔ اس پر رو رہا ہوں کہ تیرے کرم سے کتنی زمین کھا رہی ہے۔ (اتحاف)

جب ایک ناواقف سائل کے سوال پر تیرے کرم کا یہ حال ہے کہ سفر کی حالت میں بھی جو موجود تھا۔ سب دے دیا تو اس سے حضرت کے کرم کا اندازہ ہو گیا۔

مکان اور اس کی رقم نذر کر دی

عبداللہ بن عامر بن کریزؓ نے حضرت خالد بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُموی سے ان کا مکان اپنی ضرورت کیلئے نوے ہزار درہم میں خریدا۔ جب وہ فروخت ہو گیا۔ اور خالد کے گھر والوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کو رنج اور صدمہ بہت ہوا۔ رات کو کچھ رونے کی آواز ابن عامرؓ کے کان میں پڑی۔ اپنے گھر کی مستورات سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ خالد کے گھر والوں کو اپنے مکان کے فروخت ہونے کا صدمہ ہو رہا ہے۔

اسی وقت ابن عامرؓ نے اپنے غلام کو ان کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ مکان تمہاری نذر ہے اور قیمت جو میں دے چکا ہوں وہ بھی اب واپس نہ ہو گی۔ یہ مکان میری طرف سے تمہاری نذر رہے۔ (اتحاف)

حضرت لیث رحمہ اللہ کمال سخاوت

ہارون رشیدؒ نے پانچسو دینار (اشرفیاں) ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ کی نذر کیے۔ حضرت لیث ابن سعدؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک ہزار دینار حضرت امام مالکؒ کے پاس نذرانہ بھیجے۔

بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ ناراض ہوا کہ تم رعایا ہو کر بادشاہ سے بڑھنا چاہتے ہو (گویا میری توہین مقصود ہے) لیثؒ نے کہا۔ امیر المومنین یہ بات نہیں ہے بلکہ آج میری روزانہ کی آمدنی ایک ہزار دینار ہے۔ مجھے غیرت آئی کہ اتنے بڑے جلیل القدر امام کو میں نذرانہ پیش کروں اور اپنی ایک دن سے بھی کم کی آمدنی دوں۔

حضرت لیثؒ کا مستقل معمول تھا کہ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں سو اشرفی سالانہ نذرانہ پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی نذرانے آتے رہتے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ کے فضل سے حضرت امام مالکؒ بسا اوقات مقروض رہتے تھے۔ اور خود یہ حضرت لیث ابن سعد مشہور محدثین اور علماء میں ہیں جن کی روزانہ کی اس وقت آمدنی ایک ہزار دینار (

اشرفیاں) تھیں۔ مگر عمر بھر میں کبھی ان کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ مختلف زمانوں میں ان کی آمدنی مختلف رہی تھی۔ اور ایسا ہوا ہی کرتا ہے کہ آمدنی کم وبیش ہوتی رہا کرتی ہے لیکن زکوٰۃ کسی زمانہ میں بھی واجب نہ ہوئی، کہ زکوٰۃ تو جب واجب ہو جب کوئی جمع کر کے رکھے

محمد بن رُمح" کہتے ہیں کہ حضرت لیث" کی سالانہ آمدنی ہر سال اسی ہزار دینار تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کبھی ان پر ایک درہم کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں کی۔

خود ان کے بیٹے شعیب" کہتے ہیں کہ میرے والد کی آمدنی بیس پچیس ہزار اشرفیاں سالانہ تھی مگر وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتے تھے (اتحاف)

ابتداء میں بیس پچیس ہزار ہوگی۔ جس پر قرضہ ہوتا رہتا تھا اس کے باوجود وہ سب کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے اس وجہ سے اُس کا بڑھنا ضروری تھا۔ اس لئے کسی وقت میں ایک ہزار روزانہ بھی ہو گیا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ایک باغ کا پھل خریدا۔ اس میں خریداروں کو نقصان ہوا۔ ان کو اطلاع ہوئی انہوں باغ کی بیع کا معاملہ فسخ کر دیا۔ ان کی قیمت واپس کر دی۔ اور ان کو اپنے پاس سے پچاس دینار (اشرفیاں) نذر کیئے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا تاوان دیا۔ فرمانے لگے کہ ان لوگوں نے میرے باغ سے نفع کی اُمید باندھی تھی۔ میرا دل چاہا کہ ان کی اُمید پوری کردوں۔ (اتحاف)

قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دیجئے

کافر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور مالی تعاون

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی تقاریر میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مسلمان تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں لیکن ان کی والدہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی کئی شقیں تھیں۔ ان میں ایک اہم بات یہ طے ہوئی کہ آئندہ دس سال تک دونوں فریقوں کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ اس معاہدہ کی وجہ سے امن وامان قائم ہو گیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے لوگ ایک دوسرے کے پاس آنے جانے لگے۔ رشتے دار ایک دوسرے کو ملنے لگے۔ مکہ مکرمہ کے جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے ان کے بھی بہت سے رشتے دار مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ باپ کافر ہے تو وہ وہیں رہ گیا' بیٹا مدینہ طیبہ آ گیا جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آ گئے اور ان کے والد ابوقحافہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) مکہ میں رہ گئے۔ بھائی بھائی سے جدا ہوا جیسے عمر فاروق مدینہ طیبہ آ گئے انکے بھائی مکہ میں رہے۔ ماں بیٹی سے الگ ہو گی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تو ہجرت کر چکی تھیں لیکن آپ کی والدہ کافر تھیں (بعد میں مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آئی تھیں) اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھیں۔

صلح حدیبیہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ رشتہ دار بھی آنے جانے لگے۔ حضرت اسماء کی والدہ بھی آپ سے ملنے کیلئے آئیں۔ آپ

کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ تو کافرہ ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں یا نہ کروں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری والدہ میرے پاس آئی ہے اور یہ امید لے کر آئی ہے کہ میں اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کروں (یعنی اس کی کچھ مالی معاونت کروں) تو کیا میں والدہ کے ساتھ احسان کا سلوک کر سکتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔

نَعَمْ، صِلِیْ أُمَّکِ (صحیح مسلم) ہاں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ اگر کافر و مشرک بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا نہ چھوڑا جائے۔ ان کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ ہو۔ ضرورت ہو تو مالی تعاون بھی کیا جائے ان کی خدمت کی جائے۔ البتہ اتنی زیادہ محبت نہ کرو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ آپ ان کے مذہب اور عقیدے کو بھی پسند کرتے ہیں۔

فاسق ماں باپ کا حکم

جب کافر اور مشرک ماں باپ کا یہ حکم ہے تو اگر کسی کے ماں باپ فاسق و فاجر ہوں یعنی کسی اور کبیرہ گناہ میں مبتلا ہوں جیسے شراب پیتے ہوں، سود کھاتے ہوں، رشوت لیتے ہوں یا جھوٹ اور دغا بازی کے جرم میں مبتلا ہوں وغیرہ تو ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ بدرجہ اولی ہوگا۔ ہم سے ایسے نوجوان ملتے ہیں جو اپنے والدین کے بارے میں ایسی شکایات لے کر آتے ہیں۔ ہم ان سے یہی کہتے ہیں کہ تم نرمی اور ادب و احترام کے ساتھ ایک دو مرتبہ انہیں سمجھا دو۔ مسئلہ معلوم نہیں تو مسئلہ بتا دو۔ اس کے بعد اللہ تعالی سے دعا کرو۔ ان سے لڑائی جھگڑا کرو نہ ان سے سخت کلامی کرو۔ بلکہ انہیں خدمت کی ضرورت ہو تو ان کی خدمت بھی کرو۔

عورتوں کو صدقہ دینے کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین سے خطاب کیا اور اس میں یہ فرمایا۔

اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ خیرات کرو اگرچہ زیور بھی دینا پڑیں۔

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر گھر اپنے شوہر کے پاس آئی اور ان سے کہا: تمہارے پاس پیسے کی کمی ہے۔ تم غریب آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر پوچھو کہ کیا میں تمہیں صدقہ کر سکتی ہوں۔ اگر تجھے صدقہ دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا پورا ہو جاتا ہے تو بہت بہتر ورنہ میں یہ صدقہ کسی اور کو دے دوں گی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ہی چلی آ اور یہ بات خود پوچھ لے۔

شوہر کو صدقہ دینے کی فضیلت

فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات پوچھنے کیلئے چلی۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک انصاری عورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر موجود تھی اور اس کا مسئلہ بھی وہی تھا جو میرا مسئلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعب اور جلالت شان کی وجہ سے مجھے خود بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں بلال حبشی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بتاؤ کہ دو عورتیں دروازے پر موجود ہیں اور آپ سے یہ پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ اپنا صدقے کا مال اپنے شوہروں کو دے دیں یا ان یتیموں کو دے دیں جو ان کے ہاں زیر کفالت ہیں (یتیموں سے مراد پہلے شوہر سے ہونے والی اولاد ہے) تو اس سے صدقہ کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اس سوال کے ساتھ حضرت بلال سے یہ بھی کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نہ بتلانا کہ ہم کون ہیں؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ پیغام پہنچا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ دو عورتیں کون ہیں؟

عورتوں نے اپنے بارے میں بتانے سے منع کیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرما لیا۔ اب ایک طرف عورتوں کا کہنا کہ مت بتانا اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم کہ بتلاؤ وہ کون ہیں؟ ظاہر ہے ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو ترجیح ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے فوراً بتلایا اور

کہا کہ ایک انصاری خاتون ہے اور ایک زینب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عادت شریفہ کے خلاف مزید پوچھا کہ یہ کونسی زینب ہے؟

مطلب یہ کہ زینب نام کی بہت سی عورتیں ہیں۔ یہ کونسی زینب ہے جو مسئلہ پوچھنے آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام عادت شریفہ یہ نہیں نظر آتی کہ وہ عورتوں کے نام پوچھیں البتہ اگر کہیں مسئلے کی وضاحت کیلئے ضرورت ہوتی تو نام بھی پوچھنا پڑتا تھا۔ یہاں پر بھی بظاہر یہی وجہ تھی۔ زینب نام کی متعدد خواتین تھیں۔ ان میں سے بعض ایسی تھیں کہ ان کے شوہر مال دار تھے اور بعض ایسی تھیں کہ ان کے شوہر غریب تھے اور مسئلہ صدقے کا پوچھا جا رہا تھا۔ اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ سائلہ کا علم ہوتا کہ پتہ چلے کہ ان کا شوہر کونسا ہے اور صحیح مسئلہ بتایا جا سکے۔

بلال رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں عرض کیا۔

عبداللہ بن مسعود کی بیوی ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اپنے شوہر کو صدقہ دیں گی تو ان کو دُہرا اجر ملے گا۔ ایک رشتہ داری کا ثواب اور دوسرا صدقہ کرنے کا ثواب۔ (بخاری، مسلم)

یہاں پر نفلی صدقہ مراد ہے

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ خیرات میں رشتہ داروں کا حق بہت مقدم ہے اور رشتہ داروں کو صدقہ دینے میں دوسرے کے مقابلے میں دگنا ثواب ہے۔ البتہ یہاں ایک اہم مسئلہ سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ صدقے کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ واجب صدقہ جیسے زکوٰۃ' صدقۃ الفطر' قربانی کی کھال کی قیمت' رمضان کے روزوں کا فدیہ' کفارہ کی رقم وغیرہ۔ ۲۔ نفلی صدقہ۔

پہلی قسم کے صدقہ دینے میں یہ تفصیل ہے کہ باپ بیٹے کو نہیں دے سکتا۔ بیٹا باپ کو نہیں دے سکتا' اسی طرح کوئی شخص اپنے دادا' دادی' نانا' نانی' پڑدادا' پڑدادی' پڑنانا' پڑنانی' پوتا' پوتی' نواسہ' نواسی کو نہیں دے سکتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ جس کی اولاد میں سے ہے یا جو اس کی

اولاد میں ہے۔ انہیں صدقہ واجب نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو صدقہ واجب نہیں دے سکتا۔ البتہ نفلی صدقہ ہر ایک کو دیا جاسکتا ہے۔ ان رشتہ داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ جن کو صدقہ واجب دینا جائز نہیں حتی کہ کافر کو بھی دیا جاسکتا ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں۔ بظاہر یہاں پر بھی نفلی صدقہ ہی مراد ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا طرز عمل

الحمدللہ ہم نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل دیکھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان کی دو بہنیں بیوہ تھیں اور دونوں بہنوں کی کافی کافی اولاد تھی۔ ان بہنوں اور ان کی اولاد کی کفالت والد صاحب رحمہ اللہ کیا کرتے تھے۔ والدہ (یعنی ہماری دادی) بھی بیوہ تھیں ان کی کفالت بھی انہی کے ذمہ تھی اور ہم ماشاء اللہ نو بہن بھائی تھے۔ والد اور والدہ ملا کر گیارہ آدمی گھر کے تھے۔ بارہویں دادی جان تھیں۔ دو بہنوں اور ان کی اولاد کی کفالت کا مسئلہ بھی تھا۔ تنخواہ کیا تھی؟ دارالعلوم دیوبند کی ملازمت کے آخری زمانے میں ساٹھ روپے تنخواہ تھی۔

حضرت رشتہ داروں کا خیال کس کس طرح کرتے تھے

مجھے یاد ہے کہ والد صاحب جب جمعہ کی نماز کیلئے جاتے تھے تو نماز سے فارغ ہو کر پھل لیتے اور اس بہن کے گھر جاتے جو دیوبند میں رہتی تھی (دوسری بہن کسی اور شہر میں رہتی تھی) ان کے ہاں پھل دے کر آیا کرتے تاکہ یتیم بچوں کو موسم کے پھلوں کی کمی محسوس نہ ہو اور دوسری بہن کے ہاں مختلف اوقات میں رقم بھجواتے رہتے۔ پاکستان آنے کے بعد بھی ان کا یہ معمول جاری رہا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں رہائش پذیر اپنے ننھیال ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی بہنوں کا ایسا خیال رکھتے کہ ان کو یہاں سے ماہانہ خرچ بھیجتے تھے اور جب قانونی طور پر یہاں سے روپیہ بھیجنے پر پابندی لگ گئی تو دوسرے ملکوں کے ذریعے بھیجتے تھے ان میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ ان کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ ان کا گھر گر چکا ہے اور ان کے بارے میں یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر انہیں مرمت کیلئے نقد رقم دی جائے گی تو وہ کھا پی کر ختم کر دیں گے تو ایسی صورت میں کسی اور رشتے دار کو رقم بھیجی کہ تم ان کے گھر کی مرمت کرادو۔

رشتے داروں کے زبردست حقوق ہیں

یہ سب کچھ شریعت کا حکم ہے۔ رشتے داروں کا معاملہ معمولی نہیں۔ رشتے داروں کے زبردست حقوق ہیں اور ان کی ادائیگی کا اجروثواب بھی زیادہ ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کل اس طرف دھیان بہت کم دیا جاتا ہے۔ جہاد' تبلیغ' علم دین' حج اور عمرے وغیرہ کے فضائل خوب سننے کو ملتے ہیں لیکن صلہ رحمی اور رشتے داروں کے حقوق کا بیان شاذ و نادر ہی سننے میں آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بہت غفلت پائی جاتی ہے۔

دیندار کون

میں کہا کرتا ہوں، کہ اگر ایک شخص بہت بڑا عبادت گزار ہے تہجد کا اہتمام کرتا ہے نفلی حج و عمرے کرتا ہے' تلاوت بہت کرتا ہے۔ یہ سب بڑے اجروثواب کے کام ہیں لیکن اگر وہ رشتے داروں کے حقوق ادا نہیں کرتا تو آپ اسے عبادت گزار تو کہہ سکتے ہیں۔ دیندار نہیں کہہ سکتے۔ عبادت دین کا ایک حصہ ہے' سارا دین عبادت میں منحصر نہیں۔ دین کے پانچ بڑے بڑے شعبے ہیں۔

۱۔ عقائد۔ ۲۔ عبادات جیسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' قربانی وغیرہ۔

۳۔ معاملات جیسے خرید و فروخت' تجارت' معیشت' ملازمت' مزدوری' زراعت اور کاشتکاری وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ معاشرت ایک دوسرے کے ساتھ میل جول کرنے کے احکام سے متعلق۔

۵۔ باطنی اخلاق یعنی دل کی اصلاح کے متعلق کہ اس میں تکبر نہ ہو' تواضع اور انکساری ہو۔ لالچ اور طمع نہ ہو' قناعت ہو' اللہ سے بے خوفی اور بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی محبت ہو۔ بے حیائی نہ ہو۔ شرم و حیا ہو۔

جو شخص ان پانچوں حصوں پر عمل کرے گا۔ اس کے بارے میں کہا جائے گا یہ دیندار ہے۔ شریعت پر عمل کرنے والا ہے۔ اللہ والا ہے' نیک انسان ہے لیکن اگر کسی ایک شعبے کو چھوڑ رکھا ہے تو اسے دیندار نہیں کہا جائے گا۔ اسے اللہ والا اور ولی اللہ نہیں کہا جائے گا۔

صدقہ بھی، صلہ رحمی بھی

ایک حدیث میں ہے۔

اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَعَلٰى ذِى الرَّحِمِ ثِنْتَانِ، صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ

اگر کسی غریب اور مسکین آدمی کو صدقہ دیا تو صرف صدقے کا ثواب ملے گا لیکن اگر رشتے دار کو صدقہ دیا جائے تو صدقے کا ثواب بھی ملے گا اور صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا۔

لہٰذا اگر کسی کے رشتے دار صدقے کے مستحق ہوں تو اسے چاہئے کہ دوسرے فقیروں کے مقابلے میں انہیں مقدم رکھے کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ (اصلاحی تقریریں)

بیوی کو لقمہ دینے پر صدقہ کا ثواب

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع والے سال میں بہت زیادہ بیمار ہو گیا تھا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں نے کہا میری بیماری زیادہ ہو گئی ہے اور میں مالدار آدمی ہوں اور میرا اور کوئی وارث نہیں ہے صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے کہا آدھا مال صدقہ کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے کہا کہ تہائی مال صدقہ کر دوں، آپ نے فرمایا: ہاں تہائی مال صدقہ کر دو اور تہائی بھی بہت ہے، تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقیر چھوڑ کر جاؤ، اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، اور تم جو بھی خرچ اللہ کی رضا کے لئے کرو گے اس پر تمہیں اللہ کی طرف سے اجر ضرور ملے گا حتیٰ کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس پر بھی اجر ملے گا۔

میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ اور مہاجرین تو آپ کے ساتھ مکہ سے واپس چلے جائیں گے، میں یہاں ہی مکہ میں رہ جاؤں گا اور میرا انتقال یہاں مکہ میں ہو جائے گا، اور چونکہ میں مکہ سے ہجرت کر کے گیا تھا تو میں اب یہ نہیں چاہتا کہ میرا یہاں

انتقال ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تمہاری زندگی لمبی ہوگی (اور تمہارا اس مرض میں یہاں انتقال نہ ہوگا) اور تم جو بھی نیک عمل کروگے اس سے تمہارا درجہ بھی بلند ہوگا اور تمہاری عزت میں بھی اضافہ ہوگا اور تمہارے ذریعے سے اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت فائدہ ہوگا اور دوسروں کا بہت نقصان ہوگا (چنانچہ عراق کے فتح ہونے کا یہ ذریعہ بنے)

اے اللہ! میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت کو آخر تک پہنچا (درمیان میں مکہ میں فوت ہونے سے ٹوٹنے نہ پائے) اور (مکہ میں موت دے کر) انہیں ایڑیوں کے بل واپس نہ کر۔ ہاں قابل رحم سعد بن خولہ ہے (کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے گئے تھے اور اب یہاں فوت ہو گئے ہیں ان کے مکہ میں فوت ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر ترس آ رہا تھا) (حیاۃ الصحابہ)

صلۂ رحمی کا ایک عجیب قصہ

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خیرات کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ اور کچھ نہ ہو تو زیور ہی خیرات کریں، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ حکم سن کر اپنے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو، اگر کچھ حرج نہ ہو تو جو کچھ مجھے خیرات کرنا ہے وہ میں تم ہی کو دے دوں، تم بھی تو محتاج ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خود تم جا کر پوچھو۔

یہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر حاضر ہوئیں، وہاں دیکھا کہ ایک بی بی اور کھڑی تھیں اور وہ بھی اسی ضرورت سے آئی تھیں، ہیبت کے مارے ان دونوں کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ اندر جا کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتیں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ حضرت سے جا کر کہو، دو عورتیں کھڑی پوچھتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے خاوندوں، اور یتیم بچوں پر، جو ہماری گود میں ہوں، صدقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلتے چلتے یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ کہنا کہ ہم کون ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون پوچھتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ایک قبیلۂ انصاری کی بی بی ہے، اور ایک زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون زینب؟ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہہ دو کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا قرابت کی پاسداری کا علیحدہ اور صدقہ کرنے کا علیحدہ۔ (بخاری ومسلم)

شیطان کی ماں

امام رازیؒ (م ٦٠٦) تحریر فرماتے ہیں۔ ''ایک واعظ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی مجلس وعظ میں یہ بیان کیا کہ بندہ جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پاس ستر شیطان آتے ہیں اور اسکے ہاتھ پاؤں اور دل سے چمٹ کر اسے صدقہ کرنے سے روکتے ہیں، مجلس وعظ میں سے ایک صاحب یہ سن کر بولے کہ میں ان ستر شیطانوں سے لڑوں گا، چنانچہ وہ صاحب مسجد سے چلے اور اپنے گھر آئے، دامن کو گندم سے بھرا اور صدقہ کرنے کے ارادہ سے نکلے ان صاحب کی بیوی (نے دیکھا تو) کود کر آئی اور میاں سے لڑنے جھگڑنے لگی، حتیٰ کہ ا کے دامن سے ساری گندم نکال ڈالی، وہ صاحب خائب وخاسر ہو کر دوبارہ مسجد چلے آئے واعظ نے پوچھا میاں کیا کر کے آئے؟ بولے ستر شیطانوں کو تو میں نے شکست دے دی تھی لیکن کیا کرتا ان کی ماں آ پہنچی اور اس نے مجھے شکست دے دی۔'' (التفسیر الکبیر)

صدقہ کی تاثیر وبرکات

دو شخص آپس میں شریک تھے ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہوگئیں ایک چونکہ پیشے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا۔ اس لئے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے۔ آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جایئے۔ آپ کام کاج سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ کر لئے اور جدا ہو گئے۔

پھر پیشے سے واقف کار نے بادشاہ کے مرجانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار

دینار میں خریدا اور اپنے ساتھی کو بلا کر اسے دکھایا اور کہا: بتلاؤ! میں نے کیسی چیز خریدی؟ اس کے ساتھی نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: خدایا! اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیوی خرید لیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں۔ میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار دینار خرچ کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار راہِ خدا میں خرچ کر دیئے۔

پھر اس دنیا دار شخص نے ایک زمانے کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا۔ دعوت میں اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے۔ اسکے ساتھی نے اس کی بھی تعریف کی۔

باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی نیت سے ایک ہزار دینار نکالے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بار الٰہی! میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں کی ایک عورت حاصل کی ہے اور میں اس رقم سے تجھ سے حور عین کا طالب ہوں اور پھر وہ رقم راہِ خدا میں صدقہ کر دی۔

پھر کچھ مدت کے بعد اس دنیا دار نے اس کو بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کئے ہیں دیکھ لو کیسے ہیں؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ خدایا! میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خرید کئے ہیں میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں۔ چنانچہ اس رقم کو مستحقوں میں تقسیم کر دیا۔

پھر جب فرشتہ موت لے گیا۔ اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے محل میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں پر ایک حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا۔

فرشتے نے بتلایا کہ وہ تو جہنم میں ہے۔

تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو۔ اس نے جب اسے جہنم کے اندر جلتا

دیکھا تو اس سے کہا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب تعالیٰ کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا! (تفسیر ابن کثیر)

صدقہ دافع بلا ہے

اللہ کی راہ میں صدقہ دینے سے انسان کی پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے اللہ تعالیٰ کا غضب دور ہو جاتا ہے۔ کبھی انسان پر اللہ تعالیٰ کا غضب آنیوالا ہوتا ہے لیکن انسان صدقہ کرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ٹل جاتا ہے اور بری موت بھی دور ہو جاتی ہے۔ بری موت یہ ہے کہ مرنے سے پہلے کفریہ کلمات بکنے لگتا ہے۔ دنیا کی طرف مائل ہو گیا گناہ کرنے لگا۔ یہ بری موت ہے اسی طرح اچانک مر گیا۔ نہ کلمہ پڑھ سکا نہ وصیت کر سکا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دور کرتا ہے اور بری موت کو بھی دور کرتا ہے۔

عبرت آموز واقعہ

علماء نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک آدمی بڑا شریر تھا لوگوں کو تکلیف پہنچاتا تھا لوگ اس آدمی سے تنگ ہو چکے تھے۔ سارے محلے والے حضرت صالح علیہ السلام کی خدمت میں آئے کہنے لگے حضرت یہ آدمی بڑا شریر ہے کم بخت بڑا پریشان کرتا ہے آپ مہربانی فرمائیں۔ اس کیلئے بددعا فرمائیں یہ ہلاک ہو جائے آپ نے فرمایا اچھا تم واپس چلے جاؤ میں اس کو سمجھاؤں گا اگر بددعا کرنی ہوگی تو بددعا کروں گا تو وہ واپس چلے گئے۔ مطمئن ہو گئے پھر کچھ دن گزر گئے وہ آدمی ہٹا کٹا ٹھیک ٹھاک ہے کوئی بھی اس کو تکلیف نہیں ہے وہ لوگ پھر واپس آئے کہنے لگے آپ نے وعدہ فرمایا تھا میں اس کو سمجھاؤں گا یا بددعا کروں گا وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ کہاں

ہے انہوں نے کہا کہ وہ جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر رہا ہے فرمایا اچھا میں اس کو دیکھتا ہوں تم جاؤ آپ تشریف لے گئے جنگل میں دیکھا کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے سر پر رکھ کر آ رہا ہے جب قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ لکڑیوں کا گٹھا نیچے رکھو اس نے نیچے رکھ دیا فرمایا ایک بات تو بتاؤ کہ ان دو تین دنوں میں تم نے کوئی اچھا کام کیا تھا؟ اس نے کہا اور تو کچھ مجھے یاد نہیں ایک آدمی بے چارہ بھوکا تھا میرے پاس روٹی تھی میں نے اس کو روٹی کھلا دی۔ بس یہ یاد ہے آپ نے فرمایا یہ گٹھا کھولو اس نے لکڑی کا گٹھا کھولا تو اندر ایک خوفناک کالا سانپ نکلا آپ نے فرمایا دیکھو تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ تیار کر رکھا ہے اگر تم نے صدقہ نہ کیا ہوتا تو یہ سانپ تمہیں ڈس لیتا اب تم مر چکے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کی برکت سے یہ آفت تم سے ٹال دی اب توبہ کرو آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ اس آدمی نے سچے دل سے توبہ کی' معافی مانگ لی اور آپ سے وعدہ کیا کہ آئندہ لوگوں کو نہیں ستاؤں گا۔ تو آپ اندازہ کریں کہ ایک روٹی کھلانے سے کتنی بڑی آفت اور مصیبت ٹل گئی۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک عورت ایک دریا کے کنارے پر کپڑے دھو رہی تھی۔ اس کا چھوٹا بچہ بھی اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کوئی بے چارہ مسکین آدمی آیا کہا میں بھوکا ہوں میری امداد کرو تمہارے پاس روٹی ہو تو مجھے کھلاؤ۔ عورت کے پاس روٹی تھی اس نے روٹی دے دی تو وہ آدمی چلا گیا تھوڑی دیر بعد جنگل سے بھیڑیا آیا اور اس نے عورت کے بچے کو اٹھایا اور بھاگ گیا۔ عورت بیچاری پیچھے بھاگی چیخنے لگی ہائے میرا بچہ! ہائے میرا بچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جاؤ عورت کے بچے کو چھڑاؤ۔ فرشتہ آیا بچے کو چھڑا لیا بھیڑیا بھاگ گیا یہ عورت گئی بیٹے کو اٹھایا سینے کے ساتھ لگایا اس کو اطمینان ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز

آئی۔ لقمہ بلقمہ آج تم نے اللہ کی راہ میں لقمہ کھلایا ہے جس کی برکت سے آج تمہارا بیٹا لقمہ بننے سے بچ گیا ہے ورنہ آج تمہارا بیٹا بھی لقمہ بن جاتا۔

بھائی صدقہ کرنے سے بڑا ثواب ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ صدقہ سے مال بھی کم نہیں ہوتا اور جو آدمی صدقہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں اور جو صدقہ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں کہ مال تو میں نے دیا تھا لیکن انسان اس کو سمجھتا ہے کہ میں نے کمایا ہے۔ میں ہی کرتا رہتا ہے۔

ارے بھائی! تو نے کہاں کمایا ہے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کئی کمانے والے ایسے ہیں۔ کماتے کماتے عمر گزر گئی جہاں تھے وہیں ہی رہ گئے۔ بس تمہارے پاس مال زیادہ آ گیا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ میں نے کما لیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جو آدمی صدقہ نہیں دیتا اللہ جل شانہ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔ حالانکہ۔ یا تو اللہ جل شانہ نے ہے۔

یہ ایک روپیہ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں۔ قریب مسجد ویران ہے کبھی ایک روپیہ بھی وہاں نہیں دیا کبھی خرید کر دے دیتے۔

اس کی مرمت کروا دیتے کبھی احساس ہی نہیں ہوا۔ ہمارا ہمسایہ غریب ہے بھوکا ہے اس کا احساس ہی نہیں ہے۔

اللہ پاک توفیق عطا فرمائے آمین۔

باب چہارم

سُود کی تباہ کاریاں

اسلام میں سود کی قباحت و حرمت

سود اور صدقہ میں فرق

سود کی حرمت کا عقلی تجزیہ

سود اللہ اور رسول سے اعلان جنگ

سود اور دیگر حرام خوریوں کے تباہ کن

واقعات

سُود کی قباحت وحرمت

احادیث کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والے اعمال سے بچو۔ سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ وہ کون سے ہیں؟ جواب ارشاد فرمایا کہ:

۱-اللہ کے ساتھ شرک کرنا ۲-جادو کرنا

۳-ایسی جان کو قتل کرنا جس کو قتل کرنا حرام ہے سوائے اس قتل کے جو حق کیساتھ ہو۔

۴-سود کھانا ۵-یتیم کا مال کھانا ۶-جنگ کے دن فرار ہونا

۷-پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جو گناہ سے بے خبر ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: ''کہ پھل پکنے سے پہلے خرید کیے جائیں جب تک کہ کھانے کے قابل نہ ہو جائیں اور فرمایا تھا کہ جب لوگوں میں زنا اور سود کسی بستی میں عام ہو جائے تحقیق وہ نفسوں کو حلال کر لیتے ہیں بسبب کتاب اللہ کے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر۔'' (بخاری)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے' کھلانے والے' سود کو لکھنے والے' اس کی گواہی دینے والوں پر جب کہ وہ اس کو جانتے ہوں اور گودنے والی اور گودوانے والی پر (یعنی جو عورتیں جسم کو گود کر نیل بھرتی ہیں یا بھرواتی ہیں خوبصورتی کے لیے) صدقہ اور زکوٰۃ روک لینے والا' ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ واپس پھر جانے والا یہ سب ملعون ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر قیامت کے دن تک۔'' (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اس رات دیکھا جس رات میں مجھے سیر کرائی گئی تھی ایک آدمی کو جو ایک نہر میں تیر رہا تھا اور وہ پتھر کو لقمہ بنا رہا تھا' میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے' کہا گیا کہ یہ سود خور ہے۔'' (بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں کثرت سے کمایا سود کسی ایک نے بھی مگر اس کا انجام قلت کی طرف ہی ہوا۔'' (بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سود کا ایک درہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھتیس زناؤں سے زیادہ سخت ہے اور فرمایا کہ وہ شخص جس کا گوشت حرام مال سے بنے آگ اس کے لیے بہتر ہے اور روایت کیا گیا ربا اور سود کے بارے میں۔'' (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ سود کے ستر دروازے ہیں ان سب میں آسان یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنی ماں سے زنا کرے اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ کوئی اپنے مسلمان بھائی کی عزت میں دست درازی کرتا ہے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک سود کے ستر وبال ہیں' ان میں سے چھوٹا وبال ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ گناہ کرے اور سب سے بڑا سود کسی آدمی کا اپنے مسلمان بھائی کی عزت کے بارے میں دست درازی کرے۔'' (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار شخص ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کو نہ تو جنت میں داخل کرے اور نہ ہی ان کو اس کی نعمتیں چکھائے' دائمی اور عادی شرابی' سود خور' یتیم کا مال کھانے والا ناحق طریقے پر' والدین کا نافرمان۔'' (بیہقی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کچے پھل درختوں پر کھڑے خریدے جائیں حتیٰ کہ پک جائیں اور کھانے کے قابل ہو جائیں اور فرمایا تھا کہ جس وقت زنا اور سود عام ہو جائے بستی میں تحقیق وہ لوگ اللہ کے عذاب کو اپنے نفسوں پر حلال کر لیتے ہیں۔'' (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بڑا ربا سب سے بڑا سود مسلمان کی عزت میں ناحق تصرف کرنا اور دست درازی کرنا ہے اور یہ رحم اور رشتہ داری رحمٰن کی طرف سے انگور کے گوشے کی طرح ہے (یا شاخ در شاخ ٹہنی ہے) جو شخص اسکو کاٹے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دیگا۔'' (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسان ربا (سود) اپنے بھائی کی آبرو میں دست درازی کرنا ہے۔ (الجامع)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود دینے اور لینے والے دونوں پر خدا لعنت کرتا ہے۔ (الجامع)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاندان نبوت اس وقت تباہ ہوتا ہے جب ان میں زنا اور سود سر عام ہو جائے۔ (مجمع)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور ساتھ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اس کو خوش خبری دو کہ وہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے گا اس میں داخل ہو جائے گا۔ کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ ۱- والدین کی نافرمانی۔ ۲- خدا کے ساتھ شرک کرنا۔ ۳- کسی کو جان سے مار ڈالنا۔ ۴- پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانی۔ ۵- یتیموں کا مال کھانا۔ ۶- میدان جنگ سے بھاگ نکلنا۔ -سود کھانا۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اس میں سود کھائیں گے۔ (مسند الامام احمد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ سب کے سب سود خور ہونگے۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آجائیگا کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو اور اگر سود نہ کھایا ہوگا تو اسکا غبار اسے ضرور پہنچا ہوگا۔'' (احمد، ابوداؤد وغیرہ، مشکوۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سود کا (گناہ) ستر اجزاء پر مشتمل ہے ان میں سے خفیف ترین ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔'' (ابن ماجہ، مشکوۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے، اور مجھ کو ایک مقدس سرزمین کی طرف لے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک خون کی نہر پر پہنچے، اس کے درمیان میں ایک شخص کھڑا تھا، اور دیکھا کہ نہر کے کنارے کی طرف آتا ہے، اور جب نکلنا چاہتا ہے تو کنارے والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر اسی جگہ جا پہنچتا ہے، پھر جب کبھی نکلنا چاہتا ہے، اسی طرح اس کے منہ پر پتھر مار مار کر اس کو اپنی پہلی جگہ لوٹا دیتا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے، جس کو میں نے نہر میں دیکھا؟ تو میرے ساتھی نے کہا یہ سود کھانے والا ہے۔'' (بخاری)

سود اور صدقہ میں فرق

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی کتاب "مسئلہ سود" میں لکھتے ہیں۔

يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ. (سورۂ بقرہ: ۲۷۶)

ترجمہ:۔ مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھا دیتا ہے صدقات کو، اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی کفر کرنے والے اور گناہ کے کام کرنے والے کو۔

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ یہاں "سود" کے ساتھ "صدقات" کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور ان کے نتائج بھی متضاد ہیں، اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض و نیت اور حالات و کیفیات بھی متضاد ہوتے ہیں۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقے میں تو بغیر کسی معاوضے کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سود میں بغیر کسی مالی معاوضے کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ اور دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لئے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثواب آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے، اور سود لینے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بے پروا ہو کر اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے۔ اور نتائج کا متضاد ہونا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت کو مٹا دیتے ہیں، اور صدقہ کرنے والے کے مال کو یا اس کی برکت کو بڑھا دیتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنے والے کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھ جاتے ہیں۔ اور کیفیات کا تضاد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو دین کے دوسرے کاموں کی بھی توفیق ہوتی ہے اور سود خوران سے عموماً محروم رہتا ہے۔

سود کے مٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آیت میں سود کے مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے؟ ظاہری طور پر تو یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے، ایک سود خور کے سو روپے میں جب سود کے پانچ روپے شامل ہوئے تو وہ ایک سو پانچ ہو گئے، اور صدقہ دینے والے نے جو سو روپے میں سے پانچ کا صدقہ کر دیا تو اس کے پچانوے روپے رہ گئے، کوئی حساب دان، اکاؤنٹنٹ پہلے کو کم اور دوسرے کو زیادہ کہے تو لوگ اسے دیوانہ کہیں گے، لیکن قرآن کی یہ آیت سود خور کے ایک سو پانچ کو صدقہ دینے والے کے پچانوے سے کم قرار دیتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مانقصت صدقة من مال۔ ترجمہ: کوئی صدقہ کسی مال میں سے کچھ گھٹاتا نہیں۔ (رواہ مسلم)

اس میں بھی یہی سوال ہے کہ یہ بات بظاہر مشاہدے کے خلاف ہے کیونکہ جو رقم صدقے میں دی جاتی ہے وہ از روئے حساب اصل میں سے کم ہو جاتی ہے، اس کا ایک سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ صدقے کا بڑھانا اور سود کا گھٹانا جس کا آیت مذکورہ میں ذکر ہے اس کا تعلق دنیا سے نہیں بلکہ آخرت کا حکم ہے کہ آخرت میں جہاں حقائق کھل کر سامنے آویں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ سود کے ذریعہ بڑھائے ہوئے مال کی کوئی قیمت و حیثیت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے کمانے والے کے لئے وبال و عذاب بنا ہے، اور صدقے میں دیا ہوا مال اگرچہ تھوڑا دیا گیا تھا، وہ بڑھ چڑھ کر اس کے حساب میں بہت زیادہ ہو گیا۔ عامۂ مفسرین نے آیت مذکورہ کی یہی توجیہ فرمائی ہے، لیکن ان میں سے اہل تحقیق حضرات کا ارشاد یہ ہے کہ یہ حکم دنیا و آخرت دونوں میں ہے، اور دنیا میں سود کا گھٹنا اور صدقے کا بڑھنا گو حساب و شمار کے اعتبار سے مشاہدے میں نہ آئے لیکن مال و دولت کے اصل مقصود کے اعتبار سے بالکل واضح اور مشاہدے و تجربے سے ثابت ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ سونا چاندی خود تو انسان کی کسی بھی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے، نہ ان سے انسان کی بھوک پیاس بجھتی ہے، نہ وہ اوڑھنے بچھانے اور پہننے برتنے کا کام دیتے ہیں، نہ دھوپ اور بارش وغیرہ

سے سر چھپانے کا کام ان سے لیا جا سکتا ہے، اس مال و دولت کا کام تو صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان اپنی ضروریات بازار سے خرید کر آرام حاصل کر سکتا ہے۔

اس میں یہ بات ناقابل تردید مشاہدوں اور تجربوں سے ثابت ہے کہ صدقات وزکوٰۃ میں خرچ کرنے والے کے مال میں اللہ تعالیٰ ایسی برکت عطا فرما دیتے ہیں کہ اس کے نوے روپے میں اتنے کام نکل جاتے ہیں جو دوسروں کے سو میں بھی نہ نکل سکیں، ایسے آدمی کے مال پر عادۃ اللہ کے مطابق آفتیں نہیں آتیں یا بہت کم آتی ہیں، اس کا پیسہ بیماریوں کے اخراجات، مقدمہ بازی، تھیٹر، سینما، ٹیلی ویژن وغیرہ کی فضولیات میں نہیں ضائع ہوتا، فیشن پرستی کے اسراف سے محفوظ ہوتا ہے، اور معنوی طور پر بھی اس کی ضروریات دوسروں کی بہ نسبت کم قیمت سے مہیا ہو جاتی ہیں۔

اس لئے اس کے نوے روپے نتیجہ اور مقصد کے اعتبار سے حرام آمدنی کے سو روپے سے زائد ہو گئے، صورت حساب کے اعتبار سے تو جب کسی نے سو روپے میں سے دس کا صدقہ کر دیا تو اس کا عدد گھٹ کر نوے رہ گیا، مگر حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے اس کا ایک ذرہ نہیں گھٹا۔ یہی مطلب ہے حدیث مذکور کا جس میں ارشاد ہے کہ صدقے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ اس کے نوے روپے، سو روپے سے بھی زیادہ کام دے جاتے ہیں۔ تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس کا مال بڑھ گیا کہ نوے روپے نے اتنے کام پورے کر دیئے جتنے ایک سو دس میں ہوتے ہیں۔ عام طور پر مفسرین نے فرمایا کہ یہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خور کو اس کا مال آخر میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا، اور صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لئے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں۔ اور بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی، مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہد ہو جاتے ہیں، سود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات تو وہ مال خود ہلاک و برباد ہو جاتا ہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، جیسا کہ ربا اور سٹے کے بازاروں میں اس کا اکثر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں۔ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع ونقصان کے

احتمالات ضرور ہیں اور بہت سے تاجروں کو نقصان بھی کسی تجارت میں ہو جاتا ہے لیکن ایسا نقصان کہ ایک تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسے کی بھیک کا محتاج ہے، یہ صرف سود اور سٹے کے بازاروں میں نظر آتا ہے اور اہل تجربہ کے بے شمار بیانات اس بات میں مشہور و معروف ہیں کہ سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً پائیدار اور دیر تک باقی نہیں رہتا جس کا فائدہ اولاد اور نسلوں میں چلے، اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آ کر اس کو برباد کر دیتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سود خور پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس کے مال پر محاق (گھاٹا) آ جاتا ہے۔

سود کے مال کی بے برکتی

اور اگر ظاہری طور پر مال برباد بھی نہ ہو اس کے فوائد اور برکات و ثمرات سے محرومی تو یقینی اور لازمی ہے کیونکہ یہ بات کچھ مخفی نہیں کہ سونا چاندی خود نہ تو مقصود ہے، نہ کار آمد، نہ اس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے نہ پیاس، نہ اس کو گرمی سردی سے بچنے کے لئے اوڑھا بچھایا جا سکتا ہے، نہ کپڑوں اور برتنوں کا کام دے سکتا ہے، پھر اس کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے میں ہزاروں مشقتیں اٹھانے کا منشاء ایک عقلمند انسان کے نزدیک اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ سونا چاندی ذریعہ ہیں ایسی چیزوں کے حاصل ہونے کا جن سے انسان کی زندگی خوشگوار بن سکے اور وہ راحت و عزت کی زندگی گزار سکے، اور انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ یہ راحت و عزت جس طرح اسے حاصل ہوئی اسی طرح اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو، یہی وہ چیزیں ہیں جو مال و دولت کے فوائد و ثمرات کہلا سکتی ہیں، اس کے نتیجے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جس شخص کو یہ فوائد و ثمرات حاصل ہوئے اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے بڑھ گیا، اگرچہ دیکھنے میں کم نظر آئے، اور جس کو یہ فوائد و ثمرات کم حاصل ہوئے، اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے گھٹ گیا، اگرچہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سود کے کاروبار اور صدقہ و خیرات کے اعمال کا جائزہ لیجئے تو یہ بات آنکھوں سے نظر آ جائے گی کہ سود خور کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی انسان کا بدن ورم سے بڑھ جائے، ورم کی زیادتی بھی تو بدن ہی کی زیادتی ہے مگر کوئی سمجھدار انسان اس زیادتی

کو پسند نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے، اسی طرح سودخور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد وثمرات یعنی راحت وعزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

سودخوروں کی ظاہری خوشحالی دھوکا ہے

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سودخوروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے، وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں، عیش وآرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان وشوکت کے تمام سامان موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامان راحت اور ''راحت'' میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں اور کارخانوں میں بنتا اور بازاروں میں بکتا ہے، وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہوسکتا ہے، لیکن جس کا نام ''راحت'' ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے، نہ کسی منڈی میں بکتی ہے، وہ ایک ایسی رحمت ہے جو براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو بعض اوقات بے سروسامان انسان بلکہ جانور کو بھی دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ہزاروں اسباب وسامان کے باوجود حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایک نیند کی ''راحت'' کو دیکھ لیجئے! کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ تو کرسکتے ہیں کہ سونے کے لئے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، اس میں ہوا اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب اور دل خوش کن ہو، چارپائی اور گدے تکیے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضے سے نیند نہیں آتی، یہ سارے سامان دھرے رہ جاتے ہیں، خواب آور دوائیں بھی بعض اوقات جواب دے دیتی ہیں، نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے لیکن نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لاسکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے، ان کے سامان تو روپے پیسے کے ذریعے حاصل ہوسکتے ہیں مگر راحت ولذت کا حاصل ہوجانا ضروری نہیں۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد سودخوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو

سب کچھ ملے گا مگر ''راحت'' کا نام نہ پائیں گے، وہ اپنے کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کو دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ ان کو نہ اپنے کھانے پینے کا ہوش ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا، کئی کئی مل چل رہی ہیں، دوسرے ملکوں سے جہاز آرہے ہیں، ان کی ادھیڑ پن ہی میں صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی ہے، افسوس ہے کہ ان دیوانوں نے سامانِ راحت کا نام ''راحت'' سمجھ لیا ہے اور درحقیقت ''راحت'' سے کوسوں دور ہو گئے، اگر یہ مسکین ''راحت'' کی حقیقت پر غور کرتے تو یہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفلس محسوس کرتے، ہمارے محترم مجذوب صاحب نے خوب فرمایا ہے۔

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

یہ حال تو ان کی ''راحت'' کا ہے، اب ''عزت'' کو دیکھ لیجئے۔ یہ لوگ چونکہ سخت دل، بے رحم ہو جاتے ہیں ان کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مفلسوں کی مفلسی سے یا کم مایہ لوگوں کی کم مائیگی سے فائدہ اٹھائیں، ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالیں اس لئے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی عزت و وقار ہو۔ اپنے ملک کے بنیوں اور یورپ و افریقہ مصر و شام کے یہودیوں کی تاریخ پڑھ لیجئے، ان کے حالات کو دیکھ لیجئے، ان کی تجوریاں کتنے ہی سونے چاندی اور جواہرات سے بھری ہوں لیکن دنیا کے کسی گوشے میں انسانوں کے کسی طبقے میں ان کی کوئی عزت نہیں بلکہ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں ان کی طرف سے بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے، اور آج کل تو دنیا کی ساری جنگیں اسی بغض و نفرت کے مظاہرے ہیں، محنت و سرمایہ کی جنگ نے ہی دنیا میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریے پیدا کئے، کیمونزم کی تخریبی سرگرمیاں اسی بغض و نفرت کا نتیجہ ہیں، جن سے پوری دنیا قتل و قتال و جنگ و جدال کا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ یہ حال تو ان کی راحت و عزت کا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ سود کا مال سود خور کی آنے والی نسلوں کی زندگی بھی خوشگوار نہیں بننے دیتا، یا ضائع ہو جاتا ہے یا اس کی نحوست سے وہ بھی مال و دولت کے حقیقی ثمرات سے محروم و ذلیل رہتے ہیں۔

یورپین اقوام کی سودخوری سے دھوکا نہ کھائیں

لوگ شاید یورپ کے سودخوروں کی مثال سے فریب میں آئیں کہ وہ لوگ تو سب کے سب خوش حال ہیں اور ان کی نسلیں بھی پھولتی پھلتی ہیں، لیکن اول تو ان کی خوش حالی کی حقیقت اور اس میں جو سامان راحت کو "راحت" سمجھ بیٹھنے کا فریب ہے اس کا اجمالی خاکہ عرض کر چکا ہوں، دوسرے اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی مردم خور دوسرے انسانوں کا خون چوس کر اپنا بدن پالتا ہو اور ایسے کچھ انسانوں کی ایک جماعت ایک محلے میں آباد ہو جائے، آپ کسی کو اس محلے میں لے جا کر خون چوسنے کی برکات کا مشاہدہ کرائیں کہ یہ سب کے سب بڑے صحت مند اور سرسبز و شاداب ہیں لیکن ایک عقلمند آدمی جو پوری انسانیت کی فلاح کا خواہش مند ہے صرف اس محلے کو دیکھتا نہیں بلکہ اس کے مقابل ان بستیوں کو بھی دیکھتا ہے جن کا خون چوس کر ان کو ادھ موا کر دیا گیا ہے، اس محلے اور ان بستیوں کے مجموعے پر نظر ڈالنے والا کبھی اس محلہ والوں کے فربہ ہونے پر خوش نہیں ہو سکتا اور مجموعی حیثیت سے ان کے عمل کو انسانی ترقی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا، کیونکہ اس کے سامنے جہاں یہ مردم خور درندے فربہ نظر آ رہے ہیں، وہیں دوسری بستیوں میں ان کی ماری ہوئی زندہ لاشیں بھی نظر آ رہی ہیں، پوری انسانیت پر نظر رکھنے والا انسان اس کو انسان کی ہلاکت و بربادی ہی کہنے پر مجبور ہوگا۔

اس کے بالمقابل صدقہ خیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ ان کو کبھی اس طرح مال کے پیچھے حیران و سرگرداں نہ پائیں گے، ان کو راحت کے سامان اگر چہ کم حاصل ہوں مگر اصل راحت سامان والوں سے بھی زیادہ حاصل ہے، اطمینان اور سکون قلب جو اصلی راحت ہے ان کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حاصل ہوگا اور دنیا میں ہر انسان ان کو عزت کی نظر سے دیکھے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقے کو بڑھاتا ہے، یہ مضمون آخرت کے اعتبار سے تو بالکل صاف ہے ہی، دنیا کے اعتبار سے بھی اگر حقیقت ذرا سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بالکل کھلا ہوا ہے۔ یہی ہے مطلب اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ان الربوا وان کثر فان عاقبته

تصیر الی قل "یعنی سود اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار اس کا نتیجہ قلت ہے، یہ روایت مسند احمد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے۔

آیت کے اخیر میں ارشاد ہے: "ان اللّٰہ لایحب کل کفار اثیم" یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو، کسی گناہ کا کام کرنے والے کو۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ گناہ گار فاسق ہیں۔

سود کے اخلاقی نقصانات

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خود غرضی، بے رحمی، سنگ دلی، زر پرستی اور کنجوسی کی صفات پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، جو رحم و کرم، محبت و مودت، ایثار، تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو، اس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گزاریں، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئیں، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں، دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں، رحم دلی اور سخاوت کو اپنا شعار بنائیں اور اجتماعی مفاد کے آگے کچھ نہ سمجھیں۔ انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کر کے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اوج کمال تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں سے انہیں "اشرف المخلوقات" کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف سود (خواہ وہ تجارتی ہو یا مہاجنی) جس ذہنیت کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں، قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پروا ہوتی ہے، آگے اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا؟ کتنی مدت میں؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع ہوتا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہے، اسے مدیون کے نقصان کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ نفع نقصان کی ہر شکل میں اس کا نفع کھرا رہتا ہے۔ یہ چیز خود غرضی کو اس قدر

بڑھا دیتی ہے کہ ایک سرمایہ دار کسی حاجت مندانہ قرضے میں بھی اپنی رقم کو بلا سود لگانے پر راضی نہیں ہوتا، وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دوں تاکہ گھر بیٹھے ایک معین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے، اس خیال کے پیش نظر اگر ایک شخص کے گھر میں بے گوروکفن لاش پڑی ہے یا اس کا کوئی عزیز دم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آ کر اس سے قرض مانگے گا تو وہ یا تو انکار کردے گا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا، ایسے مواقع پر بالعموم حرام کھاتے کھاتے قساوت قلب کی یہ صفت اس درجہ رنگ جمالیتی ہے کہ اس وقت آپ کے مدلل لکچر اور پر اثر مواعظ کچھ کام نہیں آتے، سود خور دولت مند کو اپنے چاروں طرف پیسہ ہی ناچتا نظر آتا ہے، اس لئے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہونی بھی نہ چاہئے کہ وہ ہماری بات کیوں نہیں سنتا؟ اور ہمارے مواعظ کا کیوں اثر نہیں لیتا؟ اس کے پاس بزبان حال یہ جواب ہے کہ۔

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہ بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

پھر جب لوگ دیکھتے ہیں کہ فاضل سرمایہ اس قدر منافع بخش ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بھی ایک یقینی نفع حاصل ہوسکتا ہے تو ان میں زراندوزی کا جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے اور وہ پیسہ بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور بسا اوقات وہ اسی حرص کے نشے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضرور ہی پیدا کر دیتی ہے، اور اس مرحلے پر زراندوزی کے میدان میں ریس شروع ہوتی ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے زیادہ روپیہ جمع کرلوں، اور پھر یہ ریس حسد، بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے، بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست سے دوست جلنے لگتا ہے، باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، یہاں تک کہ نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں، آپ اپنے گردوپیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے؟ آپ کو جواب اثبات میں ملے گا اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ "سود" ہی کے شجرۂ خبیثہ کے پھل پھول

ہیں، اور اگر ہمیں ان تمام ناہمواریوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کر کے اسی شجرۂ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا، اور اگر ہم اصلاح و تبلیغ کے صرف لفظی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس احمق سے مختلف نہ ہوگی جو بدن پر جابجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے، جس طرح اس شخص کو کبھی شفا حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کر اسے ختم نہ کر ڈالے اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں۔ (از کتاب مسئلہ سود)

سود کے حرام ہونے کا عقلی تجزیہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب المصالح العقلیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سود کی ایک کثیر الوقوع صورت یہ ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفانہ کرنے سے دوچند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں عام جھگڑوں کا گمان غالب ہے اور جب کہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی۔ اس لئے اس پیشہ کو حرام ٹھہرایا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے (مسلم و ترمذی) اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

''اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تم کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ (سورہ بقرہ)

سود دینے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اگر سود دینے والے ہی نہ ہوں یعنی سود پر قرض کوئی نہ لے تو پھر سود خور بھی کوئی نہ رہے بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جائے۔ پس اس اعتبار خاص سے یہ زیادہ تر گناہ ان لوگوں کا ہے جو سود کے دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود

کھانے والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جن قوموں کا پیشہ سودخواری کا تھا اور بالآخر ذلیل و مطرود ہو گئیں۔ منجملہ ان کے قوم یہود ہے کہ چپہ بھر ان کی کہیں سلطنت نہیں ہے جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر ان کو نکلنا پڑتا ہے۔ اس کی جڑ یہی ہے کہ یہ سودخوار قوم ہے جب لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پنجے سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔

نیز سودخواروں کے اخلاق بہت بُرے ہوتے ہیں۔ ایک شخص حکایت کرتے تھے کہ میں نے ایک فقیر کیلئے ایک سودخوار سے سفارش کی تو وہ کہنے لگا کہ پانچ روپے میں دیدوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سود در سود 1/4 لاکھ ہو جاتا۔

لکھنو میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے ان کے مبلغات پرامیسری نوٹوں کے بدلہ میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہو گئی۔ بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ حالانکہ بارہ سو برس کا (بارہ سو برس میں نے اس لئے کہا کہ تیرہویں صدی میں مسلمانوں نے سود لینا دینا شروع کردیا) تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں اور بعض صورتیں سود کی اور بھی ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں۔ ان کی تحریم کی علت ذرا گہری ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

سود کی قباحت

دنیا کی زندگی کا نظام امراء و غرباء مل کر ہی چلا سکتے ہیں نہ غربت کسی کے لئے دوامی ہے اور نہ کوئی امیری کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اجارہ دار ہے۔ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہے اور بعض کو ضروری حاجات کے لئے بھی میسر نہیں۔ امیر و غریب اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ اس لئے اللہ پسند نہیں کرتا کہ امیر غریبوں کا گلا گھونٹ دیں اور ان کی زندگی وبال جان بن جائے کوئی سلیم الفطرت انسان ایسی بے رحمی روا نہیں رکھتا کہ ایک غریب اور مجبور انسان کسی دولت مند کے پاس اپنی حاجت روائی کے لئے جائے اور وہ زکوٰۃ دینا تو درکنار مگر یہ ارادہ کرلے کہ اس کو کچھ رقم قرض دے کر اور اس پر سود کا اضافہ کر کے اس غریب کی ساری جائیداد ہی چھین لے۔ اس لئے سود کا عام رواج پا جانا ہی نوع انسان کی بھلائی اور بہبودی کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تورات میں بھی سود کی ممانعت موجود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی سود لینے کا حکم نہیں دیا۔ اجتماعی حیثیت سے

کسی قوم یا ملک میں سود کا رواج پا جانا بیحد ضرر رساں ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ سرمایہ دار فروغ پائے اور غرباء کی جماعت بڑھے اور اس کی خودداری مفقود ہو کر اخلاق رذیلہ پیدا ہوں۔ جب قوم میں اس قسم کے آدمیوں کی کثرت ہو جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سودخوار سرمایہ دار قوم بحیثیت اجتماعی کمزور ہو کر بالآخر کسی بلند اخلاق قوم سے مغلوب ہوگی۔ قومیں اخلاق کی بلندی و پستی سے فاتح و مفتوح ہوا کرتی ہیں۔ سود قوم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ وہ سرمایہ دار جو چند یوم پہلے نشہ دولت میں سرشار تھے دوسری قوموں کے ہاتھوں ذلیل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو اس دنیا کا حقیقی مالک ہے وہ کب پسند کرتا ہے کہ انسان ہی انسانوں کا قافیہ تنگ کر دیں اس لئے اس نے اپنی مخلوق کو حکم دیا ہے کہ سود کا رواج دنیا سے مٹا دیں۔ سود لینے والے نے مالدار ہو کر اتنا بھی نہ کیا کہ محتاج کو قرض ہی بلا سود دے دیتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ خیرات کے طور پر حاجت مند کو دیتا تو اب اس سے زیادہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کیا ہوگی؟ چاہئے تو یہ تھا کہ امیر غریب لوگوں سے اچھا سلوک کریں ان کو قرض بلا سود دیں۔ اور وقت پر ان کی امداد کریں۔ مسلمانوں کا شیوہ یہی ہے کہ قرض حسنہ دیں اور پھر اپنا اصل روپیہ واپس لے لیں۔ اگر نفع کمانا مقصود ہو تو تجارت اور سوداگری کریں مال و دولت سے اتنی محبت نہ رکھیں کہ یاد الٰہی سے غافل ہو جائیں مگر سودخور رات دن ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اس کو دنیا کی محبت بہت سخت ہے۔ سودخور کاہل اور سست ہو جاتے ہیں۔ محنت اور مشقت کی عادت ڈالیں سوداگری کر کے مال کمائیں شرک کے بعد کسی دوسرے گناہ کی اتنی مذمت نہیں ہے جتنی کہ سود کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! خدا کا خوف کرو بقایا سود چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر اب بھی توبہ کر لو اور سود سے باز آ جاؤ تو اصل رقم لینے کے تم حقدار ہو نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ سود کے متعلق پہلا قانونی حکم غزوہ احد کے موقعہ پر ۳ھ میں نازل ہوا۔ اور سود کی ممانعت کا آخری قطعی حکم جو اوپر ذکر کیا گیا فتح مکہ کے بعد ہوا جبکہ پورے عرب پر اسلام کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور اسلامی مملکت اتنی مستحکم ہو چکی تھی کہ اپنے احکام کو پورے عرب پر نافذ کر سکے۔ اس آخری حکم کے بعد اسلامی مملکت کے دائرہ نفوذ میں سودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا۔ چنانچہ سودی کاروبار کرنے والے قبیلوں کو دھمکی دے دی گئی کہ اس کاروبار کو نہ چھوڑو گے تو تمہارے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔ اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے جب معاہدۂ صلح ہوا تو اس میں

یہ تصریح کردی گئی کہ اگر وہ سودی کاروبار کریں گے تو معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور حالت جنگ تصور کی جائے گی۔ اسی آخری حکم کی بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے اہل علم سے منقول ہے کہ دارالاسلام میں سود کھانے والے کو توبہ پر مجبور کیا جائے اور اگر نہ مانے تو قتل کر دیا جائے جیسا کہ جصاص جلد ا صفحہ ۵۵۹ میں تصریح ہے۔ غور فرمائیے کہ قرآن حکیم میں کفر و شرک یعنی کھلم کھلا بغاوت کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے گناہ کو بھی اللہ اور رسول سے جنگ کے ہم معنی قرار نہیں دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں (یعنی سود کے ستر گناہ ہیں) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ بہت بڑے تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے صاف نظر آتے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ سود خور ہیں۔

سود خوار کو جن جن عذابوں کی قرآن نے دھمکی دی ہے جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھیں اور جن کے کان ہیں وہ سنیں اور جن کے دل ہیں وہ سوچیں ان کو علی الاعلان کہا گیا ہے کہ نہ دوسروں پر ظلم کرے اور نہ اپنے اوپر ظلم کرو۔ لیکن انہوں نے دوسروں پر بھی ظلم کیا اور اپنے اوپر بھی ظلم کیا۔ آج سود کی بدولت امن وامان غارت ہو گیا ہے۔ غرباء بھوکے بھیڑیوں کی طرح دولت مندوں کو چیرنے پھاڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ آج یورپ اشتراکی حیوانوں کے تھپیڑوں سے مخبوط ہو رہا ہے۔ سودی کاروبار کو اختیار کر کے اس نے قدرت کو جنگ کا اعلان دیا۔ کفر کی وجہ سے باغی تو پہلے ہی تھا اوپر سے اس لعنتی کاروبار کو دنیا میں فروغ دیا۔ چنانچہ چیلنج قبول کیا گیا اسی سود کے بل بوتے پر وہ جنگ لڑی جا رہی ہے جس کی نظیر نہ دنیا کی آنکھوں نے پہلے دیکھی اور نہ سنی۔ آج سود ہی ہولناک جنگ کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ اور اسی جنگ کے ذریعے سے انسانوں کی کمائی ہوئی آمدنی دھواں بن بن کر کچھ فضائی ہواؤں میں اور کچھ جہاز تارپیڈو اور خدا جانے کیا کیا بن کر سمندر کے پانیوں میں محق و فرسودہ ہو کر برباد ہو رہی ہے۔ لوگوں کو نہ گھر کے اندر چین ہے اور نہ گھر کے باہر جائے پناہ۔ خدا سے جنگ کرنے کے بعد لوگ کہاں پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ سود لینے والے۔ سود دینے والے۔ کاغذات سود لکھنے والے اور گواہیاں ثبت کرنے والے سب لعنتی ہیں۔ اور قیامت کے روز یہ سب لوگ قطعی طور پر حضور کی سفارش سے محروم رہیں گے۔ اللھم احفظنا

سود.... اللہ کی طرف سے اعلان جنگ

علما کرام کی جدوجہد کی بدولت اس وقت سود کی حرمت کا مسئلہ تقریباً قانون کی حد تک عیاں ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے زہریلے اثرات اس وقت قوم میں بری طرح اپنے پنجے گاڑ چکے ہیں۔ لوگ اس کے نقصانات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کتنے ہی سرمایہ دار اس کی لپیٹ میں آ کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کو ہوس مال نے سود کی طرف دھکیلا اور ایسا پھنسایا کہ کنگال کر کے چھوڑا' کتنے ہی بڑے بڑے بزنس مین اس سود کی نحوست سے نادہندگان ہو چکے ہیں۔ کروڑوں کی جائیداد' لاکھوں روپے کا مکان موجود' ہر طرح کی سہولیات و آرائش زندگی میسر لیکن جناب کیمپ فرار۔ وجہ۔ سودی کاروبار۔

سود کے یہ وہ چند دنیاوی نقصانات ہیں جس سے اس وقت قوم دوچار ہے جن قوموں کی تقلید میں ہم اس لعنت کی لپیٹ میں آئے ہیں وہ قومیں خود اس وقت سود کو چھوڑ کر اسلامی نظام مالیت کی طرف رجوع کر رہی ہیں۔ خود امریکا کے تمام بینک اس وقت سودی لین دین کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر ہیں۔ تو ان کو بھی اپنی بقا کیلئے اسلامی نظام مالیت کے در پر دستک دینا پڑی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

اسلامی اخبار ''ضرب مومن'' کی رپورٹ کے مطابق امریکا کے تمام بڑے بینک سود کے ہاتھوں تباہ ہونے کی وجہ سے اب اس بارہ میں فکر مند ہیں کہ کسی طرح اسلامی نظام میں موجود سود کا متبادل نظام رائج کیا جائے تاکہ معیشت کی ڈوبتی ہوئی اس ناؤ کو ساحل پر لایا جا سکے۔ سچ یہی ہے اس سود نے عالمی معیشت کو بری طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ سادہ لوح مسلمان بھی جو اس کے شکار ہوتے ہیں۔ ان میں مشترکہ مرض ہوس زر ہے۔ جو سود کی راہ دکھاتا ہے۔ اگر انسان قناعت و شکر کو نہ اپنائے تو زندگی پرسکون نہیں بن سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا حبک الشئی یعمی و یصم۔ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ تو اسی زیادہ سے زیادہ مال بٹورنے کی ہوس اور لالچ میں کتنے مسلمان ہیں جو اس زبردست گناہ یعنی سود میں بالواسطہ یا بلاواسطہ خوشی سے یا بادل نخواستہ گھسے ہوئے ہیں۔

سود کی قباحت کے متعلق حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ ''سود کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم سود نہیں چھوڑ دو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ یہ اعلان جنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور گناہ پر نہیں کیا گیا چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کے بارہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے یا جو لوگ خنزیر کھاتے ہیں یا جو لوگ زنا کاری کرتے ہیں یا جو چوری کرتے ان کے بارہ میں نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے لیکن سود کے بارے میں یہ فرمایا کہ جو لوگ سودی معاملات نہیں چھوڑتے ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اس پر اتنی سخت اور سنگین وعید نازل ہوئی ہے۔ اتنی زبردست اور واضح وعید کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان سود کے حق میں کوئی کلمہ کہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے''۔

اللہ کے فضل سے دنیا میں اس وقت سود سے پاک بینکاری شروع ہو چکی ہے۔ اللہ پاک مسلمانوں کو اس خوش نما سانپ (سود) جس نے پوری قوم کو ڈس رکھا ہے سے جلد از جلد نجات عطا فرمائیں۔ آمین۔

سود سے پاک بینکاری

ایک زمانہ تھا جب لوگ پریشان تھے کہ کس طرح سود سے بچا جا سکے۔ اب الحمدللہ علماء کی کاوشوں سے اسلامی بینکاری کا نظام ملک بھر میں رائج ہے۔ اب اگر کوئی شخص سودی بینکاری میں مبتلا رہتا ہے تو اس کا عذر قابل قبول نہیں۔ (مرتب)

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا تاریخی کارنامہ

آپ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اکتوبر 1943ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دارالعلوم کراچی میں درس نظامی سے 1960ء میں فراغت ہوئی۔ اسی دوران 1958ء میں پنجاب بورڈ سے عربی فاضل امتیازی درجات میں پاس کیا۔ 1964ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ پھر 1967ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایل ایل بی امتیازی درجے میں پاس کیا۔ 1970ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کا امتحان امتیازی درجہ میں پاس کیا۔

آپ 1960ء سے تا حال دارالعلوم کراچی میں حدیث وفقہ کے علاوہ مختلف اسلامی علوم کی تدریس میں مصروف ہیں۔ علاوہ ازیں ماہنامہ البلاغ اردو انگریزی کے مدیر اور دارالعلوم کراچی کے نائب صدر ہیں۔ سعودی عرب جدہ کی عالمی اسلامی وتحقیقی تنظیم مجمع الفقہ الاسلامی کے نائب رئیس ہیں۔ معاشیات اور بینکنگ پر قابل قدر کام کے باعث اسلامی ممالک کے مختلف بینکوں میں شریعہ سپروائزر بورڈ کے ممبر ہیں۔

عربی اردو انگریزی میں مختلف علمی اصلاحی کتب کے مولف ہیں اور عوام وخواص میں نہایت مقبول ہیں۔ بلاشبہ آپ کا وجود اس دور میں اسلاف کی یاد تازہ کرنے کا بہترین ذریعہ

ہے۔ بندہ مرتب کتاب ہذا کی ادارت میں شائع ہونے والا اصلاحی رسالہ ماہنامہ "محاسن اسلام" ہے جو مولانا کی زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے اللہ پاک آپ کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔ آپ کے تمام امور خیر اس قابل ہیں کہ انہیں زیر بحث لایا جائے لیکن اس دور میں آپ نے جو تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ سود میں جکڑی معیشت کو غیر سودی بینکاری میں تبدیل کرنا ہے اور اس کیلئے آپ کی مساعی جمیلہ تاریخ کا حصہ ہیں۔

غیر سودی بینکاری کے بارہ میں ہمارے اکابر نے کس طرح جدوجہد فرمائی اس کے بارہ میں مولانا اپنی جدید کتاب "غیر سودی بینکاری" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

اپنے اکابر میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب' حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب' حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب' حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب' حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب' حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بندے کو یاد ہے کہ یہ سب حضرات اس فکر میں رہے کہ موجودہ نظام بینکاری کو سود سے پاک کر کے ایسا متبادل نظام قائم ہو جس کے ذریعے اس حرام معاملے سے نجات مل سکے۔ ان حضرات میں سے بعض نے اس موضوع پر تحریریں بھی لکھیں۔ بعض نے اس کیلئے عملی کوششیں بھی کیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ انہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں چوہدری محمد علی صاحب مرحوم سے' جو اس وقت وزیر خزانہ تھے اور بعد میں وزیر اعظم بھی بنے۔ اس موضوع پر طویل نشستیں کیں اور غیر سودی بینکاری کا ایک خاکہ بھی تیار کیا تھا۔ پھر صدر محمد ایوب خان صاحب مرحوم کے زمانے میں شیخ احمد ارشاد صاحب نے کراچی میں ایک کوآپریٹو بینک شرعی اصولوں پر قائم کرنے کا ارادہ کیا تو وہ کثرت سے حضرت والد صاحب اور حضرت بنوری صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ سے ملتے رہے۔

بہر حال! اپنے بزرگوں کی یہ خواہش اور کوشش تقریباً تواتر سے سامنے آتی رہی ہے کہ سودی بینکاری کا کوئی متبادل نظام پیش کیا جائے لیکن اس کی مفصل عملی شکل ہمارے ملک میں پہلی بار اس وقت سامنے آئی جب صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم کے زمانے میں اسلامی

نظریاتی کونسل کی تشکیل نو ہوئی اور اس وقت حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے رکن نامزد کئے گئے اور بندے کو بھی حضرت قدس سرہ کے ساتھ اس میں خدمت کا موقع ملا۔ اس کے بالکل ابتدائی اجلاسات میں ہی کونسل کے کام کا جو نقشہ تیار کیا گیا۔ اس میں غیر سودی بینکاری کی مفصل تجویز دینا شامل تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت بنوری قدس سرہ کی اس کے فوراً بعد وفات ہوگئی اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہ کو رکن بنایا گیا اور بالآخر کونسل نے ایک رپورٹ تیار کی جس پر حضرت رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بندے کے بھی دستخط تھے۔

اس کے بعد سن ۱۴۱۲ھ میں غیر سودی بینکاری کے مجوزہ طریقوں پر غور کرنے کیلئے کراچی میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا اجلاس ہوا جس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب، حضرت مولانا مفتی سحبان محمود صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی، حضرت مفتی عبدالواحد صاحب، خیر المدارس ملتان سے حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہم شریک تھے اور یہ ناکارہ بھی حاضر تھا۔ اس مجلس کی قراردادیں احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۱ پر شائع ہو چکی ہیں۔

بلاشبہ اس دور میں آپ کی کاوشوں سے ملک بھر میں متعدد بینک کامیابی کے ساتھ غیر سودی بینکاری میں مصروف عمل ہیں۔ شریعت کے مطابق غیر سودی بینکاری کے ذریعے ان لوگوں کو بھی سود جیسی حرام چیز سے بچنے کا موقع مل گیا ہے اور آپ کی کوششوں کی برکت سے کھلی آنکھوں دنیا نے دیکھ لیا کہ سود کے بغیر بھی معیشت چل سکتی ہے اور آدمی سود سے بچنا چاہے تو ہر دور میں شریعت کے اصول ہمارے لئے راہنما ہیں۔

وہ حضرات جنہیں اس سلسلہ میں کوئی علمی اشکال ہو وہ حضرت کی جدید تصنیف ''غیر سودی بینکاری'' کا مطالعہ کر کے اپنی تسکین کا سامان کر سکتے ہیں۔

نیز غیر سودی بینکاری کے متعلق فوری معلومات کیلئے دارالعلوم کورنگی ٹاؤن کراچی 021-35123222-35049774-6 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

سود کے متعلق چند اہم مسائل

سودی قرض لینا

سوال: میں پرائمری سکول کا ماسٹر ہوں' پانچ بچے ہیں' والدہ ہیں' گھر کی ضروریات کے واسطے سودی قرض لیتا ہوں' ہر وقت دل پریشان رہتا ہے' حتیٰ کہ دین کے کاموں میں بھی جی نہیں لگتا' ایسی حالت میں اپنا ذریعہ معاش ٹھیک کرنے کے لیے سرکار سے صنعتی قرض لے سکتا ہوں؟

جواب: سود لینا دینا حرام ہے' اگر گزارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لیے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ)

شادی اور کاروبار کیلئے سود پر قرض لینا

سوال: ایک شخص سکول ماسٹر اور امام مسجد ہے' غیر شادی شدہ ہے' مالی حیثیت اتنی نہیں کہ شادی کر سکے' بلاسود قرضے ملنے کی بھی امید نہیں' ایسی مجبوری میں شادی اور ذاتی کاروبار کے لیے بینک سے سودی قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ اضطرار اور انتہائی مجبور حالت ہے تو سودی قرض لینے کی گنجائش ہے' کم سے کم رقم سے کام نکالا جائے' شادی کرنے میں جتنی رقم کی ضرورت ہے اتنی ہی لی جائے' فضول اخراجات اور مہمان نوازی حتیٰ کہ ولیمہ کی دعوت کے لیے بھی ایسی رقم لینے کی اجازت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

سودی رقم میں حیلہ کرنا

سوال: ایک آدمی کے پاس سودی رقم ہے' وہ زکوٰۃ کے حق دار کو یہ رقم بطور ہدیہ دیتا ہے اس شرط سے کہ تو اس میں سے تھوڑی رقم بطور بخشش مجھے دے دے' اس غریب نے وہ

رقم بلانیت ثواب قبول کر کے اصل مالک کو بخش دی' تو کیا اس طرح کا حیلہ صحیح ہے؟ اس مالک کا مقصد رقم کو اپنے استعمال میں لانا ہے؟

جواب: سودی رقم میں حیلہ صحیح نہیں ہے' لہٰذا اس طرح حیلہ کرنے سے سودی رقم غیر مستحق مال دار کے لیے حلال نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

فلوس میں ربا کی ایک صورت کا حکم

سوال: زید کو ضرورت ہوئی کسی قدر روپے کی' پس عمرو کے پاس گیا اور کچھ روپیہ طلب کیا' عمرو نے ۱۹ روپے اور بارہ ٹکے دیدیئے اور اس وقت ایک روپیہ کے چوبیس ٹکے ملتے ہیں اور زید سے عمرو نے مبلغ ۲۰ روپے لکھوائے' یعنی ۱۹ دیئے اور پورے ۲۰ لکھوائے اور اجل معین پر وصول کر لیے' یہ لین دین عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

جواب: انیس روپے تو یقیناً قرض ہیں اور بارہ ٹکے میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ یہ قرض ہے' دوسرے یہ کہ بیع ہے' شق اول پر حسب قاعدہ شرعیہ الاقراض تقتضی باشراطھا یہ شرط ٹھہرانا حرام ہے کہ اس کے عوض میں پورے آٹھ آنے لیے جائیں گے اور تقدیر ثانی پر چونکہ یہ بیع کی جانب سے شرط قرض ہے یا یہ بیع مستقرض کی جانب سے قرض کے ساتھ مشروط ہے' اس وجہ سے حسب حدیث لاتحل سلف و بیع حرام ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں یہ معاملہ حرام ہے' سودخوروں نے ایسے حیلے ایجاد کیے ہیں' اس لیے اگر کسی تکلف سے کسی قاعدہ پر منطبق بھی کر لیا جائے تب بھی فساد غرض کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ (امدادالفتاویٰ)

سود سے بچنے کی بعض تدبیریں

سوال: سرمایہ داروں کی ایک جماعت نے محض دنیوی مفاد کی خاطر سود کی حسب ذیل صورتوں کو بیع سلم قرار دے کر اس کا لینا اور دینا جائز قرار دیا ہے' آپ اس کو دلائل سے واضح فرمائیں؟

۱۔ جبکہ غلہ کا مروجہ نرخ دو روپیہ فی من ہے تو ایک مسلمان اس کو تین روپیہ فی من کے حساب بصیغہ قرض میعادفروخت کرے یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی چند صورتیں ہیں' بعض جائز' بعض ناجائز' جائز صورت یہ ہے کہ عقد

بیع کے وقت یہ نہ کہا جائے کہ ادھار کی وجہ سے اتنا روپیہ زائد لیتا دیتا ہوں بلکہ دیسے ہی قرض دینے کی وجہ سے کچھ بھاؤ بڑھا دیا جائے' یہ جائز ہے۔

اور نا جائز صورتیں یہ ہیں: کہ عقد کے وقت یوں کہا جائے کہ اگر تم نقد لو گے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار لو گے تو یہ' یا یوں کہا جائے کہ ایک مہینہ کے اُدھار پر لو گے تو دس روپیہ قیمت ہوگی اور دو مہینہ کے اُدھار پر بارہ روپیہ مثلاً یہ نا جائز ہیں۔

تنبیہ: اس میں یہ امر بھی قابل غور ہے اور اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر یہ شرط صراحتہً نہ ہو مگر عرفاً اس شرط کو سمجھا جانے لگے اور معروف ہو جائے کہ یہ معاملہ ہی بدون اس صورت قرض کے نہیں ہوتا تو قاعدہ فقہیہ المعروف کالمشروط کے مطابق یہ بھی حکم شرط ہو کر بیع کو فاسد کردے گا۔

۲۔ ایک شخص ارزاں قسم کا غلہ میعادی قرضہ پر دے کر مبادلۃً گراں قیمت حاصل کرے؟

جواب: اس میں بھی اگر عقد کے وقت یہ شرط لگائی کہ ہم تم کو فلاں غلہ میعادی قرض پر اس شرط سے دیتے ہیں کہ تم فلاں قسم کا غلہ ہمیں فلاں نرخ سے دیدو تو یہ بیع فاسد ہے اور اگر وقت عقد میں یہ شرط نہ لگائی تھی بلکہ بیع تو عام دستور کے موافق میعادی قرضہ کے طور پر کامل ہو چکی تھی' اس کے بعد مشتری نے راضی ہو کر گراں قسم کا غلہ اس کو ارزاں دے دیا تو یہ جائز ہے۔

۳۔ ایک شخص ایک من غلہ دیکر ایک میعاد مقررہ کے بعد وہی غلہ دو من لے اور اسکو جائز تصور کرے؟

جواب: اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر دوم میں مذکور ہے کہ شرط بوقت عقد کرنے کی صورت میں نا جائز ورنہ جائز۔

۴۔ ایک شخص ایک دفعہ مروجہ نرخ سے کم نرخ پر قبضہ دے کر میعاد مقررہ کے بعد اس سے اعلیٰ قیمت غلہ اسی نرخ پر لے؟

جواب: اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر اول میں گزرا کہ عقد کے وقت اگر یوں کہے کہ اگر تم اُدھار لو گے تو اس نرخ سے ملے گا تو نا جائز ورنہ جائز ہے۔

۵۔ کھڑی ہوئی فصل یا میوہ دار درختوں کا نرخ پکنے سے پہلے کر لے تو درست ہے یا نہیں؟

جواب: بیع فاسد ہے جس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کے ذمے شرعاً اس کا فسخ کرنا ضروری ہے

لیکن اگر فسخ نہ کریں تو ملک ہو جاتی ہے اور دوسرے خریدنے والوں کو ان سے خریدنا جائز ہو جاتا ہے۔

۶۔ کوئی اراضی یا مکان رہن خرید کر اراضی سے پیداوار اور مکان سے کرایہ حاصل کرے اور پھر اپنا نقدی روپیہ بھی پورا لے مزید برآں ان سب صورتوں کو جائز تصور کرنے والے کیلئے کیا حکم ہے؟

جواب: رہن کی آمدنی اگرچہ مالک کی اجازت سے ہو مرتہن کے لیے ناجائز ہے اور سود کے حکم میں ہے کل قرض جرّ نفعًا فھو ربٰو' علامہ شامی نے بحث کے بعد اسی پر فتویٰ دیا ہے اور اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (امداد المفتین)

مجبوری میں سود دینے والا بھی گناہ گار ہے

سوال: ایک شخص سود لیتا ہے اور لوگ اس سے سود پر لیتے ہیں' وہ قرض پر لیتے ہیں' جب ان بے چاروں کا کوئی قرض نہیں دیتا تب وہ مجبوراً قرض سود پر لیتا ہے' ایسی حالت میں سود دینے والا کیونکر گنہگار ہوگا' وہ بیچارہ تو مجبوری کو لیتا ہے؟

جواب: جو لوگ سودی روپیہ لیتے ہیں جہاں تک دیکھا گیا فضول کے لیے لیتے ہیں اور جو ضرورت میں بھی لیتے ہیں تو اپنے گھر کے ذخیرہ کو زیور اسباب کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں' کہ یہ بھی اپنے پاس رہے اور قرض سے کام چل جائے۔ پس یہ بھی ضرورت میں لینا نہ ہوا' وہ ضرورت یوں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ اول سب چیزیں اپنی بیچ ڈالیں یا اپنی شان اور وضع محفوظ رکھنے کے لیے مزدوری محنت کرنے کو عار سمجھتے ہیں' سو عقلاً و شرعاً یہ ضرورتیں قابل اعتبار نہیں' پھر ان سب کے بعد ایسے اضطرار کے وقت مردار کھانا بھیک مانگ لینا درست ہے۔ پس سود پر قرض لینے کی کسی حالت میں ضرورت نہیں ہے' اس لیے یہ گنہگار ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ)

بیوہ' بچوں کی پرورش کیلئے بینک سے سود کیسے لے؟

سوال: میں چار بچیوں کی ماں ہوں اور ابھی پانچ ماہ قبل میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور میری عمر ابھی ۲۶ سال ہے' میرے شوہر کے مرنے کے بعد ان کے آفس کی طرف سے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ کی رقم فنڈز وغیرہ کی شکل میں مجھے ملی ہے' اب میرے گھر والوں اور تمام لوگوں کا یہی مشورہ ہے کہ میں یہ رقم بینک میں ڈال دوں اور ہر مہینے اس پر ملنے والی رقم لے لیا کروں اور

اس سے اپنا اور بچوں کا خرچ پورا کروں' بات کسی حد تک معقول ہے مگر میرے نزدیک اول تو یہ رقم ہی حرام ہے پھر اس پر مزید حرام وصول کیا جائے اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالا جائے کیونکہ حرام' حرام ہے جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے' مجبوری میں سب جائز ہے جبکہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں' میں اس سلسلے میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کی بچیوں کی کفالت فرمائے۔ آپ کے شوہر کو ان کے آفس سے جو واجبات ملے ہیں اگر ان کی ملازمت جائز تھی تو یہ واجبات بھی حلال ہیں' البتہ ان کو بینک میں رکھ کر ان کا منافع لینا حلال نہیں بلکہ سود ہے' اگر آپ کو کوئی نیک رشتہ مل جائے جو آپ کی بچیوں کی بھی کفالت کرے' تو آپ کے لیے عقد کر لینا مناسب ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پرورش کرنے والے ہیں' اپنی محنت مزدوری کر کے بچیوں کی پرورش کریں اور ان کے نیک نصیبے کے لیے دعا کرتی رہیں' اللہ تعالیٰ آپ کیلئے اور آپ کی بچیوں کیلئے آسانی فرمائیں۔ آمین! (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

سود کی رقم سے بیٹی کا جہیز خریدنا جائز نہیں

سوال: اگر ایک غریب آدمی اپنے پیسے بینک میں رکھتا ہے تو اس سے سود کی رقم چھ یا سات سو بنتی ہے' تو کیا وہ آدمی اسے اپنے اوپر استعمال کر سکتا ہے؟ اگر نہیں کر سکتا تو کیا پھر اسے اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے کوئی چیز خرید سکتا ہے؟

جواب: سود کا استعمال حرام ہے اور گناہ ہے' اس سے بیٹی کو جہیز دینا بھی جائز نہیں۔ (آپکے مسائل اور ان کا حل)

شوہر اگر بیوی کو سود کی رقم خرچ کیلئے دے تو وبال کس پر ہوگا؟

سوال: کسی عورت کا شوہر زبردستی اس کو گھر کے اخراجات کے لیے سود کی رقم دے جبکہ عورت کا اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو تو اس کا وبال کس کی گردن پر ہوگا؟

جواب: وبال تو شوہر کی گردن پر ہوگا' مگر عورت انکار کر دے کہ میں محنت کر کے کھا لوں گی مگر حرام نہیں کھاؤں گی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

سود کی رقم کسی اجنبی غریب کو دے دیں

سوال: کسی مجبوری کی بناء پر میں نے سود کی کچھ رقم وصول کر لی ہے اس کا مصرف بتا دیں آیا میں وہ رقم اپنے غریب رشتہ داروں (مثلاً نانی) کو بھی دے سکتا ہوں؟

جواب: اپنے عزیز و اقارب کے بجائے کسی اجنبی کو جو غریب ہو بغیر نیت صدقہ کے دے دی جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

سود کی رقم استعمال کرنا حرام ہے تو غریب کو کیوں دی جائے؟

سوال: آج کل مختلف افراد کی طرف سے یہ سننے میں آتا رہتا ہے کہ جو لوگ بینک سے سود نہیں لینا چاہتے وہ کرنٹ اکاؤنٹ کھول لیں یا پھر اپنے سیونگ اکاؤنٹ کے لیے بینک کو ہدایت کر دیں کہ اس اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم پر سود نہ لگایا جائے چلئے یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر بینک والوں نے تمہاری رقم پر سود لگا ہی دیا ہے تو اس رقم (سود کی رقم) کو بینک میں بیکار مت پڑا رہنے دو بلکہ نکال کر کسی غریب ضرورت مند کو صدقہ کر دو مجھے اس سلسلے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا سود جیسی حرام کی رقم صدقہ کی جا سکتی ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو پھر چوری ڈاکے رشوت وغیرہ سے حاصل کی گئی آمدنی بھی بطور صدقہ دیا جانا جائز سمجھا جائے حکم تو یہ ہے کہ ''دوسرے مسلمان بھائی کیلئے بھی تم ویسی ہی چیز پسند کرو جیسی اپنے لیے پسند کرتے ہو'' لیکن ہم سے کہا یہ جا رہا ہے کہ جو حرام مال (سود) تم خود استعمال نہیں کر سکتے وہ دوسرے مسلمان کو دے دو' یہ بات کہاں تک درست ہے؟

جواب: اگر خبیث مال آدمی کی ملک میں آ جائے تو اس کو اپنی ملک سے نکالنا ضروری ہے اب دو صورتیں ممکن ہیں' ایک یہ کہ مثلاً سمندر میں پھینک کر ضائع کر دے' دوسرے یہ کہ اپنی ملک سے خارج کرنے کے لیے کسی محتاج کو صدقہ کی نیت کے بغیر دے دے' ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت کی شریعت نے اجازت نہیں دی' لہٰذا دوسری کی اجازت ہے۔ (بحوالہ ایضاً)

سود کی رقم ملازمہ کو بطور تنخواہ دینا

سوال: میں نے اپنے ۱۰ ہزار روپے کسی دُکاندار کے پاس رکھوا دیے تھے وہ ہر ماہ مجھے اس کے اوپر تین سو روپیہ دیتا ہے اب ہمیں آپ یہ بتائیں کہ یہ رقم جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے مسجد کے پیش امام سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کو سود قرار دے دیا ہے جب سے یہ پیسے میں اپنی کام والی کو دے دیتی ہوں اس کو یہ بتا کر دیتی ہوں کہ یہ پیسے سود کے ہیں یا ان پیسوں کے بدلے کوئی چیز کپڑا وغیرہ دے دیتی ہوں وہ اپنی مرضی سے یہ تمام چیزیں اور پیسے لیتی ہے جبکہ اسے پتہ ہے کہ یہ سود ہے اب آپ مجھے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ یہ پیسے کام والی کو دینے سے میں گنہگار تو نہیں ہوتی ہوں؟

جواب: اگر دُکاندار آپ کی رقم سے تجارت کرے اور اس پر جو منافع حاصل ہو اس منافع کا ایک حصہ مثلاً پچاس فیصد آپ کو دیا کرے یہ تو جائز ہے اور اگر اس نے تین سو روپیہ آپ کے مقرر کردیئے تو یہ سود ہے سود کی رقم کا لینا بھی حرام ہے اور اس کا خرچ کرنا بھی حرام ہے آپ جو اپنی ملازمہ کو سود کے پیسے دیتی ہیں آپ کے لیے ان کو دینا بھی جائز نہیں اور اس کے لیے لینا جائز نہیں سود کی رقم کسی محتاج کو بغیر صدقہ کی نیت کے دے دینی چاہیے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

سود کی رقم رشوت میں خرچ کرنا دُہرا گناہ ہے

سوال: سود حرام ہے اور رشوت بھی حرام ہے حرام چیز کو حرام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ مطلب یہ کہ سود کی رقم رشوت میں دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

جواب: دُہرا گناہ ہوگا سود لینے کا اور رشوت دینے کا۔ (بحوالہ ایضاً)

بینک کے سود کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال: بینک میں جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) میعادی (۲) غیر میعادی میعادی وہ رقم ہے جو اجل معلوم کے لیے بینک میں رکھی جاتی ہے اور بینک اس پر سود دیتا ہے لیکن مدت پوری ہونے سے پہلے نہیں مل سکتا۔

غیر میعادی وہ رقم ہے جو اجل مجہول کے لیے بینک میں رکھی جاتی ہے اور بینک اس پر سود نہیں دیتا' بینک جس طرح لوگوں کا روپیہ اپنے یہاں جمع کرتا ہے ایسے ہی اپنے یہاں سے قرض بھی دیتا ہے تو اکثر بلکہ تمام تاجر اپنی وقتی ضرورت کے لیے بینک سے روپیہ قرض لے لیتے ہیں لیکن بینک خود تو ایک ہی صورت میں سود دیتی ہے اور لیتی بہرصورت ہے اور دینے سے کوئی مستثنیٰ نہیں' تو اگر کوئی شخص اپنا روپیہ میعادی جمع کرائے اور سود بینک سے وصول نہ کرے' اس کا حساب علیحدہ کھلوادے اور جب اپنی ضرورت کے وقت بینک سے روپیہ قرض لے اور بوقت ادا بینک اس سے سود کا مطالبہ کرے تو یہ اسی حساب سے وصول کرنے کی اجازت دے دے تو اس طرح کا سودی لین دین جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: اس تدبیر میں اور متعارف طور پر لین دین میں کوئی فرق نہیں' کیا یہ ممکن نہیں کہ غیر میعادی جمع کیا جائے جس پر سود نہیں ملتا اور جب اپنے کو ضرورت ہو تو اپنی اصل رقم ہی سے لے تو سود دینا نہ پڑے۔ (امداد الفتاویٰ)

بینک کے سود سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال: سود کی وہ رقم جو بینک میں حفاظت کے لیے جمع کروانے سے حاصل ہوتی ہے کیا اس کو حکومت کی طرف سے عائد کردہ انکم ٹیکس میں ادا کر دینا اور اس غیر شرعی رقم کے ذریعے غیر شرعی ٹیکس سے براءت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بینک سے جو سود ملتا ہے وہ حکومت کے خزانے سے نہیں ہوتا لہٰذا اس سے انکم ٹیکس ادا کرنا صحیح نہیں بلکہ مالک معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مساکین پر واجب التصدق ہے' البتہ دوسرے سرکاری محکموں سے جیسے بھی ممکن ہو ادا کردہ ٹیکس کی مقدار اس کے لیے حلال وطیب ہے اس لیے کہ انکم ٹیکس کا مروج دستور ظلم محض ہے اور مظلوم اپنا حق بذریعہ چوری اور غصب بھی لے سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ)

یتیم کا مال بینک میں رکھ کر سود لینا

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا جس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اس نے کچھ رقم وراثت میں چھوڑی ہے جو رشتہ داروں نے بینک میں جمع کرادی ہے جس پر نفع ملتا ہے' کسی

شخص نے ان سے کہا کہ یہ نفع نہیں بلکہ سود ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بینک والوں سے یہ طے پایا ہے کہ اگر بینک میں کوئی نقصان ہو جائے مثلاً آگ لگ جائے تو ان یتیم بچوں کی رقم تلف سمجھی جائے گی اور اگر نقصان نہ ہو تو باقاعدہ نفع ملتا رہے گا لہٰذا یہ نفع ہے اور حلال ہے کیونکہ اگر نقصان ہو جائے تو بھی ہم برداشت کرتے ہیں اس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ سود ہے جو بہرحال حرام ہے اور اس پر لعنت وارد ہوئی ہے دنیا و آخرت میں اسکا وبال و عذاب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے یہ رقم بینک میں رکھوائی ہے۔ (احسن الفتاویٰ)

بینک کے تین کھاتوں میں سے کسی ایک میں رقم جمع کرنا

سوال: حفاظت کی غرض سے بینک میں رقم جمع کرانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں: (۱) سودی کھاتا (سیونگ اکاؤنٹ) (۲) غیر سودی کھاتا (کرنٹ اکاؤنٹ) (۳) لاکر سودی کھاتے میں رقم جمع کرانا حرام ہے اس میں سود لینے کا گناہ ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شدید ترین وعیدیں ہیں۔

قرآن کریم میں سودخوروں کے لیے اعلان جنگ ہے علاوہ ازیں اس میں تعاون علی الاثم ہے نیز رقم سودی کاروبار میں استعمال ہوگی کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں اگرچہ سود لینے کا گناہ نہیں مگر تعاون علی الاثم کا گناہ اس میں بھی ہے لاکر میں جمع کرانا بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں اگرچہ سود لینے اور تعاون علی الاثم کا گناہ نہیں ہے مگر بینک کے حرام پیسے سے بنے ہوئے خانے کے استعمال کا گناہ ہے شدید مجبوری کے وقت اس میں رقم جمع کرائی جا سکتی ہے کہ اس میں پہلی دو صورتوں کی نسبت گناہ کم ہے لیکن پھر بھی استغفار لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ)

نیشنل بینک سیونگ سکیم کا شرعی حکم

سوال: گورنمنٹ کی ایک نیشنل ڈیفنس سیونگ سکیم چل رہی ہے مجھے کسی نے بتایا ہے کہ اس میں رقم جمع کروانا اور پھر منافع لینا جائز ہے کیونکہ اس رقم سے ملک کے دفاع کے لیے اسلحہ خریدا جاتا ہے اور ملک کے کام آتا ہے آج جو اسلحہ خریدیں گے اگر وہی اسلحہ چار

پانچ سال بعد خریدیں گے تو دگنی تگنی قیمت حکومت کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ لہٰذا گورنمنٹ اس سکیم کے تحت اسلحہ خریدتی ہے اور ملک کا دفاع ہوتا ہے' آپ قرآن اور حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ کیا اس سکیم میں رقم لگانا اور منافع کے ساتھ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: اگر حکومت اس رقم پر منافع دیتی ہے تو وہ ''سود'' ہے۔ (آپکے مسائل اور انکا حل)

ساٹھ ہزار روپے دے کر تین مہینے بعد اسّی ہزار روپے لینا

سوال: ایک شخص نے بازار میں کمیٹی ڈالی تھی' جب اس کی کمیٹی نکلی (جو ساٹھ ہزار روپے کی تھی) تو وہ اس نے ایک دوسرے دکاندار کو دے دی کہ مجھے تین مہینے بعد اسّی ہزار روپے دو گے تو کیا یہ بھی سود ہے یا نہیں؟ جواب: یہ بھی خالص سود ہے۔ (آپکے مسائل)

بینک سے سود نکالنے پر اشکال اور اس کا جواب

سوال: ضروری امر یہ ہے کہ سارے علماء و مفتیان کرام بینک سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں' چاہے مجبوری کی وجہ کچھ بھی ہو؟ اس پر ایک زبردست اشکال یہ ہے کہ یہ تو قرآن پاک کی نص صریح پر قیاس سے زیادتی لازم آتی ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ پیسے عیسائیت کی تبلیغ پر خرچ ہوں گے' اس کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی نص صریح پر زیادتی کیسے جائز ہے؟ جبکہ قرآن پاک کی نص صریح ربا کی حرمت پر دال ہے تو محض اس بنیاد پر کہ اسلام کو ان پیسوں سے نقصان پہنچے گا' اسلام کے صریح حکم میں تبدیلی کیسے جائز ہے؟ اس لیے کہ سود لے کر اگرچہ اس کو صدقہ کر دیا جائے مگر لینا گویا قرآن کے حکم کی صریح مخالفت ہے' اس کے جواز کی دلیل ہے؟ اسی طرح دارالحرب میں حربی سے سود لینے کا جواز بھی اس نص صریح پر زیادتی ہے جبکہ قاعدہ ہے کہ نص کے مقابلے میں اگرچہ حدیث صحیح ہو وہ رد ہوگی' لہٰذا ہمارے علماء زمانہ نے موجودہ حالات سے متاثر ہو کر قرآنی نص کے مقابلے میں بینک سے سود لینے کو فرمایا' اس کے اصولی دلائل کیا ہیں؟

جواب: سود لینا قطعاً حرام ہے' بینک سے بھی لینا حرام ہے۔ یہ جو کہا گیا کہ سود کے نام پر جو رقم بینک سے ملے اس کو بینک میں نہ چھوڑے وہاں سے نکال کر مسلم غرباء کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے دیدے تو یہ سود لینا نہیں ہے بلکہ وہاں چھوڑ دینے پر چونکہ وہ لوگ سود کی رقم رکھنے والے ہی کے نام سے الگ کر کے ایسے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں جس سے اسلام

اور مسلمانوں کو ضرر پہنچتا اور ظلم ہوتا ہے اور ضرر ظلم سے بچنے اور بچانا بھی منصوص حکم ہے۔ جیسا کہ لاضرر ولا ضرار فی الاسلام اور آیت کریمہ وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ سے بھی اشارہ ملتا ہے اور بھی متعدد آیات واحادیث ہیں جن سے اشارہ ملتا ہے اس لیے اس ظلم وضرر سے بچانے کے لیے ان ہی آیات ونصوص کی مدد سے اس حیلہ کی جرأت ہے' یہ سود کے جواز کا فتویٰ یا قول ہرگز نہیں کہ اشکال وارد ہو۔ (نظام الفتاویٰ)

بینک کا سود غیر مسلم کو دینا

سوال: بینک سے جو سود ملتا ہے وہ کس کو دیا جائے؟ ایک غیر مسلم ضرورت مند ہے اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: یہ رقم غریب' مسکین محتاج کو دی جا سکتی ہے اور وہ اپنے کام میں لے سکتا ہے' غریب مسلمان کو فائدہ پہنچنا چاہیے وہ بہ نسبت غیر مسلم کے زیادہ حق دار ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

بینک کے سود سے غریب کے گھر کا بیت الخلاء بنوانا

سوال: سود کے روپے سے اگر عزیز واقارب کے گھر کا بیت الخلاء بنا دیں تو کیسا ہے؟ سودی رقم لینے کی وجہ سے جو ذمہ داری ہے اس سے وہ سبکدوش ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: ہاں بنا سکتے ہیں اور اس صورت میں آدمی سودی رقم کی ذمہ داری سے بری ہو جائیگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

سود کو بینک میں رہنے دیں یا نکال کر غریبوں کو دے دیں؟

سوال: ہم تاجر والدین کے بیٹے ہیں' ہمارے والدین زیادہ تر پیسے بینک میں جمع کرتے ہیں اور انہیں جمع کردہ رقم میں سے سال کے بعد ''سود'' بھی ملتا تھا' ہم نے والدین سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ سود لینا حرام ہے' پھر کیوں لیتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ''سود'' کی رقم کو غریبوں میں بغیر ثواب کی نیت کے تقسیم کر دیتے ہیں اور یہ رقم وہ حضرات اس لیے بینک سے اٹھاتے ہیں کہ اگر وہ رقم نہ اٹھائی جائے تو اس سے بینک والوں کا فائدہ ہوگا اور یوں کم از کم غریبوں کا فائدہ تو ہوگا؟ آپ سے سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح کرنا صحیح ہے یا افضل پر عمل کرتے ہوئے بالکل سود کی

رقم کو ہاتھ ہی نہیں لگایا جاتا ہے اور پیسے کو بینک ہی میں رہنے دیا جائے؟

جواب: بینک سے سود کی رقم لے کر کسی ضرورت مند کو دے دی جائے مگر صدقہ خیرات کی نیت نہ کی جائے بلکہ ایک نجس چیز کو اپنی ملک سے نکالنے کی نیت کی جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

سرکاری بینک سے سود لینا

سوال: سرکاری بینک سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: دارالحرب میں کفار سے سود لینا بھی جمہور علماء و آئمہ کے نزدیک حرام ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور احناف میں سے امام ابو یوسفؒ اسی حرمت کے قائل ہیں۔ البتہ حضرات طرفین سے دارالحرب میں اس کا جواز منقول ہے اور طحاویؒ نے مشکل الآثار میں سفیان ثوری اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے پھر اس میں بعض مشائخ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ سود لینا جائز ہے دینا جائز نہیں پھر امام صاحبؒ کے قول کا بھی بعض حضرات نے مطلب بیان کیا ہے جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا۔ نیز ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی اختلاف علماء کا ہے۔ نیز سود کے متعلق جس قدر وعیدیں آئی ہیں جو ہر اعتبار سے قطعی ہیں ان کو دیکھ کر بھی کوئی مسلمان اس کی جرأت نہیں کرسکتا کہ جس معاملہ میں سود کا احتمال بھی ہو اس کے پاس جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ سود کے معاملہ میں بہت قسم کے گناہ آدمی کو ہوتے ہیں جس میں ادنیٰ گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے نیز حدیث میں ہے کہ سود سے آدمی جو ایک درہم حاصل کرے وہ چھتیس زنا سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ (اخرجہ مافی باب الربا من المشکوٰۃ)

اس لیے حضرات صحابہؓ و تابعین اور آئمہ اسلام نے اس بارے میں ہمیشہ احتیاط کی جانب کو اختیار کیا ہے خود حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے شبہ کو بھی نیز شعبی حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک چیز کے نو حصے حلال ہوں مگر دسویں حصہ میں سود کا شبہ ہو تو ہم ان نو حلال حصوں کو بھی سود کے خوف سے چھوڑ دیتے ہیں۔

لہذا کفار کے بینکوں سے سود لینے کے متعلق بھی علماء محققین کا فتویٰ بنظر احتیاط اسی پر ہے کہ جائز نہیں ہے اب رہا یہ امر کہ کوئی شخص روپیہ محض بغرض حفاظت بینک میں جمع کرے سود لینے کا ارادہ نہیں تو یہ بھی گناہ ہے اس واسطے کہ اس میں سود خوروں کی اعانت ہے اور ان کی اعانت بالقصد

حرام ہے۔ حدیث شریف میں اس شخص پر بھی لعنت آئی ہے جو سود خوروں کی اعانت معاملہ سود میں کرے اور اگر سود لے کر صدقہ کرنے کی نیت ہو تو بھی درست نہیں کیونکہ صدقہ کرنے کی نیت سے جس طرح چوری کرنا' ڈاکہ ڈالنا جائز نہیں' اسی طرح سود لینا بھی جائز نہیں' البتہ اگر کسی نے غلطی سے سود لے لیا یا روپیہ بینک میں جمع کر دیا اور اس کا سود بینک میں جمع ہو گیا تو اب اس کو بینک میں نہ چھوڑنا چاہیے کیونکہ اس سے عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے وہ جداگانہ گناہ ہے بلکہ لے کر اس کا صدقہ کرنا واجب ہے لیکن یہ یاد رہے کہ اس میں نیت صدقہ کے ثواب کی نہ ہو ورنہ الٹا گناہ ہوگا بلکہ محض یہ سمجھ کر صدقہ کرے کہ میں اس خبیث آمدنی سے بری ہو جاؤں۔ اس نیت سے اس کو صدقہ کا نہ سہی مگر ایک گناہ سے باز آنے کا ثواب بھی مل جائے گا۔ (امداد المفتیین)

گاڑی بینک خرید کر منافع پر بیچ دے تو جائز ہے؟

سوال: (الف) ۳۰ ہزار روپے قیمت کی گاڑی خریدنا چاہتا ہے' مبلغ ۳۰ ہزار اس کے پاس نہیں ہیں' گاڑی کی اصل قیمت کا بل بنوا کر (الف) بینک میں جاتا ہے' بینک ۳۰ ہزار کی گاڑی خرید کر پانچ ہزار روپے منافع پر یعنی ۳۵ ہزار روپے میں یہ گاڑی (الف) کو بیچ دیتا ہے۔ (الف) گاڑی کی قیمت ۳۵ ہزار روپے اقساط میں ادا کرتا ہے یعنی ۵ ہزار روپے (الف) نے ایڈوانس دے کر گاڑی اپنے قبضہ میں لے لی ہے' بقیہ ۳۰ ہزار روپے دس قسطوں میں ۳ ہزار روپے ماہانہ ادا کرے گا' کیا اس صورت میں ۵ ہزار روپے بینک کے لیے سود ہوگا یا نہیں؟ ایسا کاروبار کرنا شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی تفصیل سے بتائیے؟

جواب: اس معاملے کی دو صورتیں ہیں:

اول: یہ ہے کہ بینک ۳۰ ہزار روپے میں گاڑی خرید کر اس کو ۳۵ ہزار روپے میں فروخت کر دے' یعنی کمپنی سے سودا بینک کرے اور گاڑی خریدنے کے بعد اس شخص کے پاس فروخت کرے' یہ صورت تو جائز ہے۔

دوم یہ ہے کہ گاڑی تو (الف) نے خریدی اور اس گاڑی کا بل ادا کرنے کیلئے بینک سے قرض لیا' بینک نے ۳۰ ہزار روپے پر ۵ ہزار روپے سود لگا کر اسکو قرض دیدیا' یہ صورت ناجائز ہے۔ آپ نے جو صورت لکھی ہے وہ دوسری صورت سے ملتی جلتی ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔ (آپکے مسائل اور انکا حل)

سود اور حرام خوری کی تباہ کاریاں

سود حرام ہے اور حرام خوری آخرت میں تو باعث ہلاکت ہے ہی لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ دنیا میں عبرت و نصیحت کیلئے اس کی تباہ کاریاں آشکارا فرما دیتے ہیں تاکہ سعادت مند لوگ دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکیں۔ ذیل میں سود اور دیگر حرام خوریوں کی تباہی کے عبرتناک واقعات دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر واقعہ ہمیں سود جیسے ظلم عظیم سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت میں رکھیں آمین۔

حرام خور کی قبر ٹیڑھی ہو گئی

۲۷ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ کو ایک پولیس افسر کا جنازہ قبرستان میں لایا گیا جب اسے قبر میں اتارا جانے لگا تو اس کی قبر یکا یک ٹیڑھی ہو گئی۔ پہلے پہل تو لوگوں نے اسے گورکن کا قصور قرار دیا۔ اس لئے دوسری جگہ قبر کھودی گئی۔ جب جنازہ کو دوسری قبر میں اتارنے لگے تو قبر ایک بار پھر ٹیڑھی ہو گئی۔ اب لوگوں میں خوف و ہراس پھیلنے لگا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ قبر حیرت انگیز حد تک اس قدر ٹیڑھی ہو جاتی کہ تدفین ممکن نہ رہتی۔ بالآخر شرکائے جنازہ نے مل جل کر میت کیلئے دعائے مغفرت کی اور پانچویں قبر میں ہر حال میں تدفین کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ پانچویں بار قبر ٹیڑھی ہونے کے باوجود زبردستی پھنسا کر میت کو اتار دیا گیا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کے رشتہ داروں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ یہ افسر رشوت لیتا تھا جس کا اس کو مرتے وقت انجام ملا اور اب آگے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اس افسر کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہوگا۔

ایک نصیحت آموز حدیث

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے جو شخص کسی قوم کا والی اور قاضی مقرر ہوا وہ قیامت کے دن اس حالت میں پیش ہوگا کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہوگا۔ پھر اگر وہ رشوت لینے والا نہ تھا اور اس کے فیصلے بھی حق پر مبنی تھے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ اگر وہ رشوت خور تھا اور لوگوں سے مال لے کر حق کے خلاف فیصلے کرتا تھا تو اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور وہ پانچ سو برس کی راہ کے مثل گہرائی میں جا پڑے گا اس حدیث مبارکہ سے رشوت خور کے انجام کے متعلق خوب عبرت حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ جو حیدر آباد ٹنڈو آدم کے ایک کپڑے کے تاجر کے ساتھ ہوا اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔

حرام خور کے بُرے خاتمہ کا واقعہ

اخباری اطلاع کے مطابق قبرستان میں ایک جنازہ لایا گیا۔ امام صاحب نے جوں ہی نماز جنازہ کی نیت باندھی مردہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی امام صاحب نے بھی نیت توڑ دی اور کچھ لوگوں کی مدد سے اس کو پھر لٹا دیا۔ تین مرتبہ مردہ اٹھ کر بیٹھا۔ امام صاحب نے مرحوم کے رشتہ داروں سے پوچھا کیا مرنے والا سود خور تھا۔ انہوں نے اثبات (یعنی ہاں) میں جواب دیا۔ اس پر امام صاحب نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا لوگوں نے جب لاش قبر میں رکھی تو قبر زمین کے اندر دھنس گئی۔ اس پر لوگوں نے لاش کو مٹی وغیرہ سے دبا کر بغیر فاتحہ ہی گھر کی راہ لی۔

حرام خوری پر ایک عبرتناک واقعہ

وہ پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخی دل بھی تھے۔ دل کھول کر غریبوں اور بیواؤں کی امداد کیا کرتے تھے۔ کئی یتیم بچیوں کی شادیاں بھی کرادیں۔ حج بھی کیا ہوا تھا ۱۹۷۳ء کی صبح ان کا انتقال ہو گیا۔ بے حد ملنسار اور با اخلاق تھے۔ اہل محلہ ان سے بہت متاثر تھے۔ ان کی وفات پر تو سوگواروں کا تانتا بندھ گیا۔ ان کے جنازے میں لوگوں کا کافی اژدہام تھا۔ سب لوگ قبرستان آئے۔ قبر کھود کر تیار کر لی گئی۔ جونہی میت قبر میں اتارنے کیلئے لائے کہ غضب ہو گیا۔ یکایک قبر خود بخود بند ہو گئی۔ سارے لوگ

حیران رہ گئے۔ دوبارہ زمین کھودی گئی۔ جب میت اتارنے لگے تو پھر قبر خود بخود بند ہو گئی۔ سارے لوگ پریشان تھے۔ ایک آدھ بار مزید ایسا ہی ہوا آخر کار چوتھی بار تدفین میں کامیاب ہو ہی گئے۔ فاتحہ پڑھ کر سب لوٹے اور ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے زمین زور زور سے ہل رہی ہے۔ لوگوں نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک ہوش اڑا دینے والا منظر تھا۔ آہ! قبر میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ اس میں سے آگ کے شعلے اور دھواں اٹھ رہا تھا اور قبر کے اندر سے چیخ و پکار کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر سب کے اوسان خطا ہو گئے اور سب لوگ جس سے جس طرف بن پڑا بھاگ کھڑے ہوئے۔

سب لوگ بے حد پریشان تھے کہ بظاہر نیک، سخی اور با اخلاق انسان کی آخر ایسی کون سی خطا تھی جس کے سبب یہ اس قدر ہولناک عذاب قبر میں مبتلا ہو گیا؟ تحقیق کرنے پر اس کے حالات کچھ یوں سامنے آئے:۔

مرحوم بچپن ہی سے بہت ذہین تھا۔ لہٰذا ماں باپ نے اعلیٰ تعلیم دلوائی جب خوب پڑھ لکھ لیا تو کسی طرح سفارش اور رشوت کے زور پر ایک سرکاری محکمہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ رشوت کی لت پڑ گئی۔ رشوت کی دولت سے پلاٹ بھی خریدا اور حاصا بینک بیلنس بھی بنایا۔ اُسی سے حج بھی ادا کیا اور ساری سخاوت بھی اسی مال حرام سے کیا کرتا تھا۔

حسن ظاہر پر اگر تو جائے گا عالم فانی سے دھوکا کھائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا کر نہ غفلت، یاد رکھ پچھتائے گا
ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے کرلے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

دو بھائیوں کی ہلاکت کا واقعہ

ایک صاحب نے بتایا کہ میرے عزیزوں میں دو بھائی کہیں پردیس گئے اور چوری یا سینہ زوری سے کہیں سے بہت سا مال کما کر لائے۔ مگر اب انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں چور اس مال کو چرا کر نہ لے جائیں پرانے زمانے کے لوگ سیدھے سادے ہوتے ہی تھے۔ وہ بینک وغیرہ کو کیا جانیں دونوں بھائیوں نے مال کی حفاظت کی یہ تدبیر سوچی کہ بھائی رات بھر جاگیں اور دن بھر سوئیں اور یہ جتانے کیلئے ہم جاگ رہے ہیں کوئی علامت رکھیں تاکہ چور

سمجھیں کہ یہ لوگ تو جاگ رہے ہیں۔ چنانچہ دونوں رات پھر ڈھول بجایا کرتے اور کھویا کھایا کرتے۔ بات چھپنے والی نہ تھی۔ شدہ شدہ بستی میں یہ بات پھیل گئی کہ دو بھائی مال بہت سا کما کر لائے ہیں اور حفاظت کیلئے رات بھر جاگتے ہیں۔ ایک رات چور آئے اور نقب لگا کر سارا مال لے گئے اور وہ دونوں بھائی ڈھول بجاتے اور کھویا کھاتے ہی رہے انہیں پتہ بھی نہ چلا صبح ہوتے ہی جو کوٹھڑی کھول کر دیکھی تو مال غائب تھا۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت۔

حرام خور کی تباہی

ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک عزیز ترقی کرتے کرتے سول سرجن ہو گیا۔ اس خدا کے بندے نے کبھی کسی پر رحم نہیں کھایا۔ بغیر رشوت لئے کسی کا کام نہیں کر کے دیا۔ نتیجہ یہ کہ بہت سارو پیہ کمایا اس کی کبھی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی اور آخر کار ایک ایسا مرض لگ گیا جس کے علاج کیلئے وہ سارے یورپ میں بھاگا بھاگا پھرا اور اس طرح وہ بینک بیلنس جو رفتہ رفتہ خوشی خوشی جمع کیا تھا تھوڑے سے دنوں میں سب ختم ہو گیا۔ چوری کا مال موری کو۔

مال حرام کی نحوست

ایک صاحب نے بتایا کہ میرا ایک دوست کلرک تھا۔ بے حد رشوت لیتا تھا اور کام بھی کر کے نہ دیتا تھا۔ اس کی لڑکی کو بیماری لاحق ہو گئی۔ ہزاروں روپیہ پر پانی پھر گیا اور بالآخر لڑکی بھی رخصت ہو گئی اور میاں خان بالکل ننگے ہو گئے۔

حرام خوری کا انجام

ایک صاحب نے بتایا کہ جب میں شروع شروع میں لاہور آیا تو میرے مکان کے برابر اسی بلڈنگ میں ایک داروغہ رہتے تھے انہیں میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا ہے کہ وہ ترکاری، گوشت اور پھل روزانہ دکانداروں سے بالکل مفت لاتے تھے۔ بجلی ہم سب کی چوری سے جلاتے تھے۔ ان کے مکان کے نیچے درزی رہتا تھا۔ اس سے کپڑے بھی مفت سلاتے تھے۔ میرے آنے سے پہلے نلکے کا بل بھی جو بلڈنگ کا مشترک تھا۔ دوسروں سے دلواتے تھے۔ خود کبھی ایک پیسہ نہیں

دیا۔ باوجودان تمام باتوں کے میں نے کبھی ان کے بچوں کے بدن پر ڈھنگ کا کپڑا نہیں دیکھا محلے والے ان حرکتوں سے بہت تنگ تھے نہ معلوم کس کا صبر پڑا کہ انہوں نے قتل کے سلسلہ میں رشوت لی اور پکڑے گئے برخاست ہوئے اور لاہور سے بھاگ گئے اب ملتے ہیں تو بڑی خستہ حالت میں ہوتے ہیں مجھے دیکھ کر نظریں نیچی کر لیتے ہیں اور آنکھ بچا کر نکلنا چاہتے ہیں سچ ہے۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

ایک داروغہ صاحب کا یہ حال تھا کہ ہر موسم گرما میں کسی پہاڑ پر جاتے اور خوب کھاتے اڑاتے' اچانک ہارٹ فیل ہو گیا۔ تجارت کرتے تھے یہ تجارت کسی کی شرکت میں تھی پتہ نہ چلا روپیہ کہاں گیا۔ کچھ روپیہ اور زیور لڑکا رنڈیوں کو دے آیا اور وہ بھی مر گیا۔ اس گھر کا دیا گل ہو گیا اب کوئی نرینہ اولاد نہیں' بیوی دست نگر ہے۔

خدا کی لاٹھی جب حرکت میں آئی

ایک داروغہ جی درد میں بری طرح تڑپتے تھے اور جب یہ درد اٹھتا' کہتے حسینہ مجھے معاف کر دے لوگوں نے پوچھا کیا قصہ ہے کہنے لگے دنیا بھر کے علاج کر چکا ہوں اس درد سے نجات نہیں ملتی۔ میں ایک جگہ تھانیدار تھا۔ وہاں ایک بیوہ عورت کا اکلوتا بیٹا قتل ہو گیا۔ میں نے اصل قاتل کو بچانے کیلئے یہ ثابت کیا کہ اس کی ماں نے ہی لڑکے کو بنا بر اپنی آوارگی کے قتل کیا ہے کیونکہ یہ مانع ہوتا تھا۔ اس دن سے میری یہ حالت ہو گئی کہ میں اپنا دل ودماغ کھو بیٹھا ہوں اور بیماری کی بنا پر استعفی دینے پر مجبور ہو گیا ہوں اور یہ درد مجھے لاحق ہو گیا میں اکثر اس مظلومہ کو خواب میں دیکھتا ہوں۔

حرام خوری کا عبرتناک واقعہ

ایک شخص نے دھوکہ کے ذریعے بڑا روپیہ پیدا کیا' لڑکے کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ حتیٰ کہ باوجود معمولی انسان ہونے کے تعلیم کیلئے لڑکے کو ولایت بھیجا اس لڑکے نے اتنی محنت کی کہ پاگل ہو گیا۔ اور کسی طرح آرام نہ ہوا۔

واہ رے انسان

ایک صاحب نے لاکھوں روپیہ تجارت سے ناجائز کمایا۔ کار' کوٹھی' بینک بیلنس سب کچھ ختم ہوگیا۔ ان کے کبھی کوئی لڑکا زندہ نہ رہا تھا صرف ایک بچہ تھا۔ اسے پڑھایا لکھایا شادی کی اور اس کے بعد وہ بھی مرگیا جس کیلئے سب کچھ کیا تھا وہ چلتا بنا مگر اب پچھتاوے سے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

ناجائز کمائی کی نحوست

ایک صاحب نے تمام ناجائز کمائی کی اور مرتے وقت ایک لاکھ روپیہ چھوڑ کر مرے۔ دو بیٹے چھوڑے۔ ان دونوں حقیقی بھائیوں کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ ہر ہفتہ لاہور آتے' ایک دوست کو ساتھ لیتے۔ شراب پیتے' کباب اڑاتے اور تینوں عیاشی کرتے۔ دوست کا سارا خرچ بھی یہی برداشت کرتے حتیٰ کہ سب روپیہ ختم ہوگیا اور بالآخر وہ گدی نشین سے خاک نشین ہوگئے۔

دنیا کی قلابازیاں

ایک صاحب تھانیداری سے پنشن لے کر آئے۔ سنا تھا سونے چاندی کی اینٹیں تک لائے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑا بھاری کارخانہ کھولا۔ ایک دکان پر بڑے لڑکے کو بٹھایا یہ دکان کپڑے کی تھی۔ غرض خوب کھایا اور کھلایا ان کی ایک لڑکی تھی جو زچہ گری میں اپاہج ہوگئی۔ بہت روپیہ صرف کیا آرام نہ ہوا۔ پھر داروغہ جی کو استسقاء ہوگیا۔ بڑے علاج کئے۔ آخر چل بسے' دو بیٹے چھوڑ گئے تھے بڑے بیٹے نے اپنے حصہ میں دکان لے لی اور چھوٹے نے کارخانہ۔ دونوں آوارہ تھے دونوں نے دکان اور کارخانہ کھا کر برابر کردیا۔ ماں کو مار مار کر اور روپیہ بیچ بیچ کر خوب کھایا اڑایا جب وہ ختم ہوگیا تو ایک کمپوڈر ہوگیا اور دوسرا الیکٹرن کمپنی میں ملازم ہوگیا۔

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے عزیزوں میں دو بھائی تھانیداری سے پنشن لے کر آئے تحریک خلافت کا دور تھا وہ دونوں امن سبھا کے ممبر تھے۔ قصبے میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ نہ معلوم کس بلا کا روپیہ کما لائے تھے کہ ان کے یہاں مرد اور عورتیں کوئی چوبیس ملازم تھے۔ کتے' مرغے

بلیاں بوتر علیحدہ پکے ہوئے تھے غرض ایک نوابی ٹھاٹھ باٹھ تھا۔ محلے والے کو انہوں نے تنگ کر رکھا تھا جس کو چاہتے پٹوا دیتے۔ غرض اس طرح ظلم کرتے ایک دفعہ ایک پھیری والا بنارسی کپڑا لایا۔ انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کے لئے سارا کپڑا خرید لیا اور ایک ہفتہ کے بعد دام دینے کا وعدہ کیا۔ اس بیچارے کو کیا پتہ؟ دیکھا شریف لوگ ہیں اعتبار کیا اور چلا گیا۔ ہفتہ کے بعد دام مانگنے آیا تو انہوں نے اسے خوب پٹوایا اور آخر روتا پیٹتا گیا۔ ان کا گھر جو ایک اچھا خاصا محل تھا۔ وہاں اب الو بولتے ہیں۔ بیٹا دونوں بھائیوں میں سے کسی کے نہ تھا۔ بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں۔ دونوں بھائی مقروض ہو کر مرے۔ ان کے مرتے ہی مکان بنئے نے نیلام پر چڑھا دیا اور سب کچھ فنا ہو گیا۔

ظلم کا انجام

سود ظلم ہے جس کے ذریعے آدمی دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ظلم پر کیسے انتقام لے لیتے ہیں اس بارہ میں امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جو ہم سب کیلئے عبرتناک ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مچھلی کے شکار سے اپنے اہل و عیال کا نان و نفقہ مہیا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن اس کے جال میں ایک بڑی مچھلی آ گئی جس سے وہ بہت مسرور ہوا کہ بازار سے اس کے اچھے دام مل جائیں گے اور چند روز کیلئے بچوں کا نان و نفقہ دستیاب ہو جائے گا۔ مگر راستہ میں ایک ظالم افسر سے ملاقات ہوئی جس نے دریافت کیا کہ تم مچھلی فروخت کرو گے؟ اب وہ شکاری شش و پنج میں پڑ گیا کہ اس کو کیا جواب دوں۔ اگر میں کہتا ہوں کہ فروخت نہیں کرتا تو یہ میری بے عزتی کرے گا اور اگر میں فروخت کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہوں تو پھر یہ مجھے آدھے دام دے کر مچھلی لے لے گا۔ آخر کار اس نے سوچ بچار کے بعد مچھلی فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ جس سے اس افسر نے اس شکاری کو بری طرح بے دردی سے پیٹنا شروع کیا اور مچھلی چھین لی۔ اس شکاری نے بارگاہ الہی میں فریاد پیش کی کہ الہی! آپ نے مجھے ناتواں اور نادار پیدا کیا ہے اور اس کو تونگر اور طاقتور۔ الہی میں قیامت تک انتظار نہیں کر سکتا۔ میرا انتقام اس سے اسی دنیا میں لے لیا جائے۔ خدا کی شان جب وہ غاصب مچھلی لے کر گھر پہنچا تو گھر والوں نے اس کو بھون کر تیار کیا۔ جب اس غاصب

نے کھانے کیلئے مچھلی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس مچھلی نے منہ کھول کر اس کی انگلی کو ایسا سخت کاٹا کہ وہ درد کی وجہ سے بے قرار ہو گیا۔ آخر کار وہ طبیب کے پاس حاضر ہوا اور اپنی تکلیف بیان کی۔ طبیب نے معائنہ کرنے کے بعد مشورہ دیا کہ اس انگلی کو کٹوا دیا جائے۔ ورنہ یہ درد ہاتھ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ چنانچہ انگلی کے کٹوانے کے بعد بھی افاقہ نہ ہوا بلکہ درد بڑھتا گیا۔ بالآخر اس کو ہاتھ بھی کٹوانا پڑا مگر درد بڑھتا گیا۔ اس پریشانی اور بے قراری کے عالم میں وہ شہر سے باہر نکل گیا اور خداوند تعالیٰ کی جناب میں رو رو کر ازالہ مرض کی دعائیں مانگنے لگا۔ ہاتف غیبی نے کہا تو کس کس اندام کو کٹوا تا رہے گا۔ اس مظلوم شکاری کو راضی کر جس سے تو نے مار پیٹ کے بعد مچھلی زبردستی چھینی تھی۔ اب اس کی آنکھیں کھلیں اور شکاری کی تلاش میں نکل پڑا چنانچہ ملاقات کے وقت اس کے قدموں پر گر کر معافی مانگنے لگا اور ساتھ ہی کچھ مالی نذرانہ بھی پیش کیا۔ بڑی منت وسماجت کے بعد جب وہ شکاری راضی ہوا تو فوراً درد غائب ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ مجھے اپنی عزت وجلال و کبریائی کی قسم اگر یہ شخص اس مظلوم کو راضی نہ کرتا تو پوری زندگی مبتلائے درد والم رہتا۔ (نزہتہ الناظرین)

مال حرام سے عذاب قبر تک

انسان جب مال حرام استعمال کرتا ہے تو اس کی وجہ سے مرنے کے بعد اس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ سود کے حرام ہونے میں کسے شک ہے۔ لہٰذا اس حرام مال کے استعمال پر بھی دنیا و آخرت میں عذاب یقینی ہے۔ علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ حیاۃ الحیوان میں ایک واقعہ باب الالف الافعی کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ چند مختلف گاؤں کے آدمی۔ سفر حج کیلئے نکلے حج سے فارغ ہو کر جب یہ لوگ واپس آئے تو مکہ مکرمہ سے تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا ساتھیوں نے قبر وغیرہ تیار کی جب نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کرنے کے خیال سے قبر کے پاس لے گئے تو قبر میں سانپ کو غضب ناک پھنکار مارتا ہوا پایا تو اس قبر میں ان کو دفن نہیں کیا بلکہ آگے چل کر دوسری قبر دو فرلانگ کے فاصلے پر تیار کی اور ساتھی کو اٹھا کر اس قبر کے پاس لائے تو اس میں بھی سانپ موجود تھا ان لوگوں نے سمجھا کہ یہ شاید سانپوں کی سرزمین ہے۔

اس لئے دفن کرنے کا مشورہ فتویٰ حاصل کرنے کیلئے مکہ مکرمہ پہنچے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فتویٰ دریافت کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

یعنی اس مردہ کو اللہ تعالیٰ عذاب قبر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اس لئے اگر تم پورے روئے زمین کو کھود ڈالو تو اس عذاب قبر کو ہر جگہ پاؤ گے تم لوگ جاؤ اسی طرح دفن کردو۔

فتویٰ پانے کے بعد ان لوگوں نے اپنے ساتھی کو سانپ کی موجودگی میں اوپر سے ڈال دیا تو ان لوگوں نے یہ عبرتناک منظر دیکھا کہ سانپ نے سب سے پہلے حملہ اس کی زبان پر کیا اور اس کی زبان کو کاٹنے لگا' ان لوگوں نے جلدی سے قبر کا منہ بند کیا۔ جب سب لوگ اپنے گھر پہنچے اور دو تین حاجی صاحبان فوت ہونے والے حاجی صاحب کے گاؤں گئے اور ان کی عورت سے پوچھا کہ تمہارے میاں کیسے تھے ان کے کیا اعمال تھے؟ عورت نے کہا کہ میرے میاں نمازی تھے روزہ دار تھے اور زکوۃ کے پابند تھے۔ حج کیلئے تو تمہارے ساتھ گئے تھے۔ ان کا سب کام اچھا تھا حاجی صاحبان نے قبر کے عذاب اور سانپ کا واقعہ سنایا کہ اس نے زبان پر پہلا حملہ کیا آخر وہ کیا کرتے تو عورت نے بیان کیا کہ میرے میاں کی ایک بات یاد آتی ہے وہ یہ کہ جب وہ مہاجن سے سو بورہ گیہوں کا بھاؤ طے کرتے تو سو بورہ گیہوں میں سے دس بورہ گیہوں اپنے لئے رکھ لیتے اور اس کی جگہ دس بورہ جو خرید کر نوے بورہ گیہوں میں ملا کر مہاجن کو دے آتے۔

چونکہ یہ حرام کام تھا فروخت شدہ گیہوں کا نہ دینا اور اس کی جگہ جو دینا اور دس بورہ گیہوں سے خود فائدہ اٹھانا حرام تھا اس لئے حرام کھانے پر سزا ہوئی اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا مشاہدہ کبھی کبھی دنیا میں ہی کرا دیا جاتا ہے تا کہ لوگ عبرت پذیر ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سود کی تباہ کاریوں اور
اس کے منحوس اثرات سے محفوظ رکھیں۔
آمین ثم آمین